

تہجہ

آضواء علی

السنة المحمدية

تألیف
محمد ابو بوریہ

مستمع

نثار احمد زین پوری



انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷-۲۷۱۸۵

قسم: جمہوری اسلامی ایران

تیلی فون نمبر ۷۲۱۷۲۲

اسم کتاب	سنت محمدیہ
مؤلف	محمود ابوریہ
مترجم	شمار احمد زین پوری
کاتب	جفر خان
ناشر	انصاریان پبلیکیشنز قسم
طبع	اول ۱۹۸۸ء
مطبع	صدر
تعداد	۲۰۰۰

ISBN 964-438-024-X

شابک X-۰۲۴-۴۳۸-۹۶۴



حرف مترجم

زیر نظر کتاب، مصر کے مشہور صاحب قلم و محقق جناب محمود ابوریہ کی کتاب ہے، انصواً علی السہل الحدید کا ترجمہ ہے، مؤلف نے احادیث و روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور حدیث و سنت کے بارے میں امت مسلمہ کے درمیان جو نظریات پائے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل بحث کی ہے اور سہ بات کو عقل و نفس کی روشنی میں سمجھنا اور سمجھانے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے دور حاضر میں حدیث محدثین کوئی معمولی موضوع نہیں ہے کہ جس پر غم پر داشت لکھ دیا جائے اور اپنے خیالات و نظریات کو اظہار کر دیا جائے بلکہ اس موضوع کو چودہ سو سال سے اہمیت دی جا رہی ہے کبھی برسراِ قیام آنے والے صحابہ نے حدیث بیان کرنے پر پابندی لگائی تاکہ مسلمانوں کو یہی معلوم نہ ہو سکے کہ رسولؐ نے اپنے بعد خلافت کی یاگ ڈور کس کے ہاتھوں میں دی تھی پھر تاریخ نے کھٹ بدلا اور غاصب خلافت سے بھی تاریک دور کا آغاز ہوا، اب کاٹ کھانے والی بادشاہت آگئی اور رسولؐ کے جانشین وہ لوگ بن گئے جو تلواریں ڈرے مسلمان ہو گئے تھے جہاں کا ماضی اسلام کے خلاف جگ بھڑکانے اور اس کو نیست و نابود کرنے میں گزارا تھا، ظاہر ہے ایسے دشمن کے بارے میں رسولؐ نے کوئی حدیث ایسی بیان نہیں کی ہوگی جو دنیا میں اسکے اسلام و ایمان اور حکومت کی سند ادا آخرت میں جنت کا پروانہ بن جائے چنانچہ اسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کیلئے خود اپنی ذات، اپنی سلطنت اور دار السلطنت کیلئے رسولؐ کی حدیث کی ضرورت محسوس ہوئی لہذا اس نے ایسے دنیا پرست اور دولت کے غلام، کمزور عقیدہ صاب و فکریں تلاش کئے جنہوں نے تھوڑا بہت وقت رسولؐ کی صحبت میں گزارا تھا،

یاد آنحضرت ﷺ کے انتقال کے چند سال پیدا ہوئے تھے، یہ لوگ مال دنیا کے بھوکے اور ایمان کی حقیقت سے بے خبر تھے، حکومت وقت نے ان کی کمزوری کو سمجھ لیا اور ان کیلئے مال و دولت کے دہانے کھول دیئے انہوں نے بھی حدیث گڑھنے کی نیکسال سے نئی نئی اور حسب ضرورت حدیثیں نکالنا شروع کر دیں حدیث گڑھنے والوں اور گڑھوانے والوں کو عقل و شعور سے سروکار نہیں تھا بلکہ اپنی تعزیر اور حزب مخالف کی ہنگ منطور تھی نتیجہ میں جعلی احادیث میں تصاد پیدا ہو گیا بعض تو قرآن و سنت متواترہ تک کے خلاف ثابت ہوئیں، بعد کے بعض علماء نے چند حدیثوں کو صحیح مان کر باقی کو حکماً دیا اور اپنے قیاس سے اسلامی احکام استنباط کرنے لگے ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی مستحق اقدام نہیں تھا۔

پھر بعض علماء احادیث کو مختلف اقسام میں بانٹ دیا تاکہ بہتر سے بہتر پر عمل کیا جاسکے لیکن اس میں فرقوں کے استاد و شیوخ آئے آگئے لہذا ہر فرقہ اپنے شیخ کی بات صحیح دوسرے کی بات غلط قرار دینے لگا اور ملت واحدہ بجائے متحد ہونے کے گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور اپنے اپنے فرقہ کی احادیث کو اپنے لئے رجحان سمجھنے لگی اور آج تک ان کی یہی روش ہے حالانکہ خدا نے ہر ایک کو عقل دی ہے۔ جو اس پر خدا کی حجت ہے۔ اس سے کام لینے کی تاکید کی ہے تاکہ وہ حق اور خدا سے قریب ہو سکے امید ہے اس کتاب کو مذہبی تعصب سے بہت کر دیکھا جائے گا اور حق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی، یہ کتاب عربی میں تھی جس کا ہم نے اردو داں طبقہ کی افادیت کی خاطر اور مہتمم انصاریان کی فرمائش کی تعمیل میں ترجمہ کیا ہے، چونکہ مؤلف مصری ہے جس کی زبان ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کیلئے ناموس بھی ہے اسلئے ہر کتاب سے زیادہ اس کے ترجمہ میں وقت صرف ہوا، بار بار لغت دیکھنا پڑا اور اپنے عرب احباب سے بھی مدد حاصل کی اس کے باوجود ترجمہ میں کوئی نقص و کمی نظر آئے تو اسے دامن مغفوس جگہ جگہ فرمائیں، ہمیں اپنی کم علمی اور نادانی کا اعتراف ہے، راہنمائی کرنے والوں کے ہم ممنون ہونگے،

دعا ہے کہ خداوند عالم معصومین کے تصدیق میں اس کوشش کو قبول فرمائے اور ناشر و مترجم کو ہمیشہ توفیقات سے نوازتا رہے، آمین

نثار احمد زین پوری

عرض ناشر

قارئین محترم! یہ کتاب، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اس سے مستغنی ہے یہ کتاب حضرت محمدؐ کی شخصیت سے ان پردوں کو ہانکنے کے سلسلہ میں ایک ٹھوس قدم جو کہ دانستہ یا نادانستہ طریقہ سے پڑ گئے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کے خرمین کے لئے برقی سوزاں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اس سے تاریخ بشریت کے عظیم انسان کا چہرہ صبح طور پر نمایاں ہوتا ہے،

زیر نظر کتاب رسولؐ سے دفاع کے سلسلہ میں ایک جرأت مندانہ اقدام ہے، مؤلف نے کسی ایسے صحابی کی شان نہیں گھٹائی ہے جس نے احد و حنین میں اپنے نبیؐ سے دفاع کرتے ہوئے زخم کھائے تھے،

یقیناً رسولؐ پر ظلم روا رکھتے ہوئے اور خدا سے نڈرتے ہوئے آپ کی طرف ایسا حوٹیں منسوب کی جاتی رہی ہیں جو آپ کا کلام نہیں ہیں، اگر ان پوچ اور گڑھی ہوئی احادیث کی بہتات نہ ہوتی تو مسلمان رشدی جیسے

پست اخلاق رسولؐ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کرتے،
بے شک مستقبل زیادہ تابناک ہے، غمگین دوسرے مخالف آشکار ہوں گے
مستوع تحقیقات ہوں گی، اس وقت باذن خدا سیاہ گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور آفتاب
حق چمک اٹھے گا،
دعا ہے کہ خدا دونوں کو مزید کار خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مؤسسہ انصاریان قم

jabir.abbas@yahoo.com

احدء

میرے پیارے بیٹے مصطفیٰ!

میری سعادۂ تو تمہارے وجود کے ساتھ تھی، تمہارے نور سے میری زندگی میں روشنی رہی۔
تم آنکھوں سے چھپ گئے مگر دنیا میرے اوپر اپنے رخِ دھن کے ساتھ ٹوٹ پڑی اور میں بے بس ہو گیا اگرچہ میں بھی
ابناؤ دنیا میں سے ایک تھا،

بیٹے اس کتاب کو میں تمہارے لئے بیکند ہوں اس کی تالیف کا مقصد حق پرانی ہے جس پر خدا
نے تمہیں پیدا کیا؛ جس سے تمہیں سکون ملتا تھا، خدمتِ علم کے لئے تم نے اپنے نفس کو خاص کر لیا تھا اور اس کی کھیل
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا،

خدا کی قسم مجھے تم سے بے پناہ محبت تھی کسی سے ایسی محبت نہ تھی میرے دل میں تم ہی تلم ہو،
اگرچہ تم میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اجل نے تم کو چھین لیا ہے لیکن تم میرے دل میں موجود رہتے ہو،
اور ذہن و خیال میں تمہاری تصویر گھومتی رہتی ہے، زبان پر تمہارا ہی نام رہتا ہے لہذا تم غائب نہیں ہو، ہاں تمہارا
غم میرے دل پہ لگا اس میں زمانہ نہ گزرنے سکے ورنہ نہ ہوگی تمہاری موت پر میں صبر نہیں کر سکا ہوں،

میں جس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں اس سے نجات کی امید تو نہیں کی جاسکتی ہاں تمہاری قبر میں
سونے سے آرام مل جائیگا کیونکہ میرے بدن کا نصف حصہ دفن ہو چکا ہے اور نصف باقی ہے، اس صورت
میں موت ہی کی تئنائی جاسکتی ہے۔

محمود البوریہ

قاہرہ جیسزہ

مقدمہ ————— ڈاکٹر طاہر حسین

سنت محمدیؐ سے دفاع

بڑی کاوش ہے اس زمانہ میں، ایسی کوشش بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں، اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے پوری طاقت و توانائی صرف کی ہے ایسا ہر آزمائے کام موجودہ زمانہ میں، کہ جس میں عقلی کسالت کا دور، دورہ ہے اور جدوجہد پر راحت کو ترجیح دی جاتی ہے، انگشت شمار افراد ہی انجام دیتے ہیں، جو لوگ باغور اور اطمینان کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے انہیں مؤلف کی اس انتھک کوشش کا اندازہ ہو جائے گا کہ جس نے مؤلف کو ساہا سال تک ان ضخیم کتابوں کی ورق گردانی اور مطالعہ کرنے پر آمادہ کیا کہ جن کو محققین بھی نہیں پڑھتے ہیں اور ان میں غور نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں میں اسانید کی کثرت، ان کی تکرار، تہذیب و آیات، ان کا اضطراب اور مختلف جگہوں پر خبر واحد کی تکرار پائی جاتی ہے،

اس کتاب میں کم از کم جو چیز پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مؤلف نے اس میں بہت سی تھک دینے والی باتوں کو بیان کیا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ انسان حدیث کی معروف کتابوں کے مطالعہ اور ان میں مذکور حدیثوں میں موازنہ کے لئے خود کو تیار کرے اور ہر جہاں

سے بحث کرے کہ جن سے یہ اسانید وجود میں آتی ہیں، واضح رہے کہ مؤلف نے امام مالک کی موکھا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، اور مسند احمد بن حنبل کا مطالعہ کیا ہے اور ساتھ ہی ان کی شروح پر بھی نظر ڈالی ہے، اسی طرح ان چھوٹی بڑی کتابوں کی بھی درج کردہائی کی ہے جو نصوص حدیث کی تفسیر، اسانید رجال اور سیرت و طبقات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، چنانچہ مؤلف نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور غور و تدبیر کیا ہے ان کے اسماء اس کتاب کے آخر میں درج کر دیئے ہیں، قاری ان کتابوں کے اسماء ہی دیکھ کر مؤلف کی زحمت اور ان کے تدبیر و تحقیق کا اندازہ لگا سکتا ہے،

یہ چیز ان کی سخت کوشی اور جانفشانی پر وال ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ ایسا صبر آزما کام اس زمانہ میں انگشت شمار لوگ ہی انجام دیتے ہیں، یہ مؤلف کتاب کے بے پہلی فضیلت ہے جو ظلم بند ہوئی، میں نے اسے دوبارہ پڑھا ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جا بجا ان کا ذکر کر دیا ہے، جن کے اسماء آخر میں لکھے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف نے مبالغہ اور افراط سے کلمہ نہیں لیا ہے بلکہ تمام کتابوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا ہے،

حق یہ ہے کہ کتاب کا موضوع نہایت ہی اہم اور حساس ہے اس زمانہ میں لوگ اسے نہیں چھیڑتے ہیں، بلکہ اس سے شدید طور پر خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ لغزش قلم نہ ہو جائے، یا ان لوگوں کے ناراض ہونے سے ڈرتے ہیں کہ جنہوں نے اس طریقہ کو طبعی بنادیا ہے اور پھر یہ طریقہ مقدس یا شمل مقدس بن گیا، اب اسے نقل ہی کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے اور بس، لیکن تنقید و تدبیر اور احکام کا صدور وہ چیزیں ہیں جن میں کوئی غور نہیں کرتا ہے، ظاہر ہے اس صحت میں، کہ انہوں نے صبر آزما کام کیا، اور سخت کوشی و انہماک سے کام لیا، مؤلف کی دوسری برتری حق کی تلاش اور اس سے مطمئن ہونے کے بعد اس کے

اطلاق کی شجاعت ہے، اس سلسلہ میں وہ نہ کسی کی ملامت سے ڈرتے ہیں اور نہ اعتراض سے وہ اپنی رایوں اور اس چیز سے دفاع کرنے کے لئے تیار ہیں جو کہ ان کے نفس میں حق کے عنوان سے راسخ ہو چکا ہے،

چونکہ رسولؐ سے پہنچنے والی احادیث پر تنقید اور صحیح کو غیر صحیح سے جدا کرنا، تاکہ مسلمان اس چیز سے مطمئن ہو جائیں جو ان کے سامنے رسولؐ سے نقل کی جاتی ہے، حساس و اہم موضوع ہے، مؤلف نے ان چیزوں کو بیان کیا ہے جنہیں رسولؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جبکہ وہ آپؐ کا کلام نہیں ہیں بلکہ مختلف اغراض کی بنا پر آپؐ سے منسوب کر دی گئی ہیں بعض چیزیں یہودیوں کی اس جماعت نے آپؐ سے منسوب کر دی ہیں کہ جس نے بظاہر اسلام و تقویٰ کا لباس پہن لیا تھا، یہ جماعت اپنی طرف سے حدیثیں اختراع کرتی اور ان میں سے بعض کو رسولؐ کی طرف اور بعض کو توریت سے منسوب کر دیتی تھی، جب کہ رسولؐ اور توریت سے ان کا کوئی ربط نہیں جوتا تھا، بعض چیزیں دغل و قصہ گوئی کے درمیان آپؐ سے منسوب کر دی جاتی تھیں، اس نسبت کا مقصد لوگوں کو فضائل و کار خیر کی طرف بلانا اور برائیوں سے باز رکھنا تھا چنانچہ دعاؤں اور قصہ گوئیوں نے اپنی بیان کردہ چیزوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کیا کیونکہ لوگ ان چیزوں سے واعظین اور قصہ گوئیوں کی قصہ سرائی سے زیادہ متاثر ہوتے تھے، کچھ چیزیں خلفاء و حکومتی افراد کی چالوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے حدیث میں شامل کر دی گئیں بعض اشیاء فقہ و کلام کے متکابر لوگوں نے دونوں علوم میں اپنی رایوں سے دفاع کی خاطر ایجاد کیں اور کچھ چیزیں قرون اولیٰ میں بعض سیاسی جماعت کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے گردھی گئیں، اکثر لوگوں نے اس نئے حدیثی گڑھیں تاکہ عامہ و خاصہ کے ذہنوں میں اپنے عالم ہونے اور رسولؐ کے اقوال و اعمال سے معرفت کا سکہ بٹھائیں،

ان تمام چیزوں نے عقول کو فاسد کرنے اور دین انہی میں لوگوں کی رایوں کو منحرف

کرنے اور نبی کے تصور پر جیسا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ آپ کو ہر ناشائستہ بات سے جو کہ آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، منزہ سمجھیں، اثر انداز نہ ہوں،

زمانہ قدیم کے علماء ان چیزوں کو سمجھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا صحیح حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اسے جوئے لوگوں کے کذب سے پاک کرتے تھے، اس اجتہاد میں ان کا ویرا صرف یہ تھا کہ وہ حدیث نقل کرنے والے رجال کی زندگی کی تحقیق کرتے تھے یہاں تک کہ حدیث کی تدوین مکمل ہوگئی، وہ رجال میں سے ہر ایک کی تحقیق کرتے اور اس بات کا پتہ لگاتے تھے کہ راوی پاک سیرت اور اللہ و رسول پر صدق دل سے ایمان رکھتا اور اپنی تمام باتوں میں قسماً کو شدید طور پر ملحوظ رکھتا تھا، خصوصاً حدیث رسول میں یہی مشکور تھا جسے علماء حدیث نے بار آور کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس سلسلہ میں خلوص سے کام لیا،

لیکن یہ شدید اور بار آور کوشش کافی نہیں تھی کیونکہ سب سے دشوار اور پیچیدہ کام لوگوں کی حیات کا تتبع اور اس کے دقائق سے پردہ اٹھانا ہے ممکن ہے اس سلسلہ میں چھان بین کی جائے مگر لوگوں کے حقائق اور ان کے اسرار کے دقائق تک رسائی نہ ہو سکے اور ان کے دلوں کی گہرائی میں پوشیدہ اسرار کا سراغ نہ مل سکے اور ان کے نفوس و سیرت کی گونا گوں مخفی کمزوریوں کا پتہ نہ لگ سکے،

اسی جدوجہد کے ساتھ ایک اور مٹی کا اضافہ ہونا چاہیے تھا اور وہ خود نص کی تحقیق ہے ممکن ہے ایک شخص بظاہر صادق و امین ہو یعنی اگر وہ قضاات کے سامنے گواہی دے تو وہ اس کی گواہی کو قبول کریں گے لیکن دلوں کے بھید کو اور ضمیروں میں چھپی ہوئی چیزوں کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے، ایسے ہی وہ رجال کہ جن سے اس کی حدیث نقل کی جاتی ہے ممکن ہے وہ بھی اس کی مانند صادق و امین ہوں اور قضاات اس کی گواہی قبول کرتے ہیں لیکن باطنی طور پر وہ صحیح نہ ہوں تو اس صورت میں ایسے عادل لوگوں سے نقل ہونے والی احادیث کی نص میں غور و توجہ کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کس حد تک قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن

میں کسی بھی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید ہم تک فرد اور جماعتوں کے نقل کرنے سے نہیں پہنچا ہے بلکہ اسے اجتماعی طور پر پوری امت اسلامیہ کی نسلوں نے ایک دوسرے سے اس صورت میں نقل کیا ہے جس میں ہم دیکھتے ہیں،

اور ان نسلوں نے اپنے حافظے سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ تحریری و کتبی صورت میں ایک نے دوسرے تک پہنچایا ہے، یہ خود رسولؐ کے زمانہ میں رشتہ تحریر میں لایا گیا، ابو بکر کے عہد خلافت میں جمع ہوا اور عہد عثمان میں مصاحف میں لکھا گیا اور ممالک میں بچا گیا، اس سلسلہ میں مکتوب اور ذہنوں میں دونوں روایتیں جمع ہو گئیں اور دونوں روایتوں میں ہمیشہ مطابقت رہی لہذا قرآن کی نصوص میں سے کسی نہ میں شک کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ قرآن ہم تک جس طریق سے پہنچا ہے اس میں شک نہیں کیا جاسکتا ہے،

ایسے ہی رسولؐ کے کچھ اعمال ہیں جنہیں فرد و جماعت نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ امت اسلامیہ نے نسل بعد نسل نقل کیا ہے جیسے پانچ وقت کا واجب نماز جس کو جن کا خدا نے حکم دیا لیکن ان کی تفصیل نہیں بیان کی تھی، تو رسولؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز قائم کر کے اس کی تفصیل بیان کی اور امت نے اسے ایسے ہی نقل کیا جیسے رسولؐ نے ادا کی تھی،

ایسے ہی خدا نے قرآن میں زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزوں کے بعض احکام بیان کئے ہیں، رسولؐ نے روزہ رکھ کر اور اپنے اصحاب کو روزہ رکھنے کا طریقہ تعلیم کر کے ان کی تفصیل بیان فرمائی، لہذا جب رسولؐ سے نقل ہو کر کوئی حدیث ہمارے پاس پہنچے تو ہمیں اس حدیث کی نص میں غور و خوض کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے وہ قرآن کے منافی اور رسولؐ کے متواتر الفاظ کے برخلاف تو نہیں ہے اور اگر وہ خلاف ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے اور اس کے رد کرنے سے ہمارے دلوں کو مطمئن رہنا چاہیے کیونکہ قرآن کے مفسر اور اس کے محل احکام کی تفصیل بیان کرنے والے تھے،

عائشہ بھی ایسا ہی کیا کرتی تھیں، انہیں بتایا گیا: بعض صحابہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے شب

مہراج اپنے رب کو دیکھا تھا،
عائشہ نے نقل کرنے والے سے کہا: تمہاری بات نے میرے رونگے کھڑے کر دیئے
ہیں پھر اس آئیریم کی تلاوت کی: لا تدرك الابصار ويو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير
اسی طرح عائشہ سے بعض اصحاب رسول کی طرف سے نقل کیا گیا کہ رسول ص فرماتے تھے:
میت پر ضرور عذاب ہوگا اگر اس کے اہل و عیال میت پر روئیں گے
عائشہ نے اس حدیث کو بھی رکھ دیا اور اس آیت کی تلاوت کی: ولا تزر وازرة وزر

اشریٰ ۛ

رسول کے نیک و صالح اصحاب پر رسول ص سے حدیث نقل کرنے کے سلسلہ میں سختی کی جاتی
تھی، چنانچہ جو صحابی رسول ص سے زیادہ حدیث نقل کرتا تھا اس پر عمر سختی کرتے تھے بسا اوقات
اپنے دے سے اس کی خبر لیتے تھے جیسا کہ ابو ہریرہ پر درے برسائے اور کہا:
اگر اب تم نے حدیث بیان کی تو ہمیں مدینہ سے جلا وطن کر کے تمہارا
وطن یمن بھیج دوں گا،

یہ بھی روایت ہے کہ اپنے اقوال بند کرنے سے خود رسول ص نے منع کیا تھا اور جو آپ
سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھتا تھا اس سے آپ کو کراہت ہوتی تھی،
یہ تمام چیزیں مؤلف نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں، اور یہ ان کا ابتکار و جدت نہیں
ہے بلکہ یہ وہی چیز ہے جسے علامہ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد
ابن قیم وغیرہ نے بھی یہی کام انجام دیا تھا لیکن محدثین نے اسے فراموش کر دیا اور اس سے باطل
منہ موڑ لیا تو لوگوں پر امور حدیث مشتبہ ہو گئے، اس زمانہ میں اس فن کے اظہار کرنے میں مؤلف
کے لئے برتری ہے تاکہ وہ لوگ اس کا مطالعہ کر سکیں جو اپنے دین کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور اشتباہات

سے بچنا چاہتے ہیں،
لیکن مؤلف نے چند مقامات پر اشتباہ کیا ہے میں ان تمام مقامات کو اس لئے نقل

نہیں کروں گا کہ اس سے کلام طویل ہو جائے گا صرف مثال پیش کرتا ہوں، کعب الاحبار یہودی تھا، عمر کے زمانہ میں مسلمان ہوا، روایت بتاتے ہیں کہ کعب نے عہد کیا تھا، عین شبوں میں آپ قتل ہو جائیں گے، عمر نے اس سلسلہ میں سوال کیا اور یہ گمان کیا کہ کعب نے یہ چیز تورات میں دیکھی ہوگی، عمر کو حیرت ہوئی کہ ان کا ذکر تورات میں ہوا ہے لیکن کعب نے انہیں خبردار کیا کہ تورات میں تو آپ کے نام کا ذکر نہیں ہے البتہ صفت پائی جاتی ہے دوسرا دن آیا تو ان سے کہا کہ دو روز اور باقی ہیں ایک روز اور گزر گیا تو کہا کہ دو دن تو گزر گئے ایک روز باقی رہ گیا ہے کل آپ قتل ہو جائیں گے جب اس روز کی صبح ہوئی تو ایک غجی غلام آگے بڑھا اور اس نے عمر کو صفوں کے صحیح کرتے وقت زخمی کر دیا، مؤلف کو اس بات پر اصرار ہے کہ عمر کا قتل اس منصوبہ کے نتیجہ میں ہوا ہے، جو ہرمزان نے بنایا تھا جس میں کعب بھی شریک تھا، مؤلف اس بات پر بھی مصر ہیں کہ یہ منصوبہ ہندی ثابت ہے اس میں جاہلوں کے علاوہ کئی شک نہیں کرے گا،

مؤلف سے میری گزارش ہے کہ ان جاہلوں میں سے ایک میں ہوں کیونکہ اس سادش میں مجھے بھی شک ہے، اسے میں وہم ہی سمجھتا ہوں، اس غلام کو بغیر کچھ پوچھے گئے قتل کر دیا، عبید اللہ بن عمر نے محبت سے کام لیا اور ہرمزان کو بغیر سوال کے قتل کر دیا اور کعب الاحبار سات یا آٹھ سال تک مزید زندہ رہا اور اس کے کانے کوئی بات نہ پوچھی اور نہ کسی نے یہ تمہمت لگائی کہ تم اس سازش میں شریک تھے اور ثمان کے پاس اچھی خاصی آمد و رفت تھی اس کے بعد کعب نے مدینہ چھوڑ دیا اور جھس چلا گیا اور وہیں قیلم پذیر ہوا یہاں تک کہ سہھ کو انتقال کیا، تو پھر مؤلف کو اس کی گنجائش کہاں سے ملی کہ وہ اس سازش کے واقع ہونے پر اصرار کریں اور اس میں کعب کو شریک قرار دیں،

اور جب نادانستہ طور پر عبید اللہ بن عمر ہرمزان کو قتل کر دیا جبکہ نہ اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا اور نہ اس پر بیۃ قائم کیا گیا کیونکہ وہ قریب یا عبید سے اس کے باپ کے قتل میں شریک

تھا، چنانچہ اصحاب بنی تمیم سے مسلمانوں کی جماعت نے اس بات پر مسلسل اصرار کیا کہ عبید اللہ بن جراحہ پر حد جاری کی جائے کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو معلم کے سامنے پیش کئے بغیر اور قتل عمر کے سلسلہ میں اس پر پتہ ثابت کئے بغیر قتل کر دیا ہے، عثمان نے عبید اللہ بن عمر کو اس لئے معاف کر دیا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ کل عرق ہوئے اور آج ان کے بیٹے قتل کئے جا رہے ہیں،

چنانچہ انقلابیوں نے اس عفو کو بھی عثمان کی ایک غلطی میں شمار کیا ہے، اور جب حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو عبید اللہ ابن عمر کو اس کے اس جرم کی سزا سنائی، لیکن وہ حضرت علیؓ کے پاس سے جاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا، اس کے سایہ میں زندگی گزارنے لگا اور صفین میں مارا گیا جب کہ عثمان نے کعب سے کچھ نہ پوچھا اور نہ کسی نے اس پر کسی چیز کا اتہام لگایا تو یہ حیران سے آئی جس پر مؤلف کا اصرار ہے اور اتنا شدید کہ کعب پر لعنت تک کر دی ہے، ایسا نہیں کرتا چاہیے تھا کعب کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور ایسے ہی یہ بھی معروف ہے کہ مسلمانوں پر لعنت نہیں کرنی چاہیے،

دوسری مثال، مؤلف کا یہ گمان ہے کہ ابو ہریرہؓ محبت و ثوق کے ساتھ رسولؐ کے صحابی نہیں بنے تھے اور نہ ہی اس کے پاس دین و ہدایت تھی وہ آپؐ کے ساتھ ہیٹ بھرنے کے لئے رہتا تھا ایک فقیر تھا جس کو رسولؐ کا کھانا کھلاتے تھے اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس کو احمد بن حنبل اور بخاری نے بھی نقل کیا ہے لیکن مسلم نے اس حدیث کو خود ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، مسلم کے نزدیک اس کی نص بخاری و حنبل سے زیادہ واضح اور صحیح ہے ابو ہریرہؓ کہتے تھے، جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے کہ وہ ابو ہریرہؓ، ہیٹ بھرنے کی خاطر بنی مکی خدمت کرتا تھا ان دونوں جہلوں میں کہ وہ بنی مکی خدمت کرتا تھا اور وہ رسولؐ کے ساتھ رہتا تھا، فرق ہے ایسے مواقع حسن ظن رکھنا سچے ظن سے بدتر ہے،

• میرے خیال میں ابو ہریرہؓ میں سے آنے والوں کے ساتھ رسولؐ کے پاس ایمان لانے اور آپؐ سے دیکھنے کے لئے نہیں آتے تھے بلکہ اپنا ہیٹ بھرنے کے لئے آپؐ کے پاس

آئے تھے۔ یہ سوئے ظن میں حد سے بڑھ جاتا ہے،

مؤلف ابو ہریرہ کے بارے میں بہت ہی زیادہ سخت ہیں، ہم تو ابو ہریرہ کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں کہ ابو ہریرہ بنی سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں عمر نے ان پر سختی کی تھی اور بعض اصحاب رسولؐ نے ان کی بعض احادیث کو جھٹلایا کہ اکثر چیزیں انہوں نے کعب الاحبار سے نقل کی ہیں، مؤلف ان تمام چیزوں کو ہیرائے میں لکھ سکتے تھے، غلطی کی حالت میں حملہ آور نہ ہوتے وہ کوئی قصہ نہیں لکھ رہے ہیں نہ ہی ادبی چیز سپرد قلم کر رہے ہیں جو کچھ غیظ و غضب میں تحریر کیا اس سے ان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے، وہ ایک عالم کے بارے میں لکھ رہے ہیں جو دین سے متصل ہوتا ہے اور پھر علماء کی زیادہ فضیلت ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب وہ علم سے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں وہ اپنی عقلوں سے بڑھتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں اپنے جذبات و عواطف سے نہیں! یہ کہنا کہ ابو ہریرہ بنی کے ساتھ پیٹ پالتے رہتے تھے، تو یہ ان کے حق میں ظلم ہے، ان کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اسلام لائے اور رسولؐ کے ہمراہ نماز پڑھی آپؐ سے آپؐ کی بعض احادیث سنی، منکوت کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ابو ہریرہ رسولؐ کے ساتھ صرف تین سال رہے اور ان مہاجرین سے زیادہ احادیث بیان کیں جو کہ مکہ سے مدینہ تک آپؐ کے ساتھ رہے ایسے ہی ان انصار سے بھی زیادہ حدیثیں بیان کیں جو کہ مدینہ ہجرت کرنے سے آخری عزم تک آپؐ کے ساتھ رہے ان کے بارے میں اتنا لکھنا کافی تھا،

یہاں میں ایک بات یہ سپرد قلم کرنا چاہتا ہوں کہ مؤلف نے طویل بحث کے درمیان یہ لکھا ہے: کہ

ابو ہریرہ کھانے میں بہت حرصیں تھا ابھی چیزوں کی طرف راغب تھا معاویہ کے دسترخوان پر کھانا اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھا تھا، اور کہتا تھا: معاویہ کے پاس رنگ برنگ کے کھانے ہیں دوسرے نقطوں میں یہ کہتے کہ معاویہ کے پاس روغن میں

تر طوے ملتے ہیں۔۔۔۔۔ مضیہ۔۔۔۔۔ طوے کے رنگ کو کہتے ہیں، اور علیؑ کے ساتھ نماز میں طعت ملتا ہے،

میں یہ کھانا چاہتا ہوں کہ ابو ہریرہؓ نے ان دونوں چیزوں کو کھانا معاویہ کے ساتھ کھاتے اور نماز حضرت علیؑ کے ساتھ پڑھتے کیسے جمع کیا تھا، جب کہ حضرت علیؑ عسقلان میں تھے اور معاویہ شام میں تھا، ہاں یہ ممکن ہے کہ جنگ صفین کے دوران ایسا کیا ہو، میرا خیال یہ ہے کہ اگر جنگ کے دوران ایسا کرتا تو محفوظ نہ رہتا، کیونکہ فریقین میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ان پر جاسوسی و نفاق کا الزام لگا دیتا، اور یہ کہنا کہ یہ بات بعض کتب میں مرقوم ہے تو لکھنے سے قبل اس کی تحقیق کرنا مؤلف کا فرض تھا، کم از کم علامہ پر یہ چیز واجب ہے، پھر مؤلف اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہ جو حدیث افراد و احاد کی صورت میں بیان ہوئی ہیں وہ علامہ کے نقل مفید علم نہیں ہیں بلکہ ان سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے مسلمان ان احادیث سے اصول دین و عقائد پر استدلال نہیں کرتے ہیں ہاں کبھی فقہ میں فرعی احکام پر اور فضائل اعمال پر استدلال کرتے ہیں، اس طرح نیکیوں کی ترغیب میں اور شر سے ڈرانے میں ان سے مدد لیتے ہیں، جن موقعوں کو ہم نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے ان پر مؤلف نے احاد و افراد کے ذریعہ نقل ہونے والی احادیث پر اعتماد کیا ہے جبکہ احاد سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے، پھر مؤلف کو کیا ہو گیا تھا کہ ان احادیث کے ذریعہ ثقہ کے بارے میں افراد سے نہ بچے اور پھر ان سے استدلال کیا تاکہ لوگوں پر ان چیزوں کی تہمت لگائیں جن کے اثبات کا کوئی راستہ نہیں ہے،

دوسری بات کہ جس پر اس حدیث کا اختتام ہوا ہے جسے میں طویل ہونے کے باوجود مختصر سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ مؤلف نے اپنی کتاب میں اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ میں تمام لوگوں کو خوش کرنے میں اور ہر طبقہ کی رضا حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو

سکوٹگا، کبھی لوگوں پر ڈھال کر بات کہی ہے کبھی ان پر غضبناک ہوئے ہیں کبھی انہیں جہود کا حکم اور لکیر کا فقیر اور بے کار بتائے ہیں، خود ان لوگوں سے ناراض ہیں اور ان ہی پر اپنی کتاب مسلط کر رہے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے مؤلف ان سے سخت بغض رکھتے ہیں اور حقائق علم کے انکشاف کے لئے انہیں اچھی بحث و گفتگو کا اہل نہیں سمجھتے ہیں اگر مؤلف اپنی کتاب کے شائع ہونے تک صبر کرتے کہ لوگ اس کو پڑھتے اور موصوف اس کے بارے میں لوگوں کی رائے اور ان کی تنقید سنتے، تو یہ صبر ان کے لئے بہت مفید ہوتا،

لیکن اس کے باوجود اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مؤلف نے کتاب ہذا کی مآبف میں کوشش، باریک بینی، اور حدیث سے بحث میں سچے خلوص سے کلم لیا ہے، اور ان اشتباہات کا کوئی حیثیت نہیں ہے کہ جن میں سے بعض کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، اور پھر نقص و کوتاہی یا خنثیوں سے کون بری ہے،

ڈاکٹر احسن نے سنت محمدیہ سے دفاع کتاب کو پڑھنے کے بعد مہربانی فرما کر یہ
مقدمہ تحریر کیا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری کتاب کو اتنی اہمیت دی
اور متعدد بار اس کا مطالعہ فرمایا اور جو چیز میری مسرت کا باعث ہوئی _____
جس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں _____ اس جلیل القدر عالم اور عظیم ناقد کی
شرافت ہے کہ انہوں نے کتاب میں کوئی چیز لائق تنقید نہیں سمجھی _____ یہ بہت
بڑی بات ہے، _____ اس سے قبل کوئی کتاب تنقید سے نہیں بچ سکی ہاں جس چیز پر
موصوف نے تنقید کا ہے وہ بعض ضعیف نکات ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں تصریح
کر دی ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے،
میں ان ضعیف نکات پر تعلقہ لگا کر حاشیہ پر لکھ دوں گا، امید ہے کہ موصوف
اس سے راضی ہو جائیں گے،

ڈاکٹر صاحب کو قتل عمر کے سلسلہ میں ہونے والی سازش اور اس میں کعب الاحبار
کے شریک ہونے کے بارے میں شک ہے، جب میں نے اس سلسلہ میں ان کی تحریر پڑھی تو میں
مسکرا دیا اور میں نے ان کی کتاب "الشیخان" اٹھائی کہ دیکھوں قتل عمر کے بارے میں کیا

فرماتے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں ان کی تمام تحریر کا مطالعہ کیا یہاں تک کہ جو میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اس سے مطمئن ہو گیا اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس شک سے نجات پا گیا جو کہ قتل عمر کی سازش کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو لاحق ہو گیا تھا۔

دوسرا ضعیف نکتہ یہ ہے کہ میں نے وہاں تاویل میں اسراف سے کام لیا ہے کہ جہاں یہ لکھا ہے کہ ابوہریرہ پیٹ بھرنے کے لئے مسلمان ہوئے تھے یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ بہت سی حدیث کی کتابوں میں انہیں ————— ابوہریرہ

کو اس کا اعتراف ہے، بخاری کی روایت میں ہے کہ میں نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسولؐ کی مصاحبت اختیار کیا، اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسولؐ کی خدمت کرتا تھا، اور یہ بات ابنہ قاتون اور صاحبان دلیل نے لکھی ہے، میں نے تو تاویل کی ہے اور نہ ہی اس میں اسراف سے کام لیا ہے، پھر تاریخ ابوہریرہ اس کے اعتراف کی تائید کرتی ہے، ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ ابن عفان اور اس کی بیٹی غزو ان کے یہاں پیٹ بھر کھانے پر نوکری کرتے تھے اور جب مسلمان ہو کر اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تو ان پر جو گزری اسے بخاری وغیرہ نے بیان کیا ہے جسے بیان کی یہاں ضرورت نہیں ہے،

تیسرا اور آخری ضعیف نکتہ، ڈاکٹر صاحب کو اس روایت میں شک ہے کہ ابوہریرہؓ طحہ معاویہ کے پاس کھاتے اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتے تھے، اگر ابوہریرہؓ نے ایسا کیا ہے تو کیسے محفوظ رہے فریقین میں سے ان پر جاسوسی اور نفاق کا الزام نہیں لگا،

تمام باتوں سے قبل میں یہاں یہ بات عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بہت سے مورخین اور بڑے علماء کے مصادر میں بیان ہوئی ہے جیسے جنلی عادی شذات برہان الدین طحی کی سیرۃ حلبیہ، زعمشری کی ریح الابرار، اور بدیع الزماں ہمدانی اسان البلاء

میں ہے، یہ اگرچہ بہت بڑے کاتب نہیں تھے صرف وہ ————— جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ————— حدیث میں ثقہ تھے، ثعالیٰ کی مضاف و منسوب ہم ان تمام کتابوں کے اساتذہ نہیں بیان کرنا چاہتے، جن میں یہ خبر درج ہے، ابو ہریرہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ضرر سے بچے رہیں ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نہ کسی لشکر میں ہیں نہ قافلہ میں نہ محارم میں شامل !! بلکہ اپنی طویل عمر میں صحیح و سالم رہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جو میرا شدت آمیز اسلوب ملاحظہ کیا ہے تو اگر موصوفہ طرفین کے سبب و شتم کو دیکھتے تو وہ مجھے میری اس تحریر کے بارے میں معذور سمجھتے جو میں نے لکھی تھی، اصل میں اس کتاب کی کچھ فصلیں پہلے میں نے جملہ ارسالہ میں شائع کی تھیں اور اسی دن سے سبب و شتم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا،

واضح رہے کہ میں نے اس ایڈیشن میں ایسی شدت الحسن چیزوں کا مطالبہ کر کے حذف کر دیا ہے اور اب ہمیشہ احسن طریقہ سے دفاع کروں گا اور خدا کے قول کا اتباع کروں گا ہر ایک سے شائستہ برتاؤ کروں گا جو لوگ مجھے برا کہیں گے انہیں سلامتی کی دعا دوں گا، لیکن ابو ہریرہ کے بارے میں جو شدت ہوئی ہے جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اشارہ کیا ہے، تو وہ ان دیلیوں کی شدت ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہے،

یہ چند سطریں ان ضعیف نکات کے بارے میں ہیں جو کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں پیش کئے ہیں، مجھے بڑی سسترت ہے کہ موصوفہ نے اپنی شرافت سے کتاب کے کسٹور موضوع کو نہیں چھیڑا جب کہ ایسی چیز بہت ہیں اور انہیں کی ایسی جامع کتاب میں شائع نہیں کیا کہ جسکو ”میں نے جو اشتباہات پائے“ کے نام سے یاد کیا جاتا، بلکہ صریح طور پر کہا: ان ضعیف نکات میں کہ جن میں سے بعض کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نقص کو تاہی یا لغزشوں سے کوئی بھی بری نہیں ہے، حفظہ اللہ

محمود ابوریہ

کتاب کا تعارف

یہ چیز نہ دلیل و برہان کی محتاج ہے اور نہ اس میں کسی کو اختلاف ہے کہ سنت محمدی کی وہ شان و عظمت جو اپنی طرف مکمل توجہ دینے اور اس سے فہم و بحث کی دعوت دیتی ہے یہاں تک کہ اس میں جو دین و اخلاق، حکمت و آداب وغیرہ کہ جن سے مسلمانوں کو ان کے دین و دنیا میں فائدہ پہونچتا ہے ان کی بھی تحقیق ہونی چاہیے، اس کی اس عظمت و منزلت کے باوجود علماء و اداہارنے اس کے بارے میں کاتھ تحقیق نہیں کی ہے اور اس کو رجال و حدیث کے نعم حکم پر چھوڑ دیا چنانچہ وہ اسے اپنے ہی درمیان گھوماتے رہے، اپنے منہ سے اس کی تحقیق کرنے لہے، اس جماعت نے اپنا طریقہ جو کہ اس نے اپنے لئے اختیار کیا، ایسے جامد اصولوں پر استوار کیا کہ جس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے، ان کے درمیان متقدمین نظر آتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ قواعد وضع کئے ان کی پوری توجہ روایت حدیث کی معرفت اور بقدر استطاعت ان کی تاریخ سے بحث پر تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی اگر ان روایت سے کوئی چیز نئی نفسہ صحیح یا غیر صحیح مقبول یا غیر مقبول صادر ہوئی ہو تو

ان کا کام صرف یہ دیکھنا تھا کہ اس کی سند متصل ہے یا نہیں ہے، اگر متصل ہے تو حدود کے پیچھے بیٹھیں اس سے آگے نہ بڑھیں اور نہ اس سے نہیں اس بڑے قدر دان اولیٰ ہی سے علم روایت منجدرہا اس میں کوئی تحریک و تغیر نہ ہوا وہ ظواہر حدیث پر ایمان لے آئے جسے روایت نے پیش کیا تھا اس پر مطمئن ہو گئے اس کی تحقیق و تجسس کے بغیر اس پر عمل پیرا ہو گئے، علم حدیث کی تحقیق میں انہوں نے سند حدیث کے سلسلہ میں انتہک کوشش کی ہے لیکن انہوں نے ایک بہت بڑے کام کو چھوڑ دیا، جس کی انجام دہی مذکورہ علم میں غور کرنے اور اس کی کتابوں کی تحقیق سے مقدم تھی، یعنی صحیح نص کی حقیقت کی تحقیق مقدم تھی کہ رسولؐ نے راوی سے یہ حدیث کیوں بیان کی اور کیا اس حدیث کو بیان کرتے وقت رسولؐ نے اسے بطور قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا؟ جیسا کہ قرآن مجید کی کتابت کراتے تھے یا حدیث لکھنے سے منع کیا تھا؟ کیا آنحضرتؐ کے بعد صحابہ اور تابعین نے حدیث کی تدوین کی ہے؟ یا انہوں نے اس کی تدوین سے چشم پوشی کی تھی؟ —————؟ حدیث قبول کرنے کے سلسلہ میں صحابہ اور تابعین کا کیا طریقہ تھا؟ —————؟ اور جو روایت آئی تھی کیا وہ لفظی اور سنوئی لحاظ سے کلام رسولؐ کے مطابق ہوتی تھی یا اس کے مخالف ہوتی تھی؟ —————؟ اور وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بنا پر دشمنوں کے افکار اور دوستوں کی اغراض اس میں شامل ہو گئیں چنانچہ وہ چیز حدیث بن گئی جو حدیث نہیں تھی اور بعض اصلیت سے خارج ہو گئیں، پھر آپؐ سے روایت ہونے والی چیزوں کو کس زمانہ میں تدوین کیا گیا؟ —————؟ اور کیا انہوں نے ایک ایسے غیر متزلزل طریقہ سے حدیث کی تدوین کی تھی جس میں زمانہ کے تغیر اور نسلوں کے بدلنے سے کوئی تبدیلی نہ آ سکے اور جمہور جن کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں ان میں کس طریقہ سے حدیث نقل ہوتی ہیں؟ —————؟ اس کے متعلق علماء امت کا نظریہ کیا تھا؟ —————؟ اور وہ کس حد تک اس پر اعتماد کرتے ہیں؟ —————؟ اس کے بارے میں ان کے درمیان کتنا اختلاف ہے اور

اسے تمام چیزوں سے جدا کرنے اور اس سے متاثر ہونے کے بعد کے حالات کیا تھے؟ ان کے علاوہ دوسرے وہ اہم امور جن سے ہر مسلمان کا یاقین اسلام کے محقق کا واقف ہونا ضروری ہے اور اس چیز کو اختیار کرنا لازمی ہے جس کی طرف الفاظ و معنی راہنمائی کرتے ہیں،

لیکن ان اور ایسی ہی ان باتوں سے کہ جن کا حدیث اور اس کی تاریخ سے تعلق ہے، علماء اور محققین نے چشم پوشی کی ہے اور انہیں اخبار و وقائع کی صورت میں کتابوں اور اقوال کی شکل میں ضمیموں میں مخفی چھوڑ دیا ہے نہ کسی اسے کتاب کی صورت میں پیش کیا نہ کسی ناقد نے اس پر تنقیدی نظر ڈالی،

علم حدیث کی بحثوں میں پڑنے سے پہلے اس تاریخ کی چھان بین ضروری تھی کیونکہ کسی بھی علم کی تحقیق سے قبل علماء نے اس کی تاریخ کی معرفت کے حصول کو واجب قرار دیا ہے، کہتے ہیں کہ: کسی بھی چیز کی تاریخ ایسا ہی ہے جیسا بدن کے لئے آنکھ کا

تصنیف کے اسباب

جب میں نے اپنے دین کو عقل و فکر کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا، کیونکہ دین مجھے تلقین و محبت کے ذریعہ ملا تھا، اس نے میں نے اس کے اساسی مصادر اور اس کی صحیح اسانید سے رجوع کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ جب میری تحقیق حدیث کی ان کتابوں تک پہنچی جو جہور کے نزدیک معتد ہیں تو ان میں مجھے ایسی احادیث میں جو اپنے الفاظ و معنی اور اسلوب کے لحاظ سے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" کی قول نہیں ہو سکتی تھیں، جس چیز نے اس نکتہ

۱۔ کتاب سوانح و تجدید، استاد امین الخولی، ص ۸۸،

کی طرف میری راہنمائی کی ہے وہ یہ تھا کہ ان احادیث میں مجھے ایسے معانی نظر آئے جن کا عقل سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی صحیح علم سے ان کا اثبات ممکن ہے نہ تو اس ظاہری ان کی تائید کرتے ہیں نہ قرآن مجید کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں،

ایسے ہی میری نظر سے وہ احادیث گزری ہیں کہ جن سے تفسیر و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں عرب کے اجڑے لوگوں میں سے کسی کا کلام پڑھتا ہوں تو اس سے بلاغت کی بو آتی ہے اور اس کے حسن سے جھوم اٹھتا ہوں لیکن جب میں ان چیزوں کو پڑھتا ہوں جن کو رسولؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو ان میں وہ جھٹا و بلاغت کی بو محسوس نہیں ہوتی ہے، تعجب ہوتا ہے عرب کے فصیح ترین انسان سے فصاحت و بلاغت سے عاری کلام کیونکر صادر ہوئے ! یا آپؐ سے ایسی پوچ بات نقل کی جاتی ہے کہ جس کا آپؐ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اصل میں مجھے اس لئے تعجب ہوتا تھا کہ میں بزرگانِ دین سے یہ سنتا تھا کہ جن احادیث سے سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں وہ من و عن اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ آئی ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ان میں بیان ہونے والی ہر چیز کو قبول کرے خواہ کچھ عجیب بیان ہوا ہو،

جب میں نے وہ حدیث پڑھی کہ جسکا مفہوم یہ ہے :
(جس نے جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے)

اس لفظ " جان بوجھ کر " نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، یہ صداقت کے ساتھ آنے والے اور اس کا حکم دینے والے رسولؐ سے عادی نہیں ہو سکتا ہے، آپؐ کذب سے ڈرتے اور اس سے منع کرتے تھے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ کذب خلاف واقع خبر دینے کو کہتے ہیں، خواہ جان بوجھ کر خبر دی جائے یا سہواً،

میں اس طرح و ردۃ حیرت میں پڑا رہا یہاں تک کہ عرفان حق کی محبت نے مجھے اصل حدیث، اس کی روایت اور صحیح مصادر سے اس کی تاریخ کی تحقیق کی طرف ڈھکیل

دیا، ہو سکتا ہے کہ مجھے وہ چیز مل جائے کہ جو میری پریشانی و حیرت کو ختم کر دے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس اہم امر پر ”کوئی ایسی جامع تالیف وجود میں نہیں آئی تھی کہ جس سے محقق سیر حاصل بحث کرتا اور طالب اپنی امید کو پالیتا، عرصہ دراز تک میں تحقیق و تنقید میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں نے ہر اس کتاب کا مطالعہ کیا جس سے ایک کلمہ کا بھی فائدہ ہو سکتا تھا جو بھی میرے مقصد کی چیز ملتی اس پر میں نظر ڈالتا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جب تھک جانے کے بعد نفس آرام کرنے پر مجبور کرتا تھا تو میں اس کی اطاعت نہیں کرتا تھا، بلکہ میں اسے صبر کرنے اور جانفشانی پر مجبور کرتا تھا یہاں تک کہ میں عجیب حقائق اور بہترین نتائج تک پہنچ گیا اور مجھے وہ چیز مل گئی جو حدیث کی کسی کتاب میں، خواہ اسے صحیح کہتے ہوں یا اسے حسن قرار دیتے ہوں ” نہیں ملتی ہے جو کہ بلفظ اور اپنی حکم ترکیب کے ساتھ آئی ہو یعنی جیسے رسولؐ نے بیان فرمائی تھی ایسے ہی آئی ہو میں نے تو ان کی اصطلاح میں اسے صحیح دیکھا ہے جو بعض راویوں نے سمجھا ہے، ہاں بعض مفرد الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں جو کہ مختصر احادیث میں اپنی اصلی حقیقت پر باقی ہیں، لیکن یہ خالی خالی نظر آتا ہے، میں تو سمجھا ہوں کہ علماء اپنی اصطلاح میں اس چیز کو صحیح حدیث کہتے ہیں جو کہ رفا کی نظر میں صحیح ہوتی ہے نہ کہ وہ جو بذاتہ صحیح ہوتی ہے، اور جس چیز کو وہ متفق علیہ کہتے ہیں اس سے ان کی مراد وہ چیز نہیں ہوتی ہے جو کہ نفس الامر میں صحیح ہوتی ہے بلکہ اس سے ان کا مقصد وہ حدیث ہوتی ہے، جس کے بیان کرنے پر بخاری و مسلم متفق ہیں اور صحیح حدیث کے شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں قطعی ہو، کیونکہ وہ ثقہ سے بھی خطا اور ہود و نسیان کے صدور کو جائز جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیثیں تو نقل ہو کر آئیں لیکن ان میں رسولؐ کی بلاغت کی چمک دمک نہیں ہے یہی سبکی سی روشنی ہے،

میں یہاں ان تمام چیزوں کو سپرد قلم نہیں کر سکتا کہ جن کا مجھ پر انکشاف ہوا ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں، ہم نے اپنی اس کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا ہے،

ان حقائق میں سے اولین چیز مجھ پر یہ منکشف ہوئی کہ: رسولؐ نے اپنی حدیث لکھنے کے لئے کاتب مقرر نہیں کئے تھے بلکہ اسے بغیر قید کے چھوڑ دیا تاکہ سامعین کے اذہان تک پہنچ جائے، اسے حافظ کے تابع کر دیا، جس سے انسان کبھی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے اور نہ سہو و نسیان کے لحاظ سے اس میں نزاع کر سکتا ہے،

ان ہی وجوہ کی بنا پر احادیث کے الفاظ کے نظم میں خلل پڑ گیا اور ان کے معنی میں فرق آگیا، آنحضرتؐ نے اسی پر استغناء کی بلکہ بروقت حدیث لکھنے سے منع بھی کر دیا چنانچہ مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھا کرو اور اگر کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے سن کر کچھ لکھ لیا ہے تو اسے ٹھوکر دے۔

آنحضرتؐ کے اس حکم پر صحابہ نے عمل کیا، انہوں نے آپؐ سے سن کر قرآن ہی لکھا، اور یہاں تک احتیاط کیا کہ حدیث بیانی سے اعراض کرنے لگے اور لوگوں کو حدیث بیانی کرنے سے منع کرنے لگے، اور جو لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرتا تھا اس پر سختی کی جاتی تھی،

چنانچہ ابو بکر و عمر دونوں ہی کسی صحابی سے حدیث نہیں قبول کرتے تھے خواہ وہ دونوں کی نظروں میں کتنا ہی معزز ہوتا مگر جب وہ اس پر کسی کو گواہے آتا اور یہ گواہی دیتا کہ اس کے ساتھ میں نے بھی رسولؐ سے یہ حدیث سنا ہے تو شیخین قبول کر لیتے تھے، اور علیؑ اس صحابی کی مخالفت کرتے تھے جو آپؐ کے سامنے رسولؐ سے روایت کرتا تھا، یہ سب کچھ عہد صحابہ کی بات تھی اس کے بعد دیکھتے کیا ہوتا ہے،؟



بالمعنی حدیث کی روایت

جب بعض نے دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے رسولؐ کی حدیثیں اقتضاء وقت کے مطابق بیان کرتے ہیں اور اس وقت بیان کر رہے ہیں جبکہ احادیث کو سنتے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا ہے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ بلفظ ”جیسا کہ رسولؐ نے فرمایا تھا“ حدیث بیان کرنے سے قاصر ہیں تو انہوں نے اپنے لئے بالمعنی بیان کرنے کو مباح سمجھ لیا، بعد میں آنے والے راوی انہی کے نقش قدم پر چلے، چنانچہ بعد میں آنے والا پہلے راوی سے رسولؐ کی حدیث بالمعنی لیتا تھا اور پھر دوسرے تک اپنے ذہن کے مطابق پہنچاتا تھا، یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے نہ ہی اس میں کسی کو شک ہو سکتا ہے، وکیع کا قول مشہور ہے ”اگر مالی کی دنیا وسیع نہ ہوتی تو لوگ ہلک ہو جاتے“

سفیان ثوری کا قول ہے:

اگر میں آپ حضرات سے یہ کہوں کہ میں نے آپ کے سامنے من و عن رسولؐ کی حدیث بیان کی ہے تو آپ میری بات کی تصدیق نہ کریں کیونکہ میں بالمعنی بیان کرتا ہوں،

راویوں کے بدلنے سے اسی طرح الفاظ و معانی میں تغیر آتا رہا، پھر ان راویوں میں جیسا کہ سیوطی کا قول ہے وہ غیر عرب بھی ہیں جنہیں عرب نہیں کہا جاسکتا اور نہ ان کا لہجہ خالص عربی ہے،

بخاری ہی کو لے لیجئے جو رجال و حدیث کے شیخ ہیں اور ان کی کتاب ”جیسا

جمہور کے درمیان مشہور ہے ” کتاب خدا کے بعد صحیح ترین کتاب ہے وہ بھی باطنی روایت کرتے ہیں ،

یقیناً بالعمی حدیث بیان کرنے میں دین ، لغت اور ادب کا بہت بڑا نقصان ہے اس سلسلہ میں آئندہ بحث ہوگی،

اسی طرح راویوں نے اپنے لئے غلط اعراب اور تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مختل انتظم حدیث کو لینا بھی اور بعض کو لے لینا اور اس کے بعض حصہ کو چھوڑ دینا بھی مباح سمجھ لیا تھا یہ تمام چیزیں انشاء اللہ اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ بیان ہوں گی،

حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ

اس حدیث کی حقیقت کے بارے میں کافی بحث اور انتھک کوشش کے بعد یہ ثابت ہوا کہ لفظ ”مَنْ“ صحابہ کبار کی روایات میں نہیں ہے بلکہ یہ لفظ رجال حدیث کی اصطلاح میں ”اوراج کے طریقہ سے اس حدیث میں داخل ہو گیا ہے تاکہ راوی اس جگہ اس ”مَنْ“ کا سہارا لے سکیں جہاں وہ دوسروں سے خطا و وہم کی جہت سے روایت کرتے ہیں تاکہ اپنے نفسوں سے گناہ کو دھو سکیں اور روایت میں ان کیلئے کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ منطقی خطا کار نہیں ہے یا یہ کلام اس لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ احادیث گڑھنے والے غیر عمدی طور پر اپنے عمل کو جائز قرار دے سکیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے اقوال کو مستند بنا سکیں اور دوسرے افراد ان پر اعتماد کر سکیں،

جعلی حدیثیں

اسلام نے اپنی پوری حیات میں کسی چیز سے اتنا نقصان نہیں اٹھایا ہے جتنا

ان گزشتہ حدیثوں سے اٹھایا ہے جو کہ دشمنان اسلام اور اس کے احباب نے گزشتہ آپ کے لئے وہ اسرائیلیات ہی کافی ہیں، جن کو کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ نے رواج دیا ہے، ایسے ہی مسیحیات وغیرہ جو کہ دیگر ادیان و مذاہب سے اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور مسلمانوں نے بغیر کسی تحقیق کے انھیں قبول کر لیا ہے،

ابو ہریرہ

ابو ہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں حالانکہ وہ ایک سال اور نو ماہ سے زائد رسولؐ کے ساتھ نہیں رہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ”الشیخ المصنوع“ میں اس کی تحقیق پیش کی ہے، ابو ہریرہ کی بیان کردہ روایات میں جو مشکلات ہیں وہ باقی تھیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، موصوف کے حالات کیلئے ہم نے ایک الگ فصل قائم کی ہے وہاں حق علم ادا کیا ہے اور ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو کہ ان کے حق میں یا ان کے خلاف تھیں، اظہار حق کے سلسلہ میں ہم نے کسی کی پرواہ نہ کی اور نہ ہی بیان علم کے بارے میں کوئی حرج محسوس کیا کیونکہ حق ابو ہریرہ سے بلند و برتر ہے،

تدوین قرآن...

تدوین حدیث کے بارے میں قلم اٹھانے سے قبل ہم تدوین قرآن کا مختصر حال پڑھ لیتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جمع قرآن کے بارے میں کتنی دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اسی لئے کل قرآن متواتر طور پر آیا ہے، جو اس کی کسی بھی چیز کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے، اگر قرآن ہی کی مانند حدیث بھی زمانہ رسولؐ ہی میں مدون ہو جاتی اور اس کی تدوین میں ایسے

ہی دقت نظر سے کام لیا جاتا جیسے قرآن کے سلسلہ میں لیا گیا ہے تو کل حدیث بھی ”تواتر“ کے ساتھ نقل ہو کر آئی اور مسلمانوں کے درمیان ایسا شدید اختلاف رونما نہ ہوتا کہ جس کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی ہے،

حدیث کی کتابت

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ حدیث کو دوسری صدی میں اس وقت رشتہ تحریر میں لایا گیا جب کہ رسولؐ کو دنیا سے اٹھے ہوئے سو سال سے زائد گزر چکے تھے اور یہ حدیث کی کتابت روات کی تحریک کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ بادشاہوں کے مشیروں کے اشارہ پر ہوئی تھی، کیونکہ روات ڈرتے تھے کہ کہیں حدیث کی کتابت سے اس میں نہ گہر پڑیں جس سے رسولؐ نے منع کیا ہے پہلے مرحلہ میں حدیث کی کتابت مکمل نہیں تھی پھر یہ مختلف مراحل سے گزری، یہاں تک وہ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں اپنی آخری صورت میں آئی، یقیناً حدیث کی کتابت کی تاخیر میں بہت بڑا نقصان تھا جیسا کہ ہم اسی کتاب میں بیان کر چکے ہیں،

علم حدیث کی نشاۃ

چونکہ علم حدیث بھی ہماری بحث سے متصل ہو گیا ہے لہذا ہم نے اس مناسب صورت میں اسے بھی پیش کیا کہ جس سے اس کی معرفت حاصل کرنے والے کی بھی ہدایت ہوتی ہے، حدیث کی مشہور کتابوں کے بارے میں بحث کی ہے تاکہ ان کی حقیقت کو آشکار

کیا جاسکے اور یہ کہ ان میں کیا غلطی ہے، ان کے بارے میں کیا گیا ہے، جرح و تعدیل کے موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس سے عدالت صحابہ تک بھی پہنچ گئے ہیں اور اس سلسلہ میں علماء کے اختلاف کو بھی واضح کیا ہے اور علم و فضیلت میں ان کے درجات سے بھی بحث کی ہے اور ان سب کا ہم نے مذہب حق کی صورت میں خلاصہ کیا ہے اس میں زاف و برف ہے نہ تفریط، بلکہ میانہ راستہ ہے،

علماء امت اور حدیث

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کی تدوین دوسری صدی میں ہوئی ہے جمہور اہلسنت میں حدیث کی مشہور کتابیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی ہیں چوتھری اور چوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوئی ہیں اور ان میں جو حدیثیں بیان ہوئی ہیں وہ سب طریق آحاد کے ذریعہ آئی ہیں کہ جس سے ظن ہی حاصل ہوتا ہے، علماء امت نے تسلیم و اذعان کے ساتھ ان کی احادیث کو قبول نہیں کیا ہے جیسا کہ آیات قرآن کو قبول کیا ہے اور نہ ہی انہیں ان متواتر اخبار کا درجہ دیا ہے کہ جن پر عمل کرنا واجب اور ان سے روگردانی کرنا جائز نہیں ہے، ان احادیث کے بارے میں علماء میں اختلاف رونما ہوا اور ان کی آراء مختلف ہو گئیں،

مشکلیں اور علماء اصول کے لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں، ”متواتر و آحاد“ متواتر سے علم حاصل ہوتا ہے عقائد میں اسی پر عمل کیا جاتا ہے، آحاد سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور ظن حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جسکو متواتر کہا جاسکے کہ جس سے اس کی دلالت یقینی ہو جائے علماء حدیث نے اس سلسلہ میں کوئی بحث نہیں کی ہے کیونکہ یہ ان کے علم سے خارج ہے وہ

اسے بھی بیان کرتے ہیں جو احاد کے ذریعہ آتی ہے، احاد کی دلالت ظنی ہے اور عقائد میں ظن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے علماء نے ان احادیث کو رو کر دیا ہے جو کہ ان کے قواعد و اصول کے موافق نہیں ہیں، اس بات پر سب متفق ہیں کہ عقائد میں احاد احادیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہو اور طرق متعدد ہوں،

لیکن جو لوگ خود علماء فقہ کہتے ہیں انہوں نے خود کو تقلید کی زنجیر میں جکڑ لیا ہے وہ ان کتابوں کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے ہیں جو کہ ان کے ائمہ کے انتحال کے بعد معرض وجود میں آئی ہیں نہ ان کتابوں میں اپنے ائمہ کی کتب کی طرح ان کی تحقیق کرتے ہیں نہ ہی احکام میں انہیں دلیل شمار کرتے ہیں، لیکن جب انھیں کوئی حدیث ایسی ”ریک“ دستیاب ہو جاتی ہے جو کہ ان کے مذاہب کے موافق ہوتی ہے تو اسے فوراً پتے ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ ان کی اختیار کردہ حدیث سے زیادہ قوی ہو، کبھی ایک حدیث کے ایک حصہ کو قبول کرتے ہیں دوسرے کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذاہب کے خلاف ہوتی ہے اسے قبول نہیں کرتے، رد کر دیتے ہیں، خواہ اسے جماعت نے ہی بیان کیا ہو، اس سلسلہ میں انہیں اس سے بھی سہارا مل گیا کہ علماء کے سارے دلائل ظنی ہیں، ان میں تو اتنی کمی نہیں ہے اور ہر انسان اس حدیث کو بے تکلف قبول کر سکتا ہے جس سے اس کا قلب مطمئن ہو،

اگر آپ محققین خصوصاً ابن قیم جوزی کی کتاب ”اعلام الموقعین“ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سیکڑوں حدیثیں ایسی مل جائیں گی جن پر شیوخ فقہانے عمل نہیں کیا ہے اور نہ ان احادیث کی وجہ سے اپنے مذاہب کی مخالفت کی ہے، جب ان سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آپ نے ان احادیث کے بارے میں اظہار خیال کیوں نہیں کیا جو کہ آپ کے مذاہب میں موجود ہیں، تو وہ کہتے ہیں: ہمارے ائمہ نے ان پر عمل نہیں کیا ہے ہمارے ائمہ نے ان کی احادیث

۱۔ احمد شیعان، یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، اور ترمذی مراد ہیں،

اور قنادوں کو اختیار کیا ہے جن سے ان کے قلوب و نفوس مطمئن تھے اور جو ان کی رائے میں صحیح تھے اپنے زمانہ میں ان ہی پر عمل کر لیا ہے، پھر وہ ائمہ کبار صحابہ اور تابعین سے قریب ہونے کی وجہ سے وسیع علم کے حامل تھے اور فقہ میں ان لوگوں سے زیادہ عمیق نظر رکھتے تھے کہ جن کی کتابیں پہلی صدی ہجری کے گزر جانے کے بعد مرفوض و جود میں آئی ہیں جب کہ حدیث کی رو سے پہلی صدی بہترین صدی تھی،

علماء غونے بھی اپنی لغت و نحو کے قواعد میں حدیث سے استنباد نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ یقین حاصل کر چکے تھے کہ صحیح حدیث کے نشانات معلوم ہو چکے ہیں اور جو کچھ رسولؐ سے نقل کیا جاتا ہے وہ آپ کے الفاظ میں نقل نہیں کیا جاتا ہے اور نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ رسولؐ کی فرمائی ہوئی حدیث کی صحیح صورت کیا تھی اس لئے حدیث کو شاہد شمال میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، لہذا علماء و خواہ اپنے رسولؐ سے منقول حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں اگرچہ وہ عرب کے ان اجٹ لوگوں کے کلام کو شمال میں لاتے ہیں، جو کہ اپنے بزرگوں ہی کی رسم و راہ پر قائم تھے،

ایک عام بات

جب بھرپور ان باتوں کا انکشاف ہوا جو کہ ہماری کتاب میں درج ہیں، تو حدیث محمدیؐ کی حیات میرے سامنے ایسی واضح صورت میں جیسا کہ صاف و شفاف آئینہ میں نظر آتی ہے، اب میں یہ سوچنے لگا کہ کیا اس چیز کو قبول کر لوں جس کو رسولؐ کی حدیث کہا جاتا ہے کیا اس سے میرا نفس مطمئن ہو جائے گا؟ یا اسے ترک کر دوں اور میرا دل اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو اور میرے لئے دونوں میں سے کسی کام کی انجام دہی کوئی گناہ نہیں ہے،

یہ کوئی ہرگز گمان نہ کرے کہ یہ میری اختراع ہے کیونکہ علماء امت نے بھی ان تمام احادیث کو قبول نہیں کیا ہے جو کہ کتب سنت میں نقل ہوئی ہیں لہذا میں نے وہی کیا ہے

جو کہ واضح ہو جانے کے بعد انہوں نے کیا تھا، پھر یہ بات صاحبان بصیرت کے لئے واضح ہے اس میں کوئی صاحبِ علم اختلاف نہیں کرے گا، ہاں ان حشوۂ لوگوں کی بات ہی الگ ہے جو کہ اس صحیح و غلط چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو روایات کے سیلاب میں بہہ آتی ہے بس انکی سند ان کے طریقہ سے ثابت ہونی چاہیئے،

ابن ابی یعلیٰ کہتے ہیں :

حدیث میں کوئی شخص ماہر نہیں بن سکتا مگر یہ کہ اس کے بعض حصہ کو لے اور بعض کو چھوڑ دے،

عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں :

حدیث میں وہ شخص امام نہیں بن سکتا جو کہ شاذ حدیثوں کا تتبع کرتا ہے یا ہر سنی ہوئی حدیث کو بیان کرتا ہے یا ہر ایک سے روایت کرتا ہے،

اس موضوع پر بہت سی مثالیں ہیں جو ہماری کتاب میں اپنی اپنی جگہ ملیں گی، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پہلے اس موضوع کو کسی نے درخور اعتناء نہیں سمجھا جبکہ حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، تاریخ، نحو، اور ان تمام معلومات کی کتابوں میں غور کرنے سے پہلے اس کی تحقیق واجب تھی جو دین اسلام سے مربوط ہیں،

اس موضوع پر ہزار سال قبل اس وقت ایک کتاب تالیف ہوئی چاہیئے تھی جب مسلمانوں کے فقہی مذاہب میں بٹ جانے کے بعد حدیث کی مشہور کتابیں وجود میں آئی تھیں تاکہ دین میں ان کتابوں کو وہی مقام ملتا جن کی یہ مستحق تھیں اور لوگوں کو ان میں بیان ہونے والی احادیث کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور ان کے بارے میں متین ہو جاتا اگر میں عربی لاہری میں اپنی کتاب لکھ کر اسے ہر کسکتا تو میں ضرور اس اہم موضوع پر ہی خاموش رہتا کہ جس کا احاطہ کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے ۔ تو میں ۔ کاہلی سے الگ ہٹ کر ایسے ہی جانفشانی و مشقت سے کام لیتا جیسا کہ میں نے تحقیق کی راہ میں سیکڑوں کتابوں

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

اشکار کر دیا ہے۔ ” واضح رہے کہ سنتِ علی کے بعد مسلمان حدیثِ محمدیؐ کو شری دیلوں میں سے دوسری اصل سمجھتے ہیں اور فرقِ اسلامیہ کی تائید کی وجہ سے اس کے لئے اسانید مقرر کرتے ہیں ایسے ہی انہیں خرافات و اہام پر دلیل سمجھتے ہیں اور ان ہی خرافات کو بزمِ خود دینی باتیں سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو چیز لوگوں سے مخفی تھی اس سے میں نے پردہ نہادیا ہے اور ان کے سامنے حدیثِ محمدیؐ کی کچی تاریخ پیش کر دی ہے امید ہے کہ مجھے پہلی غفلت میں کہ جسکے لئے میں نے ساری مشقتیں اٹھائیں اور عمر کھپائی ہے، کامیابی ملی ہوگی اور وہ غرضِ سنتِ قول سے دفاع اور کلامِ رسولؐ کو جھوٹوں کی تحریف و دخل اندازی سے محفوظ رکھنا اور اسے دشمنانِ اسلام اور منافقین کا ہتھکنڈا بننے سے بچانا ہے اور آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی کی کسی بھی چیز کی نسبت دینے سے منزعہ کرنا ہے، آپؐ کی طرف متفق اور ان چیزوں کی نسبت دینا جو آپؐ کی شان و عظمت کے مطابق ہیں، کیونکہ آنحضرتؐ ” علم و حکمت اور بلاغت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہیں “ ہوئے نفس سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے اور نادانی سے کچھ کہہ سکتے ہیں،

اور چونکہ یہ کتاب عنقریب بہت سے مسلمانوں کے ورثہ میں ملنے والے عقائد اور حصولِ احکامِ تغیر پیدا کرے گی ” اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے “ اور انہیں انشاء اللہ بہت سے حقائق سے آشنا کرے گی اور انہیں ان کے دین کے سلسلہ میں علم و بصیرت سے نوازے گی اور ان کی بہت سی مشکلوں کو حل کرے گی جن سے وہ پریشان ہیں اور ان شبہات کو دفع کرے گی کہ جن پر مخالف علماء مکہ کرتے ہیں اور اس سے اصولِ دین کے سلسلہ میں سیدھا، سچا نظریہ قائم ہوگا اور اس کے بارے میں مسلم و غیر مسلم کی رائے سمجھنے کے بارے میں اعتدال پیدا ہوگا، انشاء اللہ یہ کتاب تاریخِ حدیثِ محمدیؐ کے نشانات کی طرف اس وقت تک راہنمائی کرتی رہے گی جب تک روئے زمین پر لوگ اسے پڑھتے رہیں گے، میں اپنی اس مختصر کاوش کو ” خدائے متعال کے بعد “ بالخصوص روشن فکر

مسلمانوں اور بالعموم اسلام کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کیونکہ وہی اس کی قدر کر سکتے ہیں، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ انہیں اس میں وہ چیز ملے گی جس سے وہ خوش ہو جائیں گے ادا ان کے ساتھ علم و حق بھی شاد ہو جائیں گے،

خداوند عالم سے میری دعا ہے کہ میری اس کاوش کو اپنے لئے خاص قرار دے اور اپنے پاس سے اس کی تائید فرما: تاکہ میری امید کے مطابق اس سے دین کی خدمت اور حق کا اظہار ہو اور تمام لوگ اس سے استفادہ کریں بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے،

شبہ ۵ رجمادی الاول ۱۴۲۷ھ

۷ دسمبر ۱۹۵۷ء

محمود ابوریہ،

وضاحت

اپنی اس کتاب میں دوسرے ایڈیشن کی تکمیل سے قبل دو باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ایک کی طرف عالم جلیل ڈاکٹر طرہ حسین نے پہلے ایڈیشن کے مطالعہ کے بعد اشارہ کیا تھا اور کتاب و مؤلف کی بہت ستائش کی تھی اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں ،

جس چیز کا ڈاکٹر طرہ اور بعض دوسرے علماء نے اظہار کیا ہے وہ یہ ہے :
میں ، لوگوں کے سامنے قصہ حدیث پیش کر رہا ہوں اور روایت کی طرف سے اسے جو ضرر پہنچا ہے اور حدیث گڑھنے والوں سے نقصان پہنچا ہے اسے بیان کر رہا ہوں ،
میں اپنے اصلی مقصد کی طرف لوٹتا ہوں ، میں نے بعض احادیث کو مثال کے طور پر پیش کیا اور انہیں اس چیز پر دلیل قرار دیا جس کی میں اثبات یا نفی کرنا چاہتا ہوں ، اس سے ایسا لگتا ہے کہ میرے کلام میں تناقض ہے ،

ان کی اس بات پر اس وقت اعتبار ہوتا جب میں ان احادیث کو سمجھتا اور ان کے بارے میں مجھے یہ یقین ہوتا کہ یہ اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ رسولؐ سے نقل ہو کر آئی ہیں

تو ان کی بات صحیح ہے،
اس شبہ کے ازالہ کیلئے عرض ہے: اپنے سیاق کلام میں جو احادیث میں نے پیش
کی ہیں اور ان کے ذریعہ جس چیز پر اپنی کتاب میں استدلال کیا ہے انہیں ہم نے صرف ان
لوگوں کیلئے پیش کیا ہے جو کہ ان ہی کے ذریعہ مطمئن ہو سکتے ہیں ان کے نزدیک ان میں
شک کی گنجائش نہیں ہے ان کیلئے یہ مسلمات میں سے ہیں،

ان کے نقل کرنے سے میں منطقی اصول اور حجت و جدل کے اسالیب سے خارج
نہیں ہوا ہوں کیونکہ ایک اور دلیل بھی پائی جاتی ہے جسے ”دلیل اقتنائی“ کہتے ہیں، یعنی
مد مقابل پر اس چیز کے ذریعہ بحث کرنا جو اس کے نزدیک مسلم ہوتی ہے، جیسے مسلمان نصرانی
پر اس چیز کے ذریعہ حجت قائم کرے، جو انجیل میں موجود ہو، واضح ہو کہ جس چیز سے مسلمان
حجت قائم کر رہا ہے اس پر اس کا ایمان نہیں ہے یا وہ دلیل جسے ”دلیل الزام“ کہتے ہیں
یعنی کسی پر اس چیز کو لازم کر دینا جسے وہ اپنے نفسوں کے لئے لازم سمجھتے ہیں یہ تو علماء کے
درمیان مشہور ہے اس پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے،

پھر انہوں نے میری کتاب سے جن احادیث پر اعتراض کیا ہے ان سب ہی کیلئے
یہ کلمہ نہیں ہے، ان میں سے بعض کو صحیح کہا جاسکتا ہے جیسے ”قرآن کی وضاحت کرنے والی
یا عقل سلیم کے موافق حدیث یا ان اصولوں کے مطابق نقل ہونے والی حدیث جن پر دین کی
بنیاد قائم ہے یا ان پر تبلیغ کا دار و مدار ہے کہ جس کے لئے نبوت عطا کی گئی، یا ان کے معنی سے
فور نبوت کی شعا میں پھوٹی ہیں، اس چیز کا میرے ضمیر نے احساس کیا جن چیزوں سے
دل مطمئن اور عقل انہیں تسلیم کرتی ہے انہیں میں نے اختیار کیا ان میں غور کرنے کے بعد میں
ان سے مطمئن ہو گیا لہذا میں انہیں کتاب عزیز کیلئے رسول کا بیان سمجھتا ہوں اگرچہ ان تمام
باتوں کے بعد بھی مجھے یقین ہے کہ یہ حدیثیں آحاد کی قسم سے ہیں اور ان کی دلالت ظنی ہے،
یہ درجہ قطع تک نہیں پہنچ سکتیں کہ جس سے یقین حاصل ہوتا ہے اور ان کی روایت بالسنی

ہوئی ہے نہ ان الفاظ کے ساتھ جو کہ رسولؐ کی زبان سے صادر ہوئے تھے، احادیث میں سے وہ بھی جس کی صداقت واضح ہے جیسے یہ حدیث کہ: مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو، اسی حدیث پر ہم نے اپنی کتاب کی بنیاد قائم کی ہے،

تمام قرائن اس کی صداقت پر دلالت ہیں پھر صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے، تمام صحابہ نے اس کا اتباع کیا اور رسولؐ کی حدیث لکھنے سے احتراز کیا اور پھر اسے بیان کرنے سے بھی منع کیا، یہی وجہ ہے کہ، تمام احادیث باروایت آتی ہیں بالکتابت نہیں، جیسا کہ قرآن بالکتابت آیا ہے،

دوسرا اعتراض: جو ڈاکٹر طاحین نے اس طرح کیا ہے آپ نے اکثر چیزیں سید رشید رضاؒ نقل کی ہیں، یہی بات میں نے بعض دوسرے علماء سے بھی سنی ہے جو ہمارے ڈاکٹر صاحب اور دیگر علماء نے محسوس کیا ہے وہ صحیح ہے، مجھے اس میں شک نہیں ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے انہیں دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ بعض اہم اسباب کی بنا پر یہ میرا مقصود نظر تھیں،

① اس زمانہ میں اہلسنت سید رشید رضاؒ کو ان پڑے ائمہ فقہ میں شمار کرتے ہیں جن کی بات کا وزن ہے ہمارے اعتقاد کیا جاتا ہے، جن کی بات پر عمل ہوتا ہے بے شک وہ ہمارے زمانہ میں اہلسنت کے محدثین میں سے ہیں وہ ان احادیث کی کیفیت سے باخبر ہیں جو کہ جمہور کی مشہور کتابوں میں درج ہیں اور روایت کی طرف سے جو احادیث میں گھس پیٹ ہوئی ہے اس سے بھی واقف ہیں، یہ چیز میری کتاب کے موضوع سے میل کھاتی ہے آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جامع ازہر ایسی عظیم یونیورسٹی نے اس زمانہ میں بلکہ مدت دراز تک ایسا عالم و محقق پیدا نہیں کیا ہے میں ہی جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، رشید رضاؒ اس سے بلند و برتر ہیں وہ استاد، امام، محمد عہدہ کے علم کے وارث

ہیں، علم و فضل میں وہ اس درجہ پر فائز تھے کہ ان کے مجتہد ہونے میں دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ سید رشید رضا نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ان کے استاد نے فرمایا ہو اس سلسلہ میں وہ اپنے استاد ہی کے طریقہ پر ہیں اور دین کے بارے میں جو ان کا نظریہ ہے وہ بھی اسلوب ہے جو استاد کا تھا،

چونکہ ان میں یہ تمام صفات جمع تھے اس لئے جمہور کے نزدیک ان کے اقوال و آراء مٹھوس حجت ہیں اور اطمینان بخش برہان ہیں کسی میں یہ ہمت نہیں ہے کہ ان میں شک کر سکے، اسی لئے ہم اپنی کتاب میں اکثر ان کے اقوال و آراء کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی پیش کی جانے والی چیزوں پر ان کے اقوال و آراء کو قوی دلیل قرار دیا ہے، سید رشید کا معاملہ وہی ہے جو ان اشخاص کا ہے جن کے اقوال کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جیسے ابن تیمیہ

جن کو اہلسنت شیخ الاسلام کہتے ہیں اور جمہور میں ان کی ایک حیثیت ہے، ہم نے ان کے بھی بہت سے اقوال بطور مثال پیش کئے ہیں، جب ایمان دونوں علماء کی قدر و منزلت جانتے ہیں تو اسی طرح یہ جانیں کہ کس چیز میں ان کی گرفت ہے کیونکہ رسولؐ کے علاوہ ہر اس شخص پر تنقید کی جاسکتی ہے جس کی بات تسلیم کی جاتی ہے،

یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ ہماری کتاب کے بارے میں کیا مین میخ نکالیں گے جو خود کو اہلسنت کہتے ہیں کیونکہ ہزار ان سے اس وقت بھی مقابلہ ہوا تھا جب ہم نے چند سال قبل کتاب کی کچھ تفصیلی جلد رسالہ میں شائع کی تھیں، یہ تھا ڈاکٹر طحسین کا جواب، امید ہے کہ جواب ان کے اور دیگر علماء کے لئے کافی ہوگا،

یہاں مجھے اس سلسلہ میں چند سطور کا اضافہ کرنے کا موقع ملا ہے اس سطور میں اس مٹھوس حقیقت کو بیان کیا ہے جسے سمجھنے میں بعض افراد جھٹک گئے ہیں،

وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تابین سے میرا مقصد لوگوں کو سنتِ قوی سے باز رکھنا اور امورِ دین کے لئے میں صرف قرآن کو کافی سمجھتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ ان کی سمجھ میں یہ بات کہاں سے آئی، اور اپنی کتاب میں یہ میں نے کہاں لکھا ہے، یا دور یا قریب سے اس کی طرف کہاں اشارہ کیا ہے، ہاں یہ بات میں نہ صریح طور پر قلم بند کی ہے کہ حدیث لینے میں لوگ جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام لیں اور صحیح و ثابت کو اصل سے جدا کریں، غیر صحیح اور گروہی ہوئی حدیثوں کو رد کر دیں روایت کی گھس پیٹ کے بعد ان کی طرف انتفات نہ کریں، اسی کو میں نے اپنی کتاب میں تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ کوئی نہیں نے بدعت نہیں کی ہے بلکہ یہ ہم سے پہلے ولے اللہ اسلام کی سنت ہے اور اسی پر علما و اعلام نے عمل کیا ہے، اس کی میں نے بار بار صراحت کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ قرآن ہی دین کی اصل ہے اور سنت اس کو بیان کرنے والی ہے اور بیان کرنے والی چیز کو صحیح اور واضح ہونا چاہیے، میرا بیان واضح ہے جو کچھ ہم نے سنا ہے، اس کی ہمیں پروا نہیں ہے قریب و بعید سے کوئی چیز بھی ہو کتاب کو ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے،

جہ ۸ / محرم ۱۴۳۳ھ

مطابق ۳۱ / مئی ۱۹۹۳ء

سنت

حدیث کو مختلف طریقوں سے موضوع بحث قرار دینے سے قبل ہم اس کے نحوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک تہذیب میں سنت قولیہ کا حکم اور دین میں اس کی حیثیت کو بیان کریں گے اس کے بعد انشاء اللہ اپنے راستے پر گامزن ہوں گے،
سنت میں علماء نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے:

ہر آمد و رفت والے راستے اور سیرت متبعہ کو سنت کہتے ہیں سنت کی جمع منہج ہے یہ سنت اہل عرب کا اس قول سے لی گئی ہے سنن اللہ اولیٰ صمد، اس سے عرب اس سبب سے راستے کو بھی سنت کہتے ہیں جس سے گرایا ہوا پانی بہا، کیونکہ وہ ایک ہی نفع سے بہتا ہے،
اور سنۃ سنۃ حسنہ، کے معنی ہیں کہ اس نے اچھی سنت قائم کی اس نے اپنی سنت پر عمل کیا، فلاں سنت پر عامل ہے،

اقتضاء صراط مستقیم میں ابن تیمیہ کہتے ہیں:

سنت یعنی عادت، اور عادت وہ ہے جسے نوع انسانی بار بار انجام دیتی ہے خواہ اسے وہ عبادت کہتی ہو یا عبادت نہ شمار کرتی ہو جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے، "قد خلقت

من قبلکم سنن فیسرونی الارض۔ تم سے پہلے سنائیں گزر چکی ہیں پس تم زمین کی سیر کرو۔
 رسولؐ فرماتے ہیں تم ضرور اپنے سے پہلے والوں کی سنت پر چلو گے،
 سنت بخیا وہ طریقہ جو آپؐ نے اختیار کیا، سنت اللہ، یعنی اس کی حکمت کے
 طریقہ اور اس کی طاعت کے طریقہ کو کہا جاتا ہے "سنة الله في الذين خلوا من قبل ولن تجد
 لسنة الله تبديلا" "ولن تجد لسنة الله تحويلا"۔

تعریفات میں جرجانی لکھتے ہیں: سنت کے معنی سنت میں طریقہ کے ہیں
 خواہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ، شریعت میں سنت سے وہ طریقہ مراد ہے جو نہ واجب
 ہے نہ فرض لیکن دین میں اس پر عمل کیا جاتا ہے پس سنت وہ چیز ہے جس پر رسولؐ نے
 کبھی چھوڑ کر مسلسل عمل کیا ہے پھر اگر یہ درپے عمل عبادت کے طور پر تھا تو ہدایت کی
 مثال ہے اور اگر عادت کے لحاظ سے تھا تو اضافی سنت ہے،
 سنت رسولؐ وہ چیز ہے جس پر خود رسولؐ اور آپؐ کے خاص صحابہ عملاً اور سیرۃً
 قائم تھے، اور یہی سنت صحابہ کے عمل و اخبار کے ذریعہ پہنچائی گئی ہے، بعد محمدؐ میں سنت
 کو کلام رسولؐ کو حدیث و سنت کیلئے اصطلاح بنالیا یعنی یہ نئی اصطلاح ہے، جس کا انت
 سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کے آداب میں اس کا استعمال ہے اور ہم نے اپنی اس
 کتاب کا نام اسی اصطلاح کے مطابق رکھا ہے اور اس سے ہم بحث کریں گے، حق یہ تھا
 کہ ہم اس کتاب کا نام "حدیث سے دفاع رکھتے کیونکہ اسی نے لکھی گئی ہے اس ایڈیشن
 میں ہم نے اس حدیث سے دفاع" کا اضافہ کر دیا ہے۔
 علماء کہتے ہیں کہ حدیث کا اطلاق صرف رسولؐ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے،

ما ترجمہ کتاب حدیث سے دفاع رکھا گیا ہے، مترجم

دین میں سنت کی حیثیت

سنت قولیہ کو علماء نے دین میں تیسرے درجہ پر رکھا ہے، یہ سنت عملیہ کے بعد آتی ہے اور سنت عملیہ کا مرتبہ قرآن کے بعد ہے کیونکہ قرآن مجید تواتر کے ساتھ آیا ہے لہذا اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے، اس کا طے سے قرآن مجید کا جزو وکل یقینی ہے لیکن سنت متواتر طریقہ سے نہیں آئی ہے لہذا وہ کلی طور پر ظنی ہے اگرچہ کچھ یقینی بھی ہے، دین میں جس کو دوسرا درجہ دیا گیا ہے وہ سنت عملیہ ہے، امام شاطبی فرماتے ہیں:

- ① کتاب "خدا" کے بعد سنت کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کی چند وجوہ ہیں، قرآن مجید یقینی ہے، اس سے یقین حاصل ہوتا ہے، سنت ظنی ہے قرآن کا بعض حصہ ہی یقینی نہیں ہے بلکہ پورے کا پورا یقینی ہے جبکہ سنت کا بعض حصہ یقینی ہے، یقینی ظنی پر مقدم ہے، پس کتاب سنت پر مقدم ہے،
- ② سنت یا تو قرآن کیلئے بیان ہے یا زائد ہے اگر بیان ہے تو اس کی ثانوی حیثیت ہے کیونکہ مبین کا ساقط ہونا اس کے سقوط کو مستلزم ہے جبکہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے اور جس کی یہ شان ہو اسے مقدم ہونا چاہیے اور اگر سنت قرآن کیلئے بیان نہیں ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے مگر یہ کہ کتاب میں کوئی چیز نہیں ہے تو اس کی نوبت ہے، یہ قرآن کے مقدم ہونے کی دلیل ہے،
- ③ جس چیز پر اخبار اور آثار جیسے معاذ کی حدیث دلالت کر رہے ہیں ان سے

رسولؐ نے دریافت کیا تم کس چیز سے فیصلہ کرو گے ؟ عرض کی کتاب خدا سے، فرمایا: اگر اس میں نہ ملے ؟ عرض کی سنت رسولؐ سے فیصلہ کروں گا فرمایا: اگر اس میں بھی نہیں ملے ؟ عرض کی اپنا اجتہاد کروں گا۔ اس کے بعد شاطبی نے عمل اور ابن مسعود اور ابن عباس سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں جو کہ اثبات مدعا پر دلیل ہیں، کہتے ہیں اعتبار کے مراتب میں سنت قرآن کے برابر نہیں ہے،

شاطبی ہی کا قول ہے کہ ”سنت احکام کتاب کے معانی کیلئے شرح و تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس پر یہ قول دلالت کر رہا ہے ”تبین للناس ما نزل الیہم“ پھر معانی کے لحاظ سے سنت کی بازگشت کتاب خدا ہی کی طرف ہے، سنت قرآن کے اجمال کی تفصیل اس کی مشکل کیلئے بیان اس کے اختصار کیلئے شرح، اس مدعا پر خداوند تعالیٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے ”وانزلنا الیک الذکر تبیین للناس ما نزل الیہم“ سنت میں کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جس کو قرآن نے اجمالی یا تفصیلی طور پر بیان نہ کیا ہو، پس جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن شریعت کے کلیات و اصول کو حاکی ہے، وہ ہماری بات کا ثبوت ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ ”وانزلنا علی خلق عظیم“ اس آیت کی تائید نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ آپؐ کا خلق قرآن ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کے قول و فعل اور تقریر، سب کی بازگشت قرآن کی طرف ہے کیونکہ خلق ان ہی تین چیزوں میں منحصر ہے اور چونکہ خدا نے قرآن کو ہر چیز کا واضح کرنے والا قرار دیا ہے اس لئے سنت کو بھی اجمالی طور پر قرآن میں ہونا چاہیئے پھر پہلے امر و نہی قرآن میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ما فرطنا فی الكتاب من شیء۔ یعنی ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی، پھر ارشاد ہے: الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی قرآن نازل کر کے ہم

۱۔ الموافقات ص ۳ ج ۴، اور اس کے بعد مذکورہ حدیث سنن ترمذی میں ملاحظہ فرمائیں

نے تمہارا دین کامل کر دیا،

سنت قرآن کیلئے بیان ہے، منکر استقراء بھی اس پر وال ہے، لہذا کتاب میں اس مدعا پر دلیل بیان ہو چکی ہوگی کہ سنت کی بازگشت کتاب خدا کی طرف ہے، درہ سنت کو قبول نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن ہی اصل ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنت کی اطاعت کی جائے گی کہ وہ قرآن کیلئے بیان ہے، پس کتاب خدا پر عمل کرنا خدا کی اطاعت ہے اور کھانا کیا ہے اور اگر سنت پر عمل کرنے میں ہے جس سے آپ نے قول و عمل اور حکم کے ذریعہ کتاب خدا کو بیان کیا ہے اور اگر سنت میں ایسی کوئی چیز ہوگی جس کا کتاب میں کہیں نشان نہیں ہے تو وہ اس کیلئے بیان نہیں ہو سکتی اور نہ اس وجہ سے وہ سنت سے خارج ہو سکتی ہے،

کہتے ہیں سنت مجمل کی و خاصیت کرتی ہے، مطلق کو مقید بناتی ہے اور علوم کو تخصیص لگاتی ہے،
نیز کہتے ہیں: سنت کتاب خدا کو بیان کرنے اور اس کے سنی کی شرح کیلئے

آئی ہے،

امام احمد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو کہ اس سلسلہ میں تھی کہ سنت کتاب خدا پر حکم لگاتی ہے تو انہوں نے کہا: میں نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی ہے لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ سنت، قرآن کیلئے تفسیر اور اس کو بیان کرنے والی ہے، امام مالک علی مستر کے سلسلہ میں پوری رعایت کرتے تھے اور اس کے ماسوا کو جھوڑ دیتے تھے اگرچہ اس کے بارے میں حدیث بھی ہوتی، کہتے ہیں: مجھے وہ احادیث بہت پسند ہیں کہ جن پر لوگ متفق ہیں،
انوسی کی تفسیر و روح السیاق میں، رقم ہے کہ امام شافعی نے فرمایا:

ما ملوا فقات هشامی ۴۴، تفسیر قرطبی ج ۳، ص ۴۱ و ۴۰،

جن چیزوں کا رسولؐ نے حکم دیا اسے آپؐ نے قرآن ہی سے سمجھا تھا۔
 امام شافعی کہتے ہیں:
 کسی بھی صورت میں سنت کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہو سکتی،
 فقیہ و محدث سید رشید رضا فرماتے ہیں:

رسولؐ اپنے قول و فعل کے ذریعہ قرآن کو بیان کرنے والے ہیں اور بیان میں تفصیل، تخصیص اور تنقید داخل ہے، لیکن بیان میں قرآن کے کسی بھی حکم کو باطل کرنا اور اس کی خبروں میں سے کسی خبر کی تردید کرنا داخل نہیں ہے اسی لئے سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی ہے، دین میں کتاب خدا کا پہلے درجہ پر اور سنت علی کا دوسرے درجہ پر اعتبار ہے کہ جس پر سب متفق ہوں اور جو رسولؐ سے ثابت ہوں اور آحاد حدیثوں میں جو روایت دلالت ہے وہ تیسرے درجہ پر ہے جس نے متفق علیہ حدیث پر عمل کیا وہ یقیناً آخرت میں نجات پائے گا اور خدا کا مقرب ہوگا، اسے غزالی نے ثابت کیا ہے،

دینی امور میں کلام رسولؐ کی حیثیت،

دینی امور میں کلام رسولؐ کی حیثیت کو ہم اللہ کبار کے لحاظ سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ دینی امور میں آپؐ کے کلام کی کیا حیثیت ہے، اسی کو علامہ ارشاد کہتے ہیں یہ امر تکلیف اور قواعد اصولیہ کے مقابلہ میں ہے، امر ارشاد پر عمل کرنا نہ واجب ہے نہ مندوب، کیونکہ اس میں قصد قربت نہیں ہے اور نہ ہی معنی تعبد ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کا وجوب و مندوب خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ تبلیغ کے وقت کے علاوہ انبیاء معصوم نہیں ہوتے، سفارینی اپنی شرح العقیدہ میں لکھتے ہیں ۱۔
ابن حمدان نہایت المستدین میں لکھتے ہیں: انبیاء خدا کے پیغام کو پہنچاتے وقت معصوم ہوتے ہیں اس کے علاوہ خطاء و نسیان اور گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہوتے ہیں ارشاد میں ابن عقیل لکھتے ہیں:

انبیاء افعال میں معصوم نہیں ہوتے ہیں ہاں جو چیز وہ خدا کی طرف سے پہنچاتے ہیں ان میں جھوٹ بولنا ان کے لئے جائز نہیں ہے، لیکن شیعہ علماء اس کا انکار کرتے ہیں ان کا اجماع ہے کہ انبیاء سے خطا سرزد نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان پر سہو و نسیان طاری ہوتا ہے اس بات پر بھی ان کا اجماع ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطاء ہیں یہاں تک کہ امور دنیا میں بھی، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول بعض ان چیزوں کی تصدیق کرتے تھے جس کا آپ پر منافقین اتہام لگاتے تھے جیسا کہ غزوہ تبوک وغیرہ میں ہوا تھا آپ کی بعض ازواج نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، حدیث افک کے بارے میں آپ ایک زمانہ تک پریشان رہے جب آپ پر آیت برأت نازل ہوئی تو حقیقت سے پردہ ہٹا اور آپ آگاہ ہوئے قاضی عیاض لکھتے ہیں:

امور دنیا سے متعلق آپ کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ ایک چیز کے ظاہر کو دیکھ کر آپ اس کے مستعد ہوتے اور وہ اس کے برخلاف ظاہر ہوتی، امور شرع کے برخلاف آپ کو شک و گمان ہوتا تھا، رافع بن خدیج سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: رسول مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں کو جوڑے، تلیق، دے رہے تھے، پوچھا کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم کھجوروں کے جوڑے لگا رہے ہیں، فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو بہتر تھا

یہ سنکر انہوں نے اپنے کام سے دست کشی اختیار کر لی، لیکن پھل نہ لگا تو انہوں نے رسولؐ شے کایت کی تو آپؐ نے فرمایا: میں ایک بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس پر عمل کیا کرو اور جب میں اپنی رائے سے تمہیں حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں، انس کی روایت میں ہے: تم اپنے دنیوی کام کو مجھ سے بہتر جانتے ہو، ایک اور حدیث میں ہے: میں نے ایک گان کیا تھا تم گان میں میرا اتباع نہ کیا کرو، اور قصہ فرص میں ابن عباس کی حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میں بشر ہوں اگر میں خدا کی طرف سے تمہیں کچھ بتاؤں تو وہ حق ہے اور جو اپنی طرف سے بتاؤں تو میں بھی بشر ہوں مجھ سے غلط صحیح کام ہوتے ہیں،

یہ تو امور دنیا کے سلسلہ میں اور ان کے بارے میں اپنے گان سے متعلق بیان فرمایا ہے جب رسولؐ بدر کے کم پانی والی جگہ اتارے جہاں سندر نے عرض کی: کیا اس منزل پر آپؐ کو آپ کے خدانے اتارا ہے، آگے بڑھنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں ہے یا یہ نظریہ ہے، جنگ کی ٹیلنگ ہے۔؟ آپؐ نے فرمایا: یہ جنگ کیلئے دھوکہ چاؤ میری راہ پر بند کرنے کہا: تو یہ منزل نہیں ہے! اٹھو تاکہ قوم سے کچھ پانی لائیں،

تنہا حکم رسولؐ واجب نہیں ہے

محمد بن حنفیہ نے اپنے والد امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ام ابراہیم ماریہ قطیفہ کے پاس ان کے چچا زاد بھائی کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی تھی، رسولؐ نے مجھ سے فرمایا: تلوار اٹھاؤ اور جاؤ اگر وہ ماریہ کے پاس ملے تو قتل کرو، میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ جب آپؐ مجھے بھیجیں گے تو آپؐ کا حکم

יחזקאל

ידע, דאס איז א שטארקע זאך

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

حدیث لکھنے کی ممانعت

رسولؐ۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ اپنے قول و فعل کے ذریعہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے والے تھے، لیکن اس یاد دہرے موضوع سے متعلق آپ کے اقوال کو قرآن کے مانند ضبط تحریر میں نہیں لایا جاتا تھا اس موضوع پر بہت سی حکم نقلی دلیلیں اور صحیح متواتر عمل پر دل ہیں کہ جس طرح عہد رسولؐ میں قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا اس طرح حدیثوں کو قلم بند نہیں کیا جاتا تھا اور نہ کاتبان وحی کی مانند کاتبان حدیث مقرر تھے کہ جو زبان سے نکلے ہی لکھ لیتے جیسا کہ قرآن کی آیتوں کو نازل ہوتے ہی لکھ لیتے تھے ایسی بہت سی حدیثیں آئی ہیں کہ جن میں احادیث رسولؐ لکھنے سے ممانعت کی گئی ہے ہم یہاں ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں،

احمد، مسلم، دارمی، ترمذی اور نسائی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

تم لوگ مجھ سے سوائے قرآن کے اور کوئی چیز نہ لکھا کرو اور اگر لکھ لی بیعتو اسے مٹا دو،

دارمی نے بھی ابوسعید سے ایسی ہی روایت کی ہے:

ایک روز اصحاب نے رسولؐ سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی لیکن آپؐ نے اجازت مرحمت نہیں کی،

ترمذی نے عطاء بن یسار سے اور انہوں نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے

رسولؐ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اجازت نہیں دی ۱

ابن ابی ملیکہ کی مسلسل روایت میں ہے کہ ابو بکر نے رسول کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا: تم رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہو اور پھر ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہو تمہارے بعد وائے لوگ اور زیادہ اختلاف میں مبتلا ہوں گے، اب رسولؐ سے کوئی حدیث نقل نہ کرنا جو تم سے سوال کرے اس سے کہہ دینا کہ ہمارے اور تمہارے پاس کتاب خدا، قرآن، موجود ہے اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

حافظ مغرب ابن عبدالبر اور بیہقی نے مدخل میں عروہ سے روایت کی ہے: عمرؓ نے سنن بنی مکو ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ کیا اور اصحاب سے سوال کیا، بیہقی کی روایت میں ہے کہ ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے لکھنے کا مشورہ دیا لیکن عمرؓ نے ایک ماہ خدا سے استخارہ میں گزار دیا ایک روز خدا نے انہیں ہمت دے دی کہنے لگے میں نے سنن بنی مکو لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ایک روز مجھے تم سے پہلے والے لوگ یاد آ گئے انہوں نے ایک کتاب لکھی تو اسی کے ہو رہے اور کتاب خدا سے چشم پوشا کر لی، خدا کی قسم میں کتاب خدا کو کسی چیز سے مخلوط نہیں ہونے دوں گا، بیہقی کی روایت ہے: خدا کی قسم میں کتاب خدا کو کسی چیز سے مشتبہ نہیں ہونے دوں گا، یحییٰ بن جعدہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے احادیث رسولؐ کو لکھوانے کا ارادہ کیا پھر نہ جانے ان کی کچھ مپ کیا آیا احادیث لکھنے سے منع کر دیا اور پھر شہروں میں حکم نامہ لکھ کر بھیج دیا کہ جس کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہوں وہاں نہیں لکھو گے۔

ابن سعد نے عبداللہ ابن الغلاء سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوالقاسم بن محمد سے پوچھا: کیا مجھے احادیث لکھوائیں گے کہنے لگے: عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں احادیث کی

۱۔ تذکرۃ الحفاظ مولفہ ذہبی ج ۳،

۲۔ جامع البیان اعظم و فضل ص ۶۲ و ۶۵، ج ۱،

کثرت ہو گئی تھی انہوں نے لوگوں سے کہا کہ :
 ساری حدیثوں کو میرے پاس لے آؤ جب لوگوں نے ان کے پاس حج کر دیں تو خلیفہ
 نے انہیں جلانے کا حکم دے دیا پھر کہا یہ اہل کتاب کا راستہ ہے اس دن سے
 ابوالقاسم بن محمد نے مجھے احادیث لکھنے سے منع کر دیا ،
 زید بن ثابت معاویہ کے پاس گئے تو معاویہ نے ان سے کسی حدیث کے بارے میں
 پوچھا اور کسی آدمی سے کہا کہ اسے لکھ لو زید نے اس سے کہا :
 ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم آپ کی کوئی حدیث نہ لکھیں تو اس نے اسے مٹا دیا ،
 عبداللہ بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا :

میں نے علی کو خطہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا :
 میں ہر اس شخص کو قسم دیتا ہوں کہ جس کے پاس کوئی چیز لکھی ہوئی ہے وہ اسے مٹا
 دے کیونکہ وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے کتاب خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء کی کتابوں
 کا اتباع کیا ،

اسود بن ہلال سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : عبداللہ ابن مسعود ایک صحیفہ لائے کہ
 جس میں کچھ حدیثیں تھیں پس پانی طلب کیا اور پورے صحیفہ کو دھو دیا اور پھر جلانے کا حکم دیدیا پھر
 کہا میں ہر اس شخص کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس کو کسی کے پاس صحیفہ موجود رہوئے کا ظم ہے کہ وہ اس
 سے مجھے آگاہ کرے ، خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ صحیفہ ہندوستان کے مندر میں ہے تو
 بھی میں اسے حاصل کروں گا ان کی وجہ سے تم سے پہلے والے لوگ ہلاک ہو گئے انہوں نے کتاب
 خدا کو پس پشت ڈال دیا تھا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں تھے ، مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی بہت
 سی حدیثیں ہیں ، شائقین عبدالبر کی بیان اسلم و فضلہ اور بغدادی کی تقييد اسلم ملاحظہ فرما سکتے
 ہیں ، اگرچہ بعض احادیث ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث لکھنے کی اجازت تھی ،
 لیکن مانعت والی احادیث زیادہ قوی اور صحیح ہیں بلکہ عہد صحابہ و تابعین میں ان ہی پر عمل ہوا ہے

فقہ محدث سید رشید رحمہ اللہ نے احادیث لکھنے کی ممانعت و اجازت کے سلسلے میں تبادل و تراجم کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ اس سلسلے میں حق کو حاصل کر لیا جائے۔

حدیث لکھنے کی ممانعت میں وہ چیزیں صحیح ترین ہیں جسے احمد نے اپنی مسند میں، مسلم نے اپنی صحیح میں اور عبد الباقی نے کتاب العلم میں سعید بن خدری سے مرفوعاً نقل کیا ہے،
بجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ لکھا کرو اور اگر لکھنے قرآن کے سوا کچھ لکھ لیا ہے تو اسے

مٹا دے،

اور احادیث لکھنے کے سلسلے میں جو صحیح ترین روایت منقول ہوئی ہے وہ ابو ہریرہ کی روایت ہے جو صحیحین وغیرہ میں مرفوع طریقہ سے نقل ہوئی ہے "اكتبوا لابی شاہ" یہ ابو سعید کی حدیث کے معارض نہیں ہے، ہمارے قاعدے کے لحاظ سے اس میں رسولؐ نے حدیث لکھنے سے منع کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ قرآن کی طرح حدیث نویسی کا اپنا دین نہ بناؤ، ایسے ہی حدیث لکھنے کا حکم جو کہ آپؐ نے فتح مکہ کے روز دیئے جانے والے خطبہ میں دیا تھا اس کا موضوع حرمت مکہ وغیرہ تھا رسولؐ کا یہ خطبہ بھی قرآن کیلئے بیان تھا جس کی آپؐ نے فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں تصریح فرمائی اور اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا تھا، پس یہ خاص حکم ہے جو حدیث نویسی کی عام ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے باب اللقطۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ابو شاہؓ نے رسولؐ سے مذکور خطبہ کو لکھنے کی اجازت مانگی تھی رسولؐ نے مرحمت فرمائی تھی،

اگر ہم یہ فرض بھی کریں کہ حدیث نویسی کے حکم اور حدیث نویسی کی ممانعت والی حدیثوں میں تعارض ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کیلئے ناسخ ہوگی تو اس وقت ہم حدیث نویسی کی حرمت والی حدیث کے متاخر ہونے پر دو طریقوں سے استدلال کر سکتے ہیں،

① اس حدیث کے ذریعہ جو حدیث نبوی کی ممانعت کے سلسلہ میں صحابہ سے نقل ہوئی ہے اور یہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نقل ہوئی ہے،

② صحابہ نے نہ حدیث کی تدوین کی اور نہ اس کی نشر و اشاعت کی اگر صحابہ اس کا تدوین اور نشر و اشاعت کرتے تو ان کی تدوین کردہ حدیث کی کثرت ہوتی،

اور حضرت علیؑ نے جو قسم دے کر فرمایا ہے کہ اگر کسی کے پاس حدیثیں تحریری صورت میں موجود ہیں تو انہیں مٹا دے، یا ابوسعید خدریؓ کا یہ قول کہ تم انہیں مصاحف بنانا چاہتے ہو، پہلی روایت میں حدیث لکھنے یا نہ لکھنے کے خیال کو وقت عین خطاب کا یہ قول کہ: کتاب خدا کے برابر کوئی کتاب نہیں ہے، اور دوسری روایت میں حدیث لکھنے سے متعلق مشورہ کے بعد یہ کہنا خدا کی قسم میں کتاب خدا کو کسی چیز سے غلط نہیں ہونے دوں گا اور ابن عباسؓ کا یہ قول: ہم علم کو قلمبند کرتے تھے لیکن لکھنے نہیں دیں گے جی ہم کسی کو ایک دوسرے سے حدیث لکھنے کی اجازت نہیں دیں گے، اور دوسری روایت میں حدیث لکھنے سے منع کرنا یا زید بن ثابتؓ کا اپنے صحیفہ کو محو کرنا پھر اسے نذر آتش کر دینا اور پھر یہ کہنا کہ میں اللہ کو یاد دلاؤ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کوئی یہ جانتا ہے کہ کوئی صحیفہ کہیں اور موجود ہے تو اسے دور دراز جگہ پر ہو تو مجھے اس سے مطلع کرے تاکہ میں اسے پہنچ کر اسے نذر آتش کر دوں اور ابن عمرؓ سے سعید بن جبیرؓ نے جو قول نقل کیا ہے اگر وہ یہ جان لیتے کہ ان سے کلمے حدیث لکھیے تو یہ دونوں کے درمیان جدائی اور فاصلہ کا سبب بن جاتا،

اور عبد اللہ ابن مسعودؓ کا اس صحیفہ کو محو کر دینا کہ جس کو عبد الرحمن بن اسود اور علقمہؓ

ابو نضرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوسعید خدریؓ سے کہا: کیا ہم ان چیزوں کو نہ لکھیں جو آپؐ کے ہاتھ میں ابوسعیدؓ نے کہا: کیا تم انہیں مصاحف بنانا چاہتے ہو، بے شک تمہارے بھائی ہمارے سامنے حدیث بیان کرتے تھے اور ہم حفظ کرتے تھے۔ تفسیر اعظم ص ۴۴،

تھے اور پھر ان کا یہ کہنا : یہ قلوب ظریف ہیں انھیں قرآن سے پرکرو اور قرآن کے سوا کچھ اور چیز سے پر نہ کرو،

یہ تعلیم روایتیں کہ جن کو عبد البر نے نقل کیا ہے یا ان کے علاوہ جو دوسروں نے نقل کی ہیں جیسے ابو بکر نے اپنی لکھی ہوئی احادیث کو نذر آتش کر دیا تھا یا تابعین کو صحابہ سے کوئی صحیفہ نہیں ملا تھا اور تابعین نے بھی حدیث کو نشر کرنے کیلئے جمع نہیں کیا تھا ہاں حاکموں کے حکم سے جمع کیا تھا ان تمام چیزوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صحابہ و تابعین کسی چیز کو محفوظ رکھنے کیلئے لکھ لیتے اور پھر اسے کوکھ دیتے تھے،

حدیث بیان کرنے کے سلسلہ میں صحابہ بجا کر کوئی ویسی چیز نہیں لکھ بیان نہ کرنے میں رغبت تھی بلکہ اس سے باز رکھنے میں بھی شغف تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ حدیث کو قرآن کی طرح اپنا دائمی دین بنائیں، اگر رسول کی کئی بات سے وہ یہ سمجھ لیتے کہ آپ حدیث لکھنے کو پسند فرماتے ہیں تو ضرور لکھتے اور لوگوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے اور لکھے ہوئے پر بزرگان ضرور متفق ہوتے اور جو یقینی ہوتا اسے ضبط تحریر میں لاتے اور اسے اپنے غلام و کارندوں کے پاس بھیجتے تاکہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائیں اور خود اس پر عمل کریں اور قرآن و سنت متبعہ ہی پر جو کہ جمہور کے نزدیک مشہور ہے عمل کرنے پر اکتفا نہ کرتے،

اس سے اس شخص کی بات رد ہو جاتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حدیث نشر کرنے کے سلسلے

۱۔ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں مائتہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میرے والد نے رسولؐ کی پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں ایک روز ان کی رائے بدل گئی اور مجھ سے کہا: بیٹی وہ حدیثیں میرے پاس لاؤ میں نے ان کے سپرد کر دیں تو انہوں نے انھیں نذر آتش کر دیا کچھ ڈر ہے کہ میں مرجاؤں اور یہ تمہارے پاس رہ جائیں اور اس میں ایسے آدمی کی حدیثیں موجود ہوں جن کو میں حسین و مشوق سمجھتا ہوں اور وہ ایسا نہ ہوں جیسا کہ مجھ سے حدیث بیان کی تھی اور میں اس کی تقلید میں اس جیسا بن جاؤں،

میں صحابہ نے صرف روایت پر اکتفا کیا اور جب میں ان تمام چیزوں پر عمر بن خطاب کے حکم کا اضافہ کرتا ہوں جو کہ انہوں نے صحابہ کے سامنے دیا تھا اور پہلی و دوسری صدی ہجری میں شہرہ شہرہ علماء نے اس پر عمل کیا،

آپ کو ایسے علماء بھی ملیں گے، جنہوں نے متفقہ طور پر احادیث کو احکام شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا، حفاظ نے کتابوں میں جمع کرنے اور جس سے حجت قائم کی جاسکتی ہے اس کو اور جس سے نہیں کی جاسکتی دونوں کو بیان کرنے کے بعد صحیح کو مضبوط تحریر میں لانے اور ان پر عمل کرنے پر متفق نہ ہو سکے، مذاہب میں خصوصاً حنفی مالکی، شافعی میں جو فقہی کتابیں موجود ہیں ان میں سیکڑوں مسائل ایسے ہیں جو ان احادیث کے خلاف ہیں جن کو سب صحیح مانتے ہیں لیکن ان کو کوئی بھی اصول دین کے خلاف نہیں کہتا ہے،

ابو ہریرہ سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا: عبداللہ بن عمر حدیث لکھ لیتا ہے اور میں نہیں لکھتا ہوں تو یہ کوئی حجت شرعی نہیں ہے اور نہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابن عمر رسول کے حکم سے لکھتا تھا اور نہ ہی اس کو لکھتا ہوا دیکھ کر رسول خاموش رہتے تھے کہ جس سے حدیث نبوی کی ممانعت والی حدیث کے محارض قرار پائے پھر ابن عمر کا لکھنا ہوا ہے وہ صرف اذعیہ میں، ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ایسا بہت سی مثالیں پیش کی ہیں کہ جہاں فقہان نے صحیح احادیث کو چھوڑ کر قیاس وغیرہ پر عمل کیا ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض فقہانے حدیث واحد کے ایک حصہ پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے موصوف نے سانحہ سے زائد مثال پیش کی ہیں،

علامہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول نے اس نے اپنی حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ قرآن و احادیث مخلوط نہ ہو جائیں یہ ایسا سبب بیان کیا ہے جس سے نہ عالم و عاقل مطمئن ہو سکتا ہے اور نہ اسے محقق قبول کر سکتا ہے، مگر یہ کہ ہم غلامت میں حدیث کو قرآن کے برابر اور اعجاز میں اس کے اسلوب کو قرآن کے اسلوب جیسا سمجھیں جب کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے یہاں تک

کہ وہ بھی یہ کہتے ہیں جنہوں نے یہ رائے پیش کی ہے کیونکہ اس سے قرآن کا معجزہ ہونا ختم ہو جائیگا اور ساکھ گڑبہ جائے گی،

واضح رہے احادیث کو قلم بند کر لیا جاتا تو بھی وہ رسولؐ کی احادیث ہی رہیں اور قرآن و حدیث کے درمیان بہت فرق ہے اس سے ہر وہ شخص جانتا ہے جو بلاغت و بیان کا ذوق رکھتا ہے اور پھر رسولؐ کے بعد صحابہ نے قرآن مجید کے مانند اس کے نسخے مختلف شہروں کو لکھوا کر پہنچا دیتے تو وہ حدیث ہی رہتی اور مسلمان انہیں کلام رسولؐ کی حیثیت سے لیتے اور نسلاً بعد نسل ایسا ہی ہوتا، نہ حدیث میں کسی چیز کو داخل کیا جاتا نہ اس میں تغیر ہوتا اور یہ سب کہ جس سے دشمن چمٹے ہوئے ہیں عہد ابوبکر میں اس وقت ختم ہو گیا تھا جب قرآن کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا پھر عبداللہ بن عثمان کی نسخہ داری لگ گئی اور شہروں میں اس کے نسخے پہنچائے گئے اس صورت میں قرآن مجید میں ایک حرف کا بھی اضافہ محال ہے اب کسی کے لئے اسباب و علل تراشنے کی گنجائش نہیں ہے پھر اصحاب کمال نے خود حدیث نہ لکھنے کا اصلی سبب بیان کیا ہے جسکو آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

رسولؐ نے اپنی احادیث لکھنے سے اس لئے منع کیا تھا تاکہ تشریفی اوامر میں کثرت نہ ہو جائے اور احکام میں وسعت نہ ہو جائے یہ بات مذراہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اسی سے رسولؐ جتنے تھے یہاں تک کہ زیادہ سوال کرنے سے بھی کراہت کرتے تھے یا احادیث مخصوص امور سے متعلق ہوتی تھیں جن پر مستقل عمل کرنا صحیح نہیں تھا،

اس فصل کو ختم کرنے سے قبل ہم اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس کی اس لئے روایت کرتے ہیں کہ تمام احادیث کو قرآن کی طرح وحی رسولؐ قرار دے سکیں وہ حدیث یہ ہے :

مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور اس کا مثل اس کے ساتھ ہے،

دوسری روایت میں ہے کہ:

جان لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کا مثل اس کے ساتھ ہے،

یہ حدیث اس سے زیادہ تعجب خیز ہے جو روایت کے سیلاب میں بہہ آتی ہے اسلئے کہ جب رسولؐ کو کتاب یا قرآن کے مثل ایک اور چیز دی گئی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز زین و سریت کے بیان کیلئے قرآن کو کامل و تمام کرنے والی ہے اور جب وہ چیز اتنی اہم تھی تو رسولؐ نے اس کو خدا سے لیتے وقت اپنی حیات میں قرآن کی مانند اسے قلم بند کیوں نہ کر لیا؟ اور اس کیلئے ایسے کا تب کیوں نہ معین کئے جو اس کے نزول کے وقت اسے ضبط تحریر میں لاتے؟ جیسا کہ قرآن لکھنے کیلئے کا تب معین کئے تھے اور قرآن کے علاوہ تمام چیزوں کے لکھنے سے کیوں منع کیا اور ایسی اہم چیز سے غافل رہے اور فرمادیا، قرآن کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز نہ لکھا کرو یہ نہیں کہ مجھ سے قرآن اور اس چیز کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو جو مجھے عطا کی گئی ہے !!!

یہاں سائل کو یہ سوال کرنے کا حق ہے:

کیا یہ صحیح ہے کہ بنی خدا کی وحی کو وہ چیزوں میں سے نصف کو بغیر قید و شرط کے اذبان کے اوپر چھوڑ دیں کہ بعض یاد رکھیں اور بعض کو فراموش کر دیں یا اس میں اضافہ کریں جیسا کہ غیر مدون کتاب میں ہوتا ہے کیا اس عمل کے ساتھ رسولؐ نے کما حقہ اپنی رسالت کی تبلیغ کر دی ہے اور مکمل طور پر امانتوں کو اس کے مستحقوں تک پہنچا دیا ہے !! اور پھر اس حدیث کی کیا حیثیت ہے جبکہ رسولؐ نے اپنی اس بیماری میں جس کے بعد آپؐ اپنے رب سے جا ملے اور آیۃ الیوم نکلت کلم دیکم و اتمت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً کے نزول کے بعد فرمایا تھا.....

میں نے اسی چیز کو حلال کیا ہے جس کو قرآن نے حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کیا ہے جو قرآن نے حرام کیا ہے اور پھر اس حدیث کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ لوگوں سے ابو بکرؓ فرماتے ہیں: ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو!

اور پھر جب حالت احتضار میں رسولؐ نے » دوات و قلم مانگا تھا « تاکہ لوگوں کیلئے

ایک نوشتہ لکھ دیا جس سے وہ آپ کے بھگرا نہ ہوں تو عمر نے کہا تھا ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے،

اور عمر اس مثل کے ضائع ہونے سے کیوں نہیں ڈرے جو ان کے زعم میں رسول پر خدا کی نازل کردہ وحی کا نصف حصہ تھی اور جنگ یتامہ کے بعد جب ابو بکر قرآن جمع کرنے اور اسے رشتہ تحریر میں لانے کیلئے مجبور ہوئے تھے تو اس وقت اس مثل کا ان سے تذکرہ کیوں نہ کیا پھر جب عائشہ نے خلق بنی کے بارے میں جواب دیا تھا تو اس وقت یہ کیوں نہیں کہا تھا کہ آپ کا خلق قرآن اور اس کے ساتھ اس کا مثل تھا؟ عائشہ نے صرف یہ کہنے پر اکتفاء کی کہ آپ کا خلق قرآن تھا،

اور اس مثل پر صحابہ نے کیوں توجہ نہ دی اور زمانہ ابو بکر میں اسے قرآن کی طرح کیوں نہ لکھا اور زمانہ عثمان میں قرآن کے ساتھ اس کی نسخہ برداری اور تقسیم کیوں نہ کی؟ اگر جان بوجھ کر انہوں نے اتنا اہم کام چھوڑ دیا ہے تو انہوں نے وحی کے نصف حصہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور سب گناہ گار ہوئے ہیں،

صحابہ اور روایت حدیث

اس سلسلے میں صحیح حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ رسولؐ نے اپنی حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے اور صحابہ نے اس ممانعت والی حدیث کو سنا ہے اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی حدیث نہیں لکھی جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ بلکہ ہم صحابہ کو اس پر عمل پیرا نہیں بلکہ وہ روایا حدیث سے بھی اعراض کرتے ہیں اور دوسروں کو روایت حدیث سے منع کرتے ہیں اور اخبار قبول کرنے میں بے پناہ چھان بین کرتے تھے،

ذہبی نے تذکرۃ الخلفاء میں تحریر کیا ہے ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے کہ "ابو بکر، صدیق

نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا: تم لوگ رسولؐ سے حدیثیں نقل کرتے ہو اور ان میں اختلاف کرتے ہو تمہارے بعد اور شدید اختلاف ہوگا لہذا تم رسولؐ کی حدیثیں بیان نہ کرو جو تم سے سوال کرے اس سے کہو: ہمارے تمہارے درمیان کتاب خدا ہے اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو،

ابن عساکر نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

مجھے صالح بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف نے خبر دی ہے عمر بن خطابؓ نے مرنے سے قبل اصحاب رسولؐ کی جانب عبداللہ حذیفہؓ، ابوذر اور ابوذر داؤد کو روانہ کیا اور سب کو جمع کیا اور کہا یہ کسی احادیث ہیں جو تم رسولؐ سے دنیا میں پھیلانے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ ہیں اس سے ڈرا رہے ہیں؟ عمر نے کہا: نہیں، لیکن میرے پاس ہی سکونت اختیار کرو اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہو ہم تم سے کچھ حدیثیں لیں گے اور تمہیں کچھ حدیثیں دیں گے چنانچہ وہ عمر کے انتقال تک وہیں رہے،

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شجرہ سے انہوں نے سعید بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر نے ابوسعودؓ، ابوذر داؤد اور ابوسعود انصاریؓ کو قید کر لیا اور ان سے کہا: تم رسولؐ سے بہت زیادہ حدیث نقل کرنے لگے ہو اے ان لوگوں کو مدینہ میں قید کیا تھا اور پھر عثمانؓ نے انہیں رہا کیا تھا اے

ابن عساکر نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عمر بن خطابؓ ابوہریرہؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا: تم رسولؐ کی حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ہمسایہ وطن پہنچا دوں گا اور کعب الاحبار سے کہا: تم بالکل سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، تاریخ التشریح الاسلامی للبخاری ص ۱۳۳، تہذیب التذکرۃ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۴۱،

۲۔ النواعم من القواصم للابی بکر بن اسری ص ۵، ۷۶، ۷۷

יום ה' ו' א' ב' ג' ד' ה' ו' ז' ח' ט' י' י"א י"ב י"ג י"ד י"ה י"ו י"ז י"ח י"ט כ' כ"א כ"ב כ"ג כ"ד כ"ה כ"ו כ"ז כ"ח כ"ט ל' ל"א ל"ב ל"ג ל"ד ל"ה ל"ו ל"ז ל"ח ל"ט מ' מ"א מ"ב מ"ג מ"ד מ"ה מ"ו מ"ז מ"ח מ"ט נ' נ"א נ"ב נ"ג נ"ד נ"ה נ"ו נ"ז נ"ח נ"ט ס' ס"א ס"ב ס"ג ס"ד ס"ה ס"ו ס"ז ס"ח ס"ט ע' ע"א ע"ב ע"ג ע"ד ע"ה ע"ו ע"ז ע"ח ע"ט פ' פ"א פ"ב פ"ג פ"ד פ"ה פ"ו פ"ז פ"ח פ"ט צ' צ"א צ"ב צ"ג צ"ד צ"ה צ"ו צ"ז צ"ח צ"ט ק' ק"א ק"ב ק"ג ק"ד ק"ה ק"ו ק"ז ק"ח ק"ט ר' ר"א ר"ב ר"ג ר"ד ר"ה ר"ו ר"ז ר"ח ר"ט ש' ש"א ש"ב ש"ג ש"ד ש"ה ש"ו ש"ז ש"ח ש"ט ת' ת"א ת"ב ת"ג ת"ד ת"ה ת"ו ת"ז ת"ח ת"ט י" י"א י"ב י"ג י"ד י"ה י"ו י"ז י"ח י"ט כ' כ"א כ"ב כ"ג כ"ד כ"ה כ"ו כ"ז כ"ח כ"ט ל' ל"א ל"ב ל"ג ל"ד ל"ה ל"ו ל"ז ל"ח ל"ט מ' מ"א מ"ב מ"ג מ"ד מ"ה מ"ו מ"ז מ"ח מ"ט נ' נ"א נ"ב נ"ג נ"ד נ"ה נ"ו נ"ז נ"ח נ"ט ס' ס"א ס"ב ס"ג ס"ד ס"ה ס"ו ס"ז ס"ח ס"ט ע' ע"א ע"ב ע"ג ע"ד ע"ה ע"ו ע"ז ע"ח ע"ט פ' פ"א פ"ב פ"ג פ"ד פ"ה פ"ו פ"ז פ"ח פ"ט צ' צ"א צ"ב צ"ג צ"ד צ"ה צ"ו צ"ז צ"ח צ"ט ק' ק"א ק"ב ק"ג ק"ד ק"ה ק"ו ק"ז ק"ח ק"ט ר' ר"א ר"ב ר"ג ר"ד ר"ה ר"ו ר"ז ר"ח ר"ט ש' ש"א ש"ב ש"ג ש"ד ש"ה ש"ו ש"ז ש"ח ש"ט ת' ת"א ת"ב ת"ג ת"ד ת"ה ת"ו ת"ז ת"ח ת"ט י" י"א י"ב י"ג י"ד י"ה י"ו י"ז י"ח י"ט כ' כ"א כ"ב כ"ג כ"ד כ"ה כ"ו כ"ז כ"ח כ"ט ל' ל"א ל"ב ל"ג ל"ד ל"ה ל"ו ל"ז ל"ח ל"ט מ' מ"א מ"ב מ"ג מ"ד מ"ה מ"ו מ"ז מ"ח מ"ט נ' נ"א נ"ב נ"ג נ"ד נ"ה נ"ו נ"ז נ"ח נ"ט ס' ס"א ס"ב ס"ג ס"ד ס"ה ס"ו ס"ז ס"ח ס"ט ע' ע"א ע"ב ע"ג ע"ד ע"ה ע"ו ע"ז ע"ח ע"ט פ' פ"א פ"ב פ"ג פ"ד פ"ה פ"ו פ"ז פ"ח פ"ט צ' צ"א צ"ב צ"ג צ"ד צ"ה צ"ו צ"ז צ"ח צ"ט ק' ק"א ק"ב ק"ג ק"ד ק"ה ק"ו ק"ז ק"ח ק"ט ר' ר"א ר"ב ר"ג ר"ד ר"ה ר"ו ר"ז ר"ח ר"ט ש' ש"א ש"ב ש"ג ש"ד ש"ה ש"ו ש"ז ש"ח ש"ט ת' ת"א ת"ב ת"ג ת"ד ת"ה ת"ו ת"ז ת"ח ת"ט

[illegible]

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

تو لوگوں نے کہا: ہم سے کوئی روایت بیان کیجئے تو انہوں نے کہا: ہمیں عمرؓ نے منع کیا ہے: عمرؓ کہتے تھے رسولؐ سے کم روایت کیا کرو مگر یہ کہ اس پر رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہو۔
 عمرؓ کے اس فعل پر تعجب نہ کیجئے، کیونکہ انہیں قرآن اور سنت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا
 چنانچہ بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسولؐ کا وقت آخر قریب آیا تو اس وقت
 گھر میں بہت سے لوگوں کے ساتھ عربی خطاب بھی موجود تھے رسولؐ نے فرمایا: لاؤ میں تمہیں
 ایک توشہ لکھ دوں کہ جس سے تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے اس پر عمرؓ نے کہا: رسولؐ پر درد کا غلبہ
 ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے دوسری روایت میں
 ہے کہ نبیؐ ہذیان بک رہے ہیں،

ابن سعد نے اپنی طبقات میں سائب بن زیادؓ سے روایت کی ہے کہ وہ مدینہ سے
 مکہ تک سعد بن وقاصؓ کے ساتھ گئے لیکن ان سے رسولؐ کا کوئی حدیث نہیں سنی یہاں تک کہ
 ایسے ہی ٹوٹ آئے، جب اللہ کے حکمچین کے ہاں میں سوال کیا جا رہا تھا تو وہ عاجز آکر خاموش
 ہو جاتے تھے اور کہتے تھے مجھے خوف ہے کہ میں تم سے ایک بیان کروں اور تم اس میں سیکڑوں کا اضافہ
 کر دو گے اور سعد اصحاب کبار میں سے ہیں اور ان دس افراد میں سے بھی جنہیں جنت کی بشارت
 دی گئی ہے۔

عمر بن یسومؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

میں ایک سال تک عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آتا جاتا رہا لیکن پورے سال میں میں
 انہیں رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہوئے نہیں سنا اور نہ ہی وہ یہ کہتے تھے کہ رسولؐ نے فرمایا: مگر ایک
 دن یہ حادثہ پیش آیا اور انہوں نے حدیث بیان کی کہ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرب طاری ہو گیا،

یہاں تک کہ میں نے ان کی پیشانی سے پسینہ بہتے ہوئے دیکھا ہے، اس کے بعد کہا: انشاء اللہ یہ اس کے اوپر ہے یا اس سے قریب ہے یا اس سے دور ہے،

ابن سعد نے علقمہ بن قیس سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہر شرب جمعہ شام کے وقت کھڑے ہوتے تھے، یہی کچھ بیان کرتے تھے لیکن کبھی حدیث رسولؐ میان انہیں کی طرف لپکتا قال رسول اللہؐ کہ میں نے ان کی طرف دیکھا تو عصا کے سہارے کھڑے تھے میں نے عصا کو متزلزل دیکھا وارقطنی نے عبدالرحمن بن کعب سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میں نے ابو قتادہ سے عرض کی مجھے کوئی ایسا چیز سنائیے جو آپؐ نے رسولؐ سے سنا ہو، کہنے لگے: میں دُتا ہوں کہ میں میری زبان سے کوئی ایسی چیز نہ نکل جائے جو رسولؐ نہ کہتا ہو،

بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں طلحہ بن عبداللہ اور عبد بن ابی وقاص، مقداد بن اسود اور عبدالرحمن بن عوف، کی صحبت میں رہا لیکن میں نے کسی سے بھی رسولؐ کی حدیثیں نہیں سنی وہ حدیث میں کئی مثنیٰ کے خوف سے بیان نہیں کرتے تھے۔

احمد اور ابویعلیٰ نے جہین سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں مدینہ آیا اور عمر بن خطابؓ کے غلام اسلم سے ملاقات کی میں نے کہا: عمرؓ کے توسط سے مجھے کوئی حدیث سنائیے انہوں نے کہا دُرتا ہوں کہ کبھی کسی بیشی نہ ہو جائے، جب ہم عمرؓ سے عرض کرتے تھے کہ ہمیں رسولؐ کی کوئی حدیث سنائیے تو وہ کہتے تھے، دُرتا ہوں کہ میں اس میں کئی زیادتی نہ کر دوں، رسولؐ کا اثر ہے: جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے،

ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے زید بن ارقم سے عرض کی: ہمیں رسولؐ سے نقل کر کے کوئی حدیث سنائیے انہوں نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں

بھول گیا ہوں، رسولؐ سے حدیث نقل کرنا بہت بڑا کام ہے،
ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث ۱ میں لکھتے ہیں: بہت سے بڑے
صحابہ اور رسولؐ کے خاص آدمی، جیسے ابو بکر، زبیر، ابو عبیدہ اور عباس بن عبدالمطلب
آپؐ سے بہت کم روایت کرتے تھے بلکہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ تو بالکل روایت
نہیں کرتے تھے جب کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے،
اگر آپؐ بخاری و مسلم کی درق گردانی کریں گے تو ان میں اس امت کے امین ابو عبیدہ
عامر بن عبد اللہ بن الجراح کی ایک بھی حدیث نہیں ملے گی، اسی طرح صحیحین میں رسولؐ کے غلام عبثہ
بن غزوٰن، ابی کبشہ وغیرہ کی بھی روایت نہیں ملے گی،
اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے آپؐ کے
سامنے ایک چھوٹی سی بات پیش کر کے اس فعل کو ہم ختم کرتے ہیں، ابن قیم کہتے ہیں: صحابہ
رسولؐ سے روایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسے بہت عظیم سمجھتے تھے، کم ہی بیان کرتے تھے
کہ اس میں کئی بیشی نہ ہو جائے اور جو چیز رسولؐ سے بارہا سنی ہوئی اسے بیان کرتے تھے اور صراحت نہیں
کرتے تھے کہ میں نے سنی ہے،

اخبار قبول کرنے میں صحابہ کا موقف

آپؐ جانتے ہیں کہ خلفاء راشدین اور بڑے صحابہ اور ان میں سے اہل فتویٰ رسولؐ سے
روایت نقل کرنے کے سلسلہ میں پرہیز کرتے تھے بلکہ بیان کرنے سے اعراض کرتے تھے کیوں کہ وہ

جاتے تھے کہ جو کچھ رسولؐ سے سنا ہے اسے صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ حافظ میں ہر سنی ہوئی بات محفوظ نہیں رہتی ہے اور جو سنی ہوئی بات کو محفوظ کر لیتا ہے اس کا اصلی حالت پر باقی رہنا ممکن نہیں ہے خواہ سنی والا کتنا ہی قوی حافظ کا حامل کیوں نہ ہو، اسی طرح وہ اس بات سے بھی مطمئن و مامون نہیں تھے کہ سنی والا اس میں رد و بدل نہیں کریگا اور رسولؐ سے منقول چیز کو انہوں نے مکمل اصول و فروع دین کے عنوان سے پیش کیا ہے وہ بالعمنی حدیث کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس میں لفظ بدل گئے ہیں اور لفظ بدل جانے سے اکثر معنی بدل جاتے ہیں، پھر رسولؐ کا کلام دوسروں کے کلام کی مانند نہیں ہے ممکن ہے آپؐ کے کلام کے ہر لفظ سے مخصوص معنی مراد ہو لایں لئے صحابہ اپنے دوسرے بھائیوں سے اخبار قبول کرنے میں سختی سے کام لیتے اور بے پناہ احتیاط کرتے تھے خود ابو بکر تنہا کسی سے اس وقت تک حدیث قبول نہیں کرتے تھے جب تک دوسرا اسکی گواہی نہیں دیتا تھا یہی صحیح اسناد کی شرط ہے ابو بکر کے حالات میں ذہبی لکھتے ہیں، اخبار قبول کرنے میں سب سے پہلے انہوں نے ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔

ابن شہاب نے قبضہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی دادی ابو بکر کے پاس آئیں اور کہا: مجھے میراث دلو ایسے تو ابو بکر نے کہا: کتاب خدا کی رو سے تو تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے اور یہ میر علم میں نہیں کہ رسولؐ نے فرمایا ہو کہ فلاں چیز تمہاری ہے اس کے بعد لوگوں سے سوال کیا تو مغیرہ اٹھے اور کہنے لگے: رسولؐ نے اسے چھ حصہ دیا ہے، ابو بکر نے ان سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔؟ محمد بن مسلمہ نے اس کی گواہی دی تو ابو بکر نے اس کا حصہ دلوادیا،

یہ تھا ابو بکر کا علی، لیکن عمر اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرتے تھے، ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیثؒ میں لکھتے ہیں زیادہ حدیث بیان

کرنے والے یا ایسی حدیث پیش کرنے والے پر کہ جس کے ساتھ کوئی مگواہ نہ ہوتا تو عمر اس پر بہت سختی کرتے تھے اور انہیں کم روایت بیان کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس سے ان کا مقصد حدیث بیانی میں افراط کو اور اس کو منافق و فاجر اور کاذب کے جھوٹ سے محفوظ رکھنا تھا۔

حدیث کو محفوظ رکھنے میں وہ اتنے حریص تھے کہ ایک روایت کے اوپر انہوں نے ابو ہریرہ کو مارا تھا اور کہا تھا کہ اگر اب روایت کرو گے تو تمہیں تمہارے شہر بیچ دوں گا۔ طبقات الخلفاء میں ذہبی لکھتے ہیں کہ نقل میں توثیق کو محمد بن یحییٰ نے سخت قرار دیا اور جب خبر واحد میں شک ہوتا تھا تو توقف کرتے تھے۔

بخاری نے سید بن خدی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں انصار کی ایک مجلس میں شریک تھا کہ حیران و پریشان ابو موسیٰ آئے اور کہنے لگے میں نے عمر سے تین مرتبہ اجازت مانگی نہ ملی تو لوٹ گیا، عمر نے کہا تمہیں کس نے منع کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی جب نہ ملی تو واپس لوٹ گیا، رسول کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہیے عمر نے کہا اس پر عینہ قائم کرنا پڑے گا۔ سلم نے مزید لکھا ہے۔ وہ تمہیں سزا دوں گا، ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم میں تمہارے پیٹ اور کمر میں درد پیدا کر دوں گا یا ایسا شخص لاؤ جو اس سلسلے میں تمہاری گواہی دے، کیا تم میں سے کسی نے رسول سے یہ حدیث سنی ہے؟ ابی بن کعب نے کہا: خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ چلوں گا اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں میں ان کے ساتھ گیا اور عمر سے کہا کہ رسول نے یہ فرمایا تھا،

دیکھو عمر اس چیز کے بارے میں کتنا سختی سے کام لیتے ہیں جس میں طلال و حرام کی بات نہیں ہے سوچئے کہ اگر حدیث اصول یا فروع دین سے متعلق ہوتی تو عمر کیا کرتے،

اس سے اس قصہ پر استناد کیا جاسکتا ہے کہ عمر خبر واحد قبول نہیں کرتے تھے اس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ تنہا مادل کی خبر کو بھی اس وقت تک نہیں مانتے تھے جب تک کہ

دوسرا کوئی ایسا نہیں دیتا تھا، جیسا کہ شہادت میں ہے، ابن ابطال کہتے ہیں: اس سے خبر لو کہ تہمت اخذ ہوتا ہے اس میں سہو وغیرہ جائز نہیں ہے، اس سے قبل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ابن ابی ہریرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور ابو ہریرہ کہہ کر جب یہاں شہادت میں آئے ہیں یہ سب غر کے انتہا کے بعد کی چیزیں ہیں، ہذا سلسلہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہ سے کہا: کیا زمانہ عرس میں بھی آپ ایسے ہیٹ بیان کرتے تھے؟ کہنے لگے اگر زمانہ عرس میں اتنی حدیثیں بیان کرنا تبتی تمہارے سامنے کرتا ہوتا تو وہ مجھ پر کوڑے برس مارتے،

رسولؐ پر جھوٹ باندھنا

تمام ہرادیوں، ردیلتوں، کج رجحانوں سے، اس میں کسی کو امتداد و تائید نہ اور انسان کی عادتوں میں انتشار سے بری عادت نہیں ہے اور چاہتوں میں ہمتان سے برسرِ مخالفت ہے، افراد و جماعت کے درمیان اگر کذب کمال طبع ہے تو اس کا طبع کوڑا چاہیے ورنہ اس سے ناقابلِ خلافی نقصان ہوگا اور سب اس کی پیٹ میں آجائیں گے لیکن جب رسولؐ پر جھوٹ باندھا جائے گا تو دوسروں پر جھوٹ باندھنے کے برابر نہیں ہوگا کیونکہ وہ عام دین رسولؐ ہیں اور تمام لوگوں کیلئے شریعت لانے والے ہیں،

طبرانی نے تاریخ ابن خریک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ کا ارشاد ہے: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ مجھ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کی مانند نہیں ہے اور ہر رسالت محمدیؐ نے عقائد میں کچھ ایسے اصول رکھے ہیں کہ ان میں سے ایک

۱۔ تائید ابو ہریرہ و شیخ البغیرۃ میں اس سلسلہ میں سرِ حامل بحث کی گاتھ نہ تائید ملاحظہ فرمائیں،
۲۔ تحفہ الخواص ص ۲۰۲، ۱۱۰،

اصول میں بھی بڑے سے بڑے عالم رد و بدل نہیں کر سکتا ہے اور عبارت میں کچھ ایسے احکام پیش کئے ہیں کہ جن میں کئی بیشی کرنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں ہے اور نہ ان کی صورتوں اور زمانوں کو بدلتا جائز ہے یہ اس لئے ہے کہ دینی اعمال دو قاعدوں پر مبنی ہیں،

① عبادت صرف خدا کی ہوگی،

② ایسے کا جائیگی جیسے اس نے بتائی ہے،

عمرانی اور اجتماعی نظم و نسق وغیرہ کیلئے دین نے دل و رحمت خیر و مصلحت مساوات و حریت اور صدق و امانت کی ایک عام بنیاد قائم کر دی ہے،

چونکہ تدوین اور حفظ کے ذریعہ قرآن مجید محفوظ ہے اور احادیث رسولؐ کی تدوین نہیں ہوتی ہے اور رسولؐ نے اس بات سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے کہ کوئی ان پر جھوٹ نہ باندھے اور خاص کر منع کیا ہے کہ بغیر تحریر کے آپ کی حدیث محفوظ رکھیں اور اس بات پر بھی سختی کی ہے۔ یہاں تک رسولؐ پر جھوٹ باندھنے کی دنیا میں قتل اور آخرت میں عذاب جہنم کی سزا رکھی گئی ہے،

بخاری نے ربیع بن خراش سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو! کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں جائے گا اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو کہ مسلم نے غندر کے طریق سے شعبہ سے لفظ ”یلع النار“ کے ساتھ نقل کیا ہے،

بخاری نے اسناد ابو ہریرہ سے لفظ ”متعدا“ کے اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے اسی بخاری کے علاوہ دیگر کتب میں بھی مذکورہ لفظ کے اضافہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے لیکن جو دقت نظر سے کام لے گا وہ اس حقیقت سے واقف ہو جائے گا کہ جو صحیح روایات اصحاب کبار کہ جن میں سے تین خلفاء راشدین ہیں سے نقل ہوئی ہیں ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ اس حدیث میں لفظ ”متعدا“ نہیں تھا اور ہر صاحب عقل اس کو عبید از عقل سمجھتا ہے کہ رسولؐ نے یہ بات کہی ہوگی کیونکہ یہ عقل و اخلاق کے منافی ہے اور یہ دونوں چیزیں رسولؐ میں بدرجہ اتم موجود

تھیں کیونکہ کذب کے معنی کسی چیز کو واقع کے خلاف بیان کرنے کے ہیں یہ فعل عذا انجام پائے یا غلطی سے یہ لفظ علماء کی مشہور اصطلاح، اور لاج، کے راستہ سے اس حدیث میں داخل ہو گیا ہے تاکہ اس لفظ کے ذریعہ وہ لوگ بری ہو جائیں جو کہ غیر عمدی طور پر رسولؐ کی طرف سے حدیث گڑھتے ہیں جیسا کہ مومنین میں صالح لوگ گڑھتے تھے اور کہتے تھے: ہم رسولؐ کے حق میں حدیث وضع کرتے ہیں ان کے خلاف نہیں یا اس لفظ پر وہ روایت تکیہ کر سکیں جو کہ دوسروں سے غلطی یا وہم سے روایت کرتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں ان کو نقصان پہنچے کیونکہ محض گناہ گار نہیں ہے، اور اس لئے روایت نے یہ مشہور قاعدہ بنایا ہے، جھوٹ وہ ہے جو جان بوجھ کر بولا جائے،



حدیث میں کذب کی حقیقت

ہم یہاں اپنے مسلک پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں،
ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اور ابن عساکر نے محمود بن لبید سے روایت
کی ہے ابن سعد نے اس طرح نقل کیا ہے،
لبید کہتے ہیں میں نے منبر سے عثمان بن عفان سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کسی کیلئے بھی
اس حدیث کو نقل کرنا جائز نہیں ہے جو ابو بکر و عمر کے زمانہ میں نہ سنی گئی ہو بلکہ مجھے رسولؐ سے حدیث
نقل کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے میں آپ کے اصحاب میں زیادہ محفوظ رکھنے والا نہیں ہوں مگر میں نے
رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ جس نے میری طرف اس بات کا نسبت دی جو میں نے نہیں کہا ہے
تو اس کا سٹھکانہ جہنم ہے،
احمد داری، اور ابن ماجہ وغیرہ نقلی قنادہ سے اور انہوں نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ

آپ نے فرمایا: مجھ سے زیادہ روایت نقل کرنے پر بڑا کڑوا پس جو مجھ سے نقل کرے اسے حق و صدق بیان کرنا چاہیے پھر اگر کسی نے میری طرف اس بات کی نسبت دی جو میں نے کبھی سنی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے،

اس موضوع پر بہترین دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے زبیر سے کہا: میں نے آپ سے ظلالِ ظلال کی طرح رسول کی حدیث نہیں سنی ہے کہنے لگے میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے جہنم میں اپنا گھر بنایا ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں تحریر کیا ہے: اس حدیث کو زبیر بن بکاء نے اپنی کتاب النسب میں حشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عبداللہ ابن زبیر سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے کم روایت نقل کرنے کا سبب معلوم کیا تو کہا بیٹے میرے اور رسولؐ کے درمیان قربت تھی جیسا کہ تم جانتے ہو، ان کی پھوپھی میری والدہ ہیں وہ ان کی زوجہ خدیجہ میری پھوپھی ہوتی ہیں اور آپؐ کی والدہ آمنہ اور میری جدہ حارہ وہب بن عبدمنات بن زہرہ کی بیٹیاں تھیں اور اب میری نہ پڑی بہاری والدہ کی بہن عائشہ ان کے — نکاح میں ہیں میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دارمی نے اس حدیث کو دوسرے طریقے سے نقل کیا ہے ابو داؤد، نسائی ابن ماجہ، دارمی اور دارقطنی نے اسی طرح حدیث نقل کی ہے اور کہا: خدا کی قسم انہوں نے متعذرا نہیں کہا تھا اور تم متعذرا کہتے ہو، ابن قتیبہ نے اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں روایت کی ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ابن قتیبہ کہتے ہیں میرے خیال میں متعذرا کی لفظ حدیث میں لوگوں نے بڑھا دی ہے میں نے نہیں سنا کہ متعذرا کہا ہو ابن حجر نے اس حدیث کی شرح

میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ جھوٹ وہ چیز ہے کہ جو آپ کی طرف نسبت دے جائے اور وہ آپ نے نہ فرمائی ہو خواہ جان بوجھ کر نسبت دی جائے یا غلطی سے اگرچہ اس بات پر اجراء ہے کہ غلطی پر گناہ نہیں ہے ہو سکیں زبیر نے اسی نے زیادہ حدیث بیان نہیں کی کہ کہیں غلط واقع ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو سکے، اگرچہ بھولے سے کسی فعل کا انجام دینے والا گناہ گار نہیں ہے لیکن اس وقت یقیناً گناہ گار ہو گا جب وہ یہ جانتا ہو کہ زیادہ حدیث بیان کرنے سے غلطی ہوتی ہے اور اس سے ایسا چیز تعلق ہو جائے کہ جس پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے تو یہ اس چیز پر عمل کا باعث قرار پائے گی شارع نے نہیں بیان کی تھی جو شخص زیادہ حدیث بیان کرنے سے نہیں ڈرتا ہے کہ جس میں خطا کا امکان ہے تو گناہ سے محفوظ نہیں ہے ممکن ہے آپ اس حدیث کے سلسلے میں زیادہ غور و فکر کریں اور اسے غیر کیلئے آئینہ قرار دیں،

حاکم نے مدخل میں تحریر کیا ہے کاذب کی وعدہ گاہ جہنم ہے اور اس سلسلہ میں مزید شدت کے ساتھ کہا گیا ہے جھوٹا جہنم میں جائے گا خواہ اس نے عمدی طور پر جھوٹ بولا ہو غلطی سے ابن عمر کی روایت کے مطابق رسول نے فرمایا ہے: جو جھوٹ باندھتا ہے اس کیلئے جہنم میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اپنے اس قول سے جسے عثمان بن عفان نے نقل کیا ہے اور شدت بڑھا دی ہے جس نے ایسی بات کہی جو کہ میں نے نہیں کہی تھی پس جو شخص رسول سے بغیر کذب کے قصد کے کوئی چیز نقل کرے گا وہ بھی اسی زمرہ میں آئے گا،

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جس نے مجھ سے ایسی بات نقل کی جو میں نے نہیں کہی تھی تو اس

کا ٹھکانہ جہنم ہے،

علامہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سخت ترین الفاظ پڑھنے یا لکھنے میں غلطی کرنے والے غلط اعراب پڑھنے والے کو بھی شامل ہیں، یہ امام شافعی ہیں جن کے بارے میں علماء کہتے ہیں، وہ عالم قریش ہیں، وہ صاف و سنہری سنت کے معین بخاری و مسلم اور تمام اصحاب سنن سے قریب ہیں اور امام احمد کے استاد ہیں، اگر ہم ان سے رجوع کرتے تو ہم دیکھتے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے

کیا کیا ہے اور ان سے بہت سی احادیث کو پالتے جو کہ اس منہ میں نقل کی ہیں اور ان میں لفظ مستعدا کیں نہیں ہے،

اب ہم آپ کے سامنے ان کے مشہور رسالہ ۱۷ سے چند روایات نقل کرتے ہیں،
 وَأَطْلَبُ الْإِسْقَاقَ نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ کہا: سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ جو بات میں نے نہیں کہی تھی اس کو میری طرف منسوب کیا جائے اور جس کی آنکھوں نے وہ دیکھا جو دیکھا نہیں جاسکتا اور جس نے اس کے باپ کے علاوہ دوسرے منسوب کیا
 ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جھوٹ کا بہتان باندھتا ہے اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جاتا ہے،

۱۸ اسید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو قتادہ سے کہا: آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ رسولؐ سے حدیث نہیں نقل کرتے جیسا کہ دوسرے لوگ نقل کرتے ہیں؟ قتادہ نے کہا: میں نے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے اپنے پہلو میں آگ کا بستر محسوس کرنا چاہیے،

یہ چیزیں شافعی نے اپنے رسالہ میں نقل کی ہیں اور کسی میں بھی لفظ مستعدا وارد نہیں ہوا ہے لہذا نقل والے سے سنا چاہیے،

اسی طرح یہ لفظ ان کتابوں میں بھی نہیں ہے جن سے اس کی روایت کی گئی ہے،
 نووی حدیث من حدیث عنی بحديث یروى انہ کذب فہو احد الکاذبین، کثیر
 میں لکھتے ہیں رسولؐ پر احکام میں اور اس چیز میں جھوٹ باندھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس میں کوئی حکم نہیں ہے جیسے ترفیب و تکرہیب اور وعظ و غمرہ اور ان مسلمانوں کے اجماع سے جھوٹ حرام ہے بہت بڑا گناہ اور بری چیز ہے کہ جن کے اجماع کی حیثیت ہے، یہاں تک لکھتے ہیں:

اہل حل و عقد نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کلام لوگوں پر جھوٹ باندھنا حرام ہے تو اس پر جھوٹ باندھنا کتنا سنگین جرم ہوگا جس کا قول شرع اور کلام وحی ہے اس پر جھوٹ باندھنا خدا پر جھوٹ باندھنا ہے ۱۔

سید طوطی کہتے ہیں: اس احتراز کی بنا پر خلفاء راشدین اور منتخب صحابہ رضوان اللہ علیہم رسولؐ سے زیادہ روایت کرنے سے ڈرتے تھے ان ہی میں سے ابو بکر، عمر، عثمان، علیؓ، طلحہ و زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، متھار بن الاسود ابو ایوب انصاری، غلام رسولؐ ثوبان اور زید بن ارقم میں ... الخ۔

ابو بکرؓ کے سامنے اگر کوئی رسولؐ سے ایسی حدیث نقل کرتا تھا تو انہوں نے آنحضرتؐ سے نہیں سنی تھی تو دونوں خلیفہ اس حدیث پر اس سے بینہ طلب کرتے تھے اور حدیث نقل کرانے سے ڈراتے تھے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب قسم دیتے تھے، اور عبداللہ بن مسعود رسولؐ سے نقل ہونے والی حدیث کے ذکر ہی سے متغیر ہو جاتے، سانس پھول جاتی، پسینہ پسینہ ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور کہتے تھے، یا یہ ہے یا اس جیسی ہے یہ سب کچھ کم و زیادتی سہو و نسیاں دین کیلئے احتیاط، شریعت کی حفاظت کے خوف سے اور طبع کرنے والے کی طبع کا قلع قمع کرنے کے لئے کرتے تھے تاکہ حق سے منحرف نہ ہو یا رسولؐ سے ایسی چیز کے نقل کرنے کی جرات نہ کرے جو آپؐ نے نہ فرمائی ہو یا دین میں ایسی چیز داخل کرے جس کا آنحضرتؐ سے تعلق نہ ہو اور ان ہی کے مسلک کی پیروی ہونے لگے،

مالک بن عبادہ سے مروی ہے کہ جبہ الوداع میں رسولؐ نے ہم سے عہد لیا تھا اور فرمایا تھا: تمہارے اور قرآن سے تمسک ضروری ہے تم عنقریب ایسی قوم کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو مجھ سے حدیث نقل کرنے کو زیادہ دوست رکھتی ہوگا پس جس نے کچھ سمجھا ہے وہ حدیث بیان

کے لیکن جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے
 یہ تھیں دو بیلیں جنہیں ہم نے رسولؐ کی اس حدیث سن کر کذب علیؑ کہ جس میں لفظ
 "متمدا" نہیں ہے، پریشانی کرنا مناسب سمجھا جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں آپؐ کو اصحاب
 کبار، خلفاء راشدین، حواری رسولؐ، زبیر بن العوام سے منقول ایسی روایات ملیں گی جن سے ثبوت
 ہوگا کہ صحیح روایت میں لفظ "متمدا" نہیں ہے، بے شک صاحبانِ نقلِ علمِ خلقِ کریم روایت میں "متمدا" نہیں
 قبول کریں گے اس لئے کذب خواہ جان بوجھکر بولا جائے یا غلطی سے تمام برائیوں کی جڑ ہے،

رسولؐ پر آپؐ کی حیات میں جھوٹ کا بہتان

شاید رسولؐ نے اس لئے جھوٹ سے ڈرایا تھا کہ آپؐ نے اپنی حیات ہی میں بعض لوگوں
 کو اپنے اوپر جھوٹ باندھتے ہوئے سن لیا تھا، ابن حزم ظاہری نے کتاب الاحکام فی اصول الاحکام
 میں لکھا ہے:

عبد اللہ بن بریدہ، ابن الخطیب السلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: بخاریت
 میں جی، مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا اس کے پاس ایک آدمی آیا جو طہ پہنے ہوئے تھا
 اس نے کہا: یہ حلقہ مجھے رسولؐ نے پہنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے خون و اموال کے بارے میں
 جیسا چاہوں حکم دے دو، صل میں زمانہ جاہلی میں اس نے ان میں سے ایک عورت سے پیغام دیا تھا،
 خاندان والوں نے اسے ٹھکرا دیا تھا اب وہ شخص اس عورت کے پاس گیا لوگوں نے رسولؐ کو مطلع
 کیا تو آپؐ نے فرمایا: دشمن خدا جھوٹا ہے، پھر ایک شخص کو بھیجا اور اس سے کہا: اگر وہ تمہیں
 زندہ ملے تو اس کی گردن مار دینا اور اگر مردہ پاؤ تو اس کی لاش کو جلا دینا،

ابن سعد نے طبقات میں اور طبرانی نے معنی تمیمی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسولؐ کی خدمت میں اپنے اونٹوں کا صدقہ لیکر حاضر ہوئے ... میں نے عرض کی ان میں دو اونٹ آپ کے لئے ہدیہ ہیں، فرمایا ہدیہ کو صدقہ سے جدا کر دو، لیکن میں چند روز تک رکا رہا لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ رسول اللہؐ کی رفیق مضر کے پاس زکات وصول کرنے کیلئے خالد بن ولیدؓ بھیجا ہے میں نے کہا: خدا کی قسم ہم لوگوں کے پاس مال نہیں ہے میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: لوگ ایسی ایسی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں رسولؐ نے اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا: اے اللہ میں نے ان کے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ مجھ پر جھوٹ باندھیں، متفق کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ سے حدیث نقل نہیں کی مگر یہ کہ قرآن اور سنت علیہؐ سے بیان کیا ہوا اور شخص آپؐ کی حیات میں آپؐ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے وفات کے بعد اس کا کیا حال ہوگا؟ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں،

وفات رسولؐ کے بعد

جب آپؐ کی حیات ہی میں آپؐ پر جھوٹ باندھا جاتا تھا تو وفات کے بعد اس جھوٹ میں اضافہ ہونا ہی تھا، صحابہ کی کثرت تھی لوگ لوگ ہیں اور عمر کی موت کے بعد یہ جھوٹ اپنے عروج کو پہنچ گیا کیونکہ ان سے لوگ ڈرتے تھے یہاں تک کہ بے پناہ حدیثوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کرنے سے بڑے بڑے صحابہ بھی گھبراتے تھے، مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنی سند سے طاؤس سے نقل کیا ہے، بشیر بن کعب ابن عباس کے پاس آئے اور ان سے حدیث بیان کرنے لگے ابن عباس نے ان سے کہا: اس حدیث کو اس طرح دھراؤ انہوں نے دھرا دیا انہوں نے اس حدیث کو اس طرح دھراؤ انہوں نے دھرا دیا کہنے لگے میں نہیں جانتا؟ آپ میری کل حدیث جانتے ہیں؟ اس کا انکار کرتے ہیں یا میری کل حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اسے جانتے ہیں؟ ابن عباس نے کہا:

ہم رسولؐ سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن جھوٹ نہیں باندھتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے ہر نرم و سخت کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہم نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی،

بشیر بن کعب عدوی ابن عباس کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے قال رسول اللہ: قال رسول اللہ: ابن عباس نے ان کی حدیث پر نہ کان دھرے اور نہ ان کی طرف نگاہ کی تو انہوں نے کہا: ابن عباس! آپ میری حدیث کو سن نہیں رہے ہیں؟ میں رسول اللہ کی حدیث سنا رہا ہوں اور آپ ہی کہہ رہے ہیں! ابن عباس نے کہا: ایک مدت تک ہمارا یہ طریقہ تھا کہ جب ہم کسی شخص سے یہ سنتے ہیں: قال رسول اللہ: تو ہم آنکھیں بند کر کے کانوں سے بغور سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے ہر نرم و سخت کو اختیار کر لیا ہے اس وقت سے ہم لوگوں سے ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے ہیں کہ جن کو ہم جانتے ہیں،

ابو بکر بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے غیر سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے علیؑ کسی حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ عبد اللہ ابن مسعود اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے،

ہمارے لیے یہی نصوص کافی ہیں چونکہ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ رسولؐ کی حیات اور بعد از وفات رسولؐ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور یہ جھوٹ بدعت گذاروں، ہوس پرست اور دشمنان دین نہیں بلکہ صالحین نے باندھا ہے، صالح حدیث گڑھنے والی نفل میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی،

جس نے رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا

سماعی کہتے ہیں: جس نے خبر واحد میں رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا اس کی پہلی حدیثوں کو ساقط کر دینا واجب ہے، اور احمد بن حنبل، ابو بکر جمیدی اور ابو بکر صیرفی کہتے ہیں جس

نے حدیث رسول میں جھوٹ کو شامل کیا اس کی روایت کو قبول نہیں کرنا چاہیے خواہ اس کے بعد وہ جھوٹ سے توبہ بھی کرے ۱۔

ابن جریر مستطانی لکھتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ رسول پر جھوٹ کا بہتان باندھنا سنگین جرم ہے کیونکہ یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے، شیخ ابو محمد جوینی نے تو جھوٹ باندھنے والے کو کافر قرار دیا ہے، قاضی ابو بکر بن عربی کا بھی یہی نظریہ ہے، بعض کرامید اور خشک زاهدوں نے جو یہ جہالت کی بات کہی ہے کہ امر دین کی تقویت اور ترغیب و تربیت کیلئے رسول کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا جائز ہے انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ جھوٹ باندھنے پر عذاب سے اسے ڈرایا گیا ہے جو آپ کے فائدے کے لئے جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف دیتا ہے ان کی یہ علت باطل ہے کیونکہ عذاب ہر اس شخص کیلئے بیان ہوا ہے جو کہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیتا ہے خواہ آپ کے فائدے کیلئے دیتا ہے یا ضرر کی خاطر، خدا کا شکر ہے کہ دین کامل ہے وہ جھوٹ کے ذریعہ اپنی تقویت کا محتاج نہیں ہے ۲۔

رسول پر جھوٹ باندھنا گناہ کبیرہ

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں دائد بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: گناہ کبیرہ یہ ہے کہ آدمی میری طرف اس بات کی نسبت دے جو میں نے نہ کی ہو، نووی نے شرح مسلم میں جملی حدیث کی روایت کو حرام قرار دیا ہے،

۱۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۱۱،

۲۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۹،

اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف احکام میں دی جائے
ترغیب و مواعظ وغیرہ میں مسلمانوں کے اجماع سے سب میں حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے مزید فرط
ہیں: اہل حل و عقد کا اجماع ہے کہ تمام لوگوں کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا حرام ہے تو اس شخص
کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا بدرجہ اعلیٰ حرام ہے کہ جس کا قول شرع اور کلام الہی ہو اور اس پر جھوٹ
باندھنا گویا خدا پر جھوٹ باندھنا ہے،

صحابہ کے درجات

فقہ و علم میں تمام صحابہ کیساں نہیں تھے اور نہ ہی فہم و ادراک میں مساوی تھے بلکہ اس
سلسلے میں ان کے مختلف طبقات اور متبائن درجات تھے طول تاریخ میں لوگوں کی یہی حالت
رہی ہے اور یہی سنت اللہ اس کی مخلوق میں اور سنت خدا میں آپ کو تبدیلی نہیں ملے گی:
ابن خلدون نے اپنے مقدم میں لکھا ہے کہ تمام صحابہ اہل فتویٰ نہیں تھے اور نہ ہی ان سب
سے دین لیا گیا ہے بلکہ یہ چیز ان لوگوں سے مخصوص تھی جو کہ حامل قرآن اور اس کے نسخ و منسوخ اور
اس کے کلم و متشابہ اور بجا سے ملنے والی ساری دہلوں کے عالم تھے یا وہ لوگ تھے جو علماء سے منکر
یا ذکر پتے تھے، اور اسی لئے ان یاد کر لینے والوں کو قراء کہا جاتا تھا یعنی وہ لوگ جو قرآن کو یاد کرتے
تھے کیونکہ قوم عرب کی اکثریت ان پڑھ تھی لہذا ان میں سے جو قرآن پڑھتا تھا اسے قاری کہا جاتا
تھا،

محمد بن سہل بن ابی خیشمہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:۔
عہد رسول میں تین آدمی مہاجرین میں سے، عمر، عثمان، اور علیؓ اور تین انصار میں سے

ابی بن کعب ، معاذ بن جبل ، اور زید بن ثابت فتویٰ دیتے تھے ،
عبدالرحمن بن قاسم نے اپنے والد سے روایت کی ہے : جب ابوکمہ صدیق کے پاس
کوئی مسئلہ آتا تھا اور وہ اس سلسلہ میں مشورہ کرنا چاہتے تھے تو مہاجرین و انصار میں سے کچھ
لوگوں کو عمر ، عثمان ، علیؓ ، عبدالرحمن بن عوف ، معاذ بن جبل ، ابی بن کعب ، اور زید بن ثابت
بلاتے تھے اور یہ سب ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے لوگوں کے فتویٰ کا کلام ان
یہی میں منحصر تھا ، ابوبکر کا عہد خلافت اسی بیج سے گزرا ،

پھر خلیفہ بنے تو وہ ان لوگوں کو بلاتے تھے ،
مسلم میں مسروق سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے رسولؐ کے تمام صحابہ کو آزمایا ،
لیکن ان میں سے چھ ، عمرؓ ، عبداللہؓ ، معاذؓ ، ابی دردارؓ ، اور زید بن ثابتؓ کو سب سے
زیادہ با علم پایا پھر میں نے ان چھ کو پرکھا تو علیؓ اور عبداللہؓ کو سب سے بڑا عالم پایا
ابن قیم نے اعلام الموقعین میں مسروق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : میں رسولؐ
کے صحابہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ، اصحاب رسولؐ کی مثال تالاب کی سی ہے ، ایک تالاب ایک سوار کو
سیراب کرتا ہے دوسرا دوسروں کو سیراب کرتا ہے اور ایک تالاب ایسا ہوتا ہے کہ اگر تمام اہل زمین
اس سے پانی پئیں تو سب کو سیراب کرے گا عبداللہؓ ایسے ہی تالاب ہیں ،

بخاری و مسلم نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا : خدا نے مجھے جس علم و ہدایت
کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش کی ہے جو کسی زمین پر برساتی جاتی ہے پس جو
زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو جذب کرتی ہے اور بے پناہ نباتات و سبزہ اگاتی ہے ، لیکن گہری
زمین پانی کو جمع کرتی ہے جس سے خدا لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس سے پتے میں اور کھیتوں

۱۔ ابن قیم کی اعلام الموقعین میں سادہ کے بجائے ابی بن کعب مرقوم ہے ،

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹ و ۱۱۰ ،

کو سیراب کرتے ہیں، زمین کی ایک قسم اور ہے وہ ہے بلند زمین نہ اس پر پانی ٹھہرتا ہے اور نہ اس سے سبزہ اگتا ہے،

عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ کے بعد اس امت میں چھ علما تھے عمر، عبداللہ، زید بن ثابت، جب عمر کوئی بات کہتے تھے اور یہ دونوں کوئی ایک بات کہتے تھے تو ان کا قول عمر کے قول کا تابع ہوتا تھا، اور علیؓ، ابی بن کعب اور ابو موسیٰ اشعری، جب علیؓ کوئی بات کہتے تھے تو ان دونوں کا قول آپؐ کے قول کا تابع ہوتا تھا، راوی کہتا ہے کہ اس امت میں چار تاقضی تھے، عمر، علیؓ، زید اور ابو موسیٰ اشعری، اس امت میں چار آدمی دانا دیر رک تھے عرب بن عامر، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد

بعض صحابہ بعض سے زیادہ سچے

عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو سچا قرار دیا اور ان سے کہا: تم ہمارے نزدیک عادل ہو شرح الخبیر میں ذہبی کہتے ہیں: اصحاب رسولؐ سبھی عادل تھے لیکن بعض دوسروں سے زیادہ عادل تھے، عمر عبدالرحمنؓ کی خبر و حدیث سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور قصہ اذن میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے گواہ طلب کرتے ہیں۔

بعض سے بعض روایت کرتے ہیں

جو احادیث اصحاب کے ذریعہ آئی ہیں اور کتابوں میں مرقوم ہوئی ہیں ان سب کو انہوں نے

b7c

دلائل کر رہا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم غنمی سے کہا: جب آپ مجھ سے حدیث بیان کریں تو اسے اس کے مبداء تک پہنچایا کریں، کہنے لگے جب میں تم سے یہ کہوں کہ مجھ سے فلاں نے عبد اللہ کے واسطے سے حدیث بیان کی ہے تو تم یہ سمجھو کہ خود انہوں نے ہی مجھ سے بیان کی ہے اور جب یہ کہوں عبد اللہ نے مجھ سے بیان کیا ہے تو وہ مجھ سے ایک جماعت نے بیان کیا ہے، اس کے بعد آمدی کہتے ہیں، یہ چیز صحابہ و تابعین کے درمیان مشہور تھی اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا گویا اس بات پر اجماع تھا جس طرح صحابہ جن، بعض سے روایت کرتے تھے اسی طرح تابعین سے بھی روایت کرتے تھے اس پر علماء حدیث نے اپنی کتابوں میں نص کیا ہے، شائقین ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں،

ابن اصلاح و غیرہ کے کلام میں ہے کہ اکابر اصغر، بڑے چھوٹوں سے روایت کرتے تھے، ابن عباس، عبادہ اللہ اور ابو ہریرہ وغیرہ نے کعب الاحبار سے روایت کی جو کہ عمر کے زمانہ میں مسلمان ہوا، سے روایت کی ہے اور اسے بڑے تابعین میں شمار کیا ہے اور پھر اسے سارے مسلمانوں پر فضیلت دی اس کے بارے میں سیوطی کا قول ملاحظہ فرمائیں،

وقد روى الكبار من صغار
وفراخا لصحب عن اتباع
في اسن او في اعلم والمقدار
وتابع من تابع الاتباع
عن ملوك ويحي الانصاري
بڑوں نے چھوٹوں سے روایت کی ہے، خواہ وہ سن، علم، اور قد کے لحاظ سے چھوٹے ہوں،

صحابہ نے تابعین سے اور تابعین سے تابع الاتباع سے روایت کی ہے، جیسے ابن عباس نے کعب الاحبار سے اور زہری نے مالک و یحییٰ انصاری سے روایت کی ہے،

الغیر کے شارح احمد محمد شاکر لکھتے ہیں صحابہ تابعین سے روایت کرتے تھے جیسے بحر الامۃ عبداللہ ابن عباس، عباد اللہ، ابو ہریرہ، معاویہ، اور انس وغیرہ کعب الاحبار سے روایت تھے تھے،

اور جس طرح صحابہ اپنے ساتھیوں یا تابعین سے حدیث لیتے تھے لیکن بیان کرتے وقت یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ حدیث ہم تک فلان کے طریق سے پہنچی ہے بلکہ اس معقنائے حدیث کے لحاظ سے براہ راست بیان کرتے تھے اور حدیث کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے جس سے سنی تھی بلکہ خود قال رسول اللہ کہتے تھے یہاں تک کہ فتنہ پھا ہونے تک وہ لوگ اسی طریقہ پر رہے پھر اس سے یہ کہا جانے لگا کہ اپنے رجال کے نام بیان کرو،

ابن سیرین کہتے ہیں: اسناد کے بارے میں پہلے سول نہیں کیا جاتا تھا جب فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تو لوگوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے رجال کے نام بیان کرو مسلم نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب وہ اسناد حدیث کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے جب فتنہ کھڑا ہو گیا تو اسناد حدیث کے بارے میں سول ہونے لگا، ابن سیرین ہی سے ترمذی میں مروی ہے: پہلے زمانہ میں لوگ اسناد کے بارے میں چھان بین نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ کھڑا ہو گیا تو اسناد کے بارے میں پوچھنے لگے جو شخص مجھ سے بیان کرتا ہے میں اسے متہم نہیں کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے والے کو متہم کرتا ہوں،

اور تابعین تبع تابعین سے روایت کرتے تھے اور تابعین کی تبع تابعین سے روایت زہری اور یحییٰ انصاری کی مالک سے روایت ہے جب کہ مالک ان دونوں کے شاگرد ہیں،

اذہان کے بڑے عجیب بات یہ ہے جیسا کہ سیوطی نے الغیر میں تحریر کیا ہے، صحابی تابعی سے اور دوسرے صحابی سے حدیث کی روایت کرتا ہے اس کی مثال سائب بن یزید صحابی کی حدیث ہے جو انہوں نے عبدالرحمن بن عبدالقاری تابعی کی عمر بن خطاب سے اور انہوں نے رسول سے نقل کی ہے حدیث یہ ہے، "من نام من حزبہ او عن شی منہ فقرار فیما بین صلاۃ الفجر و صلاۃ

انظر کتبہ کا ناقراہ فی ایل۔

اس کو مسلم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، ایسے ہی یہ حدیث "لا یتوی القاعدۃ" حافظ عراقی نے ایسی ہی بیس حدیثیں جمع کی ہیں،

بعض صحابہ نے بعض صحابہ پر تنقید کی

اسی پر بات منقطع نہیں ہوتی ہے کہ بعض صحابہ اپنے ساتھیوں کی بیان کردہ اور نقل کی ہوئی حدیثوں کو قبول نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، بلکہ بعض بعض پر تنقید بھی کرتے تھے،

یقیناً عمر، علیؓ عثمان، عائشہ اور ابن عباس وغیرہم صحابہ ہی میں سے تھے اور دوسرے صحابیوں میں نمایاں تھے لیکن وہ بعض صحابہ کی اس حدیث میں شک کرتے تھے جو کہ وہ رسولؐ سے نقل کرتے تھے اور بیان کرنے والوں پر بوٹا دیتے تھے،

محمود بن ریت "جو کہ رسولؐ کے زمانہ میں کسی کے باوجود سمجھا رہے تھے،" سے منقول ہے کہ انہوں نے عتبہ بن مالک انصاری بدری سے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا: بے شک اللہ نے اس شخص پر آگ کو حرام کیا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ، کہا، اور اس سے اس کا قصد مفت خدا ہے، اور رسولؐ نے یہ حدیث عتبہ بن مالک کے گھر میں بہت سے لوگوں کے سامنے بیان کی تھی ان ہی میں صحابی رسولؐ ابو ایوب بھی تھے،

ابو ایوب نے اس حدیث کو جھٹلایا اور کہا: خدا کی قسم میرے گمان میں رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا، جو تم نے بیان کیا ہے!

اس حدیث سے محفوظ بننے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے اور عائشہ نے عمرؓ کو کہا: تم جو چیزیں بیان کرتے ہو ان میں جھوٹ نہیں ہو لیکن سننے میں غلطی ہو جاتی ہے، خدائی قسم رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میت پر اس کے عزیز کے رونے سے عذاب ہوتا ہے پھر کہا: تمہارے لئے قرآن کافی ہے، کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب عائشہ نے یہ سنا کہ ابن عمرؓ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ غلط ہے، رسولؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس میت کا خطاؤں اور گناہوں سے اس پر عذاب ہوتا ہے اور اس کے عزیز اس پر روتے ہیں، تیسری روایت میں ہے: وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ بھول گئے ہیں یا خطا ہوئی ہے اور ابن عمرؓ جیسی حدیث بیان کی ہے تنگ رسولؐ اس گڑھے پر کھڑے ہوئے جس میں، بدریں مدے جانے والے مشرکین کو ڈالا گیا تھا اور فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں اسے یہ سن رہے ہیں، پھر عائشہ نے کہا: رسولؐ نے فرمایا: اب انہیں یہ معلوم ہوا کہ جو میں نے ان سے کہا تھا وہ حق تھا، پھر فرمایا: آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ اسے سنا سکتے ہیں جو قبر میں ہے، ان سب کا شککا نہ جہنم ہے، دونوں حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں،

اسی طرح عائشہ نے اس حدیث کو جھٹلایا ہے کہ شب معراج رسولؐ نے اپنے رب سے ملاقات کی تھی جب کہ اس حدیث کو شیخان نے عامر بن مسروق سے نقل کیا ہے، عامر نے عائشہ سے کہا تھا: اے اما جان! کیا محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ کہنے لگیں تمہاری بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں تم میں سے جس نے بھی تین حدیثیں بیان کیں اس نے جھوٹ باندھا

۱۔ مرحوم اسلام کے بڑے فقیہوں میں سے ایک ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان کے ساتھ معصیت ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے اور کفر کے ساتھ طاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، ۲۔ مسلم میں ہے کہ اس نے خدا پر عظیم ہتھکنڈا باندھا ہے

جو تم سے یہ کہے کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے بعد یہ آیت پڑھی:
 و ما تدری نفس ما ذا انکسب خدا ۛ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس کا کرے گا، جو تم سے یہ کہے:
 رسولؐ نے کوئی چیز مخفی رکھی ہے اس نے جھوٹ کہا: پھر یہ آیت پڑھی ۛ یا ایھا الرسول بلغ ما
 انزل الیک من ربک ۛ اے رسولؐ اے پہنچا دیجئے جو آپؐ کے رب کی طرف سے نازل کیا
 گیا ہے،

مسلم میں ہے کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا ۛ عائشہ ۛ بیٹھ گئیں تو میں نے کہا: کیا خدا یہ نہیں
 فرماتا: ۛ ولقد راہ نزولہ اخری ۛ عائشہ نے کہا: میں نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں رسولؐ سے
 سوال کیا تھا: میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا:
 نہیں میں نے جبریلؑ کو ہوا کرتے دیکھا ہے، مسلم میں ابو ذرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسولؐ سے
 اس سلسلہ میں استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا: ایک نور دیکھا ہے اور تم نے احمد کا نور دیکھا ہے،
 اسی طرح عائشہ نے ابن عمرؓ و ابو ہریرہؓ کی حدیث الشوم اضطلاٹ کو رد کیا ہے انہوں
 نے کہا رسولؐ صرف جاہلیت کے احوال بیان فرما رہے تھے اور پھر یہ حدیث اصل قطعی ۛ تمام چیزیں اللہ
 کے اختیار میں ہیں کے خلاف ہے،

اور جب عائشہ نے ابو درداۓ کا یہ قول سنا کہ جو صبح کو اٹھے اس پر وتر نہیں ہے تو کہا: نہیں،
 ابو درداۓ نے جھوٹ کہا ہے، نئی صبح کرتے اور وتر پڑھتے تھے اور جب یہ سنا کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں: رسولؐ
 نے ایک مرتبہ رجب میں عموک یا پے تو کہا ان سے غلطی ہوئی ہے اور ابن مالکؓ اور ابی سعیدؓ کے بارے میں
 کہا کہ انہیں حدیث رسولؐ کا علم نہیں ہے یہ دونوں تو چھوٹے بچے تھے، اسی طرح عائشہ ہر اس
 حدیث کو رد کر دیتی تھیں جو قرآن کے خلاف ہوتی اور سچے صحابہؓ کی روایت کو خطا پر غلط فہمی پر محمول

روایت سے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابن قیم نے حادی الارواح میں تیس حدیثیں نقل کی ہیں ان
 میں سے رفوعؓ بیس سے زیادہ ہیں، موقوف آثار کو چھوڑنے،

کرتی تھیں، اور عمران بن حصین نے اس حدیث کے سلسلہ میں کہ رسول قرأت میں دو کلمات کرتے تھے کہ کو جھٹلایا، ایسی بہت سی مثالیں ہنہ تاریخ ابو ہریرہ میں ان احادیث میں بعض وہ احادیث نقل کی ہیں جن پر انہوں نے تنقید کی ہے اور رد کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیں شیخ العفیرہ کا تیسرا ایڈیشن،

عدالت صحابہ

عدالت صحابہ کے سلسلے میں ہم نے اسی کتاب میں دوسری جگہ بحث کی ہے،

رسول کے منع کرنے کے بعد کیوں حدیث بیان کی جاتی ہے؟

جن لوگوں کو علم میں مہارت نہیں ہے ان کا گمان ہے کہ رسول کی جن احادیث کو ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں یا ان کے بیان کرنے والوں سے سنے ہیں وہ سب صحیح طریقوں سے آئی ہیں اور راویوں تک ان احادیث کے الفاظ محفوظ طریقہ سے ایسے ہی پہنچے ہیں جیسے رسول نے بیان فرمائے تھے ان میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی ہے،

ایسے ہی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ رسول کی احادیث کو صحابہ اور ان کے بعد تدوین کے زمانہ تک حدیث بیان کرنے والوں نے ان کو ایسے ہی نقل کیا ہے جیسے سنی تھی اور جیسے پایا تھا ویسے ہی پہنچا دیا ہے لہذا ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے جس چیز نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ وہ راوی جو دست حفظ اور کمال ضبط میں بنی آدم کے درمیان مخصوص صنف تھے ان کے ذہنوں کو اس زاویہ پر پیدا کیا گیا تھا جس پر تمام انسانوں کے ذہنوں کی تخلیق نہیں ہوتی وہ جو سنتے تھے وہ ان کے ذہن پر نقش ہو جاتا تھا کوئی کلمہ اس سے محو نہیں ہوتا تھا اور نہ کوئی حرف مٹتا

تھا،

یقیناً دین کے شیوخ کے احکام میں اس فہم کا عظیم اثر تھا، مگر جسکو تمہارا رب محفوظ رکھے۔ لہذا وہ ان احادیث کو قرآن کی آیتوں کے برابر سمجھنے لگے کہ جن کا قبول کرنا واجب اور ان کے احکام پر یقین ضروری ہے اور ان کی مخالفت گناہ، ارتداد اور فسق ہے اور جو ان کا انکار کرے یا ان میں شک کرے اسے توبہ کرنا چاہیے،

ان ہی باتوں کی بنا پر ہم نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرنا ضروری سمجھا تاکہ اس سلسلے میں لوگ حق کو پہچان سکیں اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو احادیث رسولؐ سے نقل ہوئی ہیں کبھی انھیں معاً نقل کیا جاتا ہے کیونکہ ساری احادیث کو ان کے معنی سے نقل کرنا راویوں کے امکان میں نہیں ہے کہ وہ اس کی اصل کو بھول چکے ہیں یا اسے ان کے ذہنوں میں زمانے گزر گئے ہیں یا ہر راوی حدیث کا الفاظ یاد رکھنے سے عاجز ہونے کی بنا پر اپنے ذہن میں معناً اسے محفوظ رکھتا ہے، راویوں نے پہلی فرصت میں اسے قلم بند کرنے کا اہتمام نہیں کیا، اس بنا پر معنا حدیث کو معاً بیان کرنے کی رسم جاری ہو گئی اور اب اس سلسلے میں عارفینؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، پھر علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ معنا حدیث کو بیان کرنا صحیح ہے یا نہیں بعض نے کہا صحیح نہیں ہے، بعض نے کہا جائز ہے، ہم یہاں فریقین کی دہلیوں کو پیش کرتے ہیں، اس موضوع پر علامہ شیخ طاہر جزائری نے اپنی کتاب ”توجیہ النظر“ میں جو تحقیق کی ہے ایسی کسی اور نے پیش نہیں کی ہے ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے لکھا ہے،

۱۔ ابن العلام نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ مختلف الفاظ سے ایک چیز کے بارے میں ایک ہی معنی نقل کرتے ہیں وہ اس بے ایسا کرتے ہیں کہ وہ معنی کو مد نظر رکھتے ہیں فقط کو نہیں،

مثنیٰ حدیث بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف

مثنیٰ حدیث بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ابن سیرین، شیعہ اور ابو بکر رازی نے کہا ہے کہ مثنیٰ حدیث بیان کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اور اس سلسلے میں ابن عمر سے روایت کی ہے، اکثر لوگوں کا نظریہ یہ مثنیٰ حدیث بیان کرنا جائز ہے لیکن اس کے طے یہ شرط ہے کہ راوی الفاظ کی باریکی سے واقف ہو اور الفاظ کے درمیان کے اختلاف کو سمجھتا ہو اور اسے بھی جانتا ہو جس سے معنی بدلے ہیں، سب سے پہلے کسی لفظ کے دوسرے لفظ سے بدلا جائے تو یہ پہلے معنی کو ادا کرتا ہو اور اس کے مطابق ہو۔

اس مسئلہ کو علماء عظماء اصول نے بیان کیا ہے، چونکہ بہت اہم مسئلہ ہے اس لئے میں یہاں علماء اصول کی کیفیت کماں عبارت نقل کر رہا ہوں،

ابو اسحاق شیرازی الطحیٰ فرماتے ہیں: روایت میں ہمارا موقع یہ ہے کہ حدیث کو بلفظ بیان کیا جائے کیونکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: خدا اس شخص کو مسرور کرتا ہے جو کہ میری بات سنا ہے اسے حفظ کرتا ہے اور پھر اسے جیسے سنا تھا ویسے ہی ادا کرتا ہے اس لئے بہت سے سنے والے راوی سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں روایت کو ادا کرنے میں نظر ہے اگر روایت کرنے والا حدیث کے معنی کو نہیں جانتا ہے تو روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ معنی حدیث میں تفسیر کر سکتا ہے اور اگر معنی

۱۔ صحابہ کی ایک جماعت، جس میں ابن عباس اور انس بن مالک شامل ہیں، مثنیٰ حدیث بیان کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن تابعین میں سے جو لوگ حدیث کو بلفظ بیان کرنے کے سلسلے میں سخت ہیں ان میں سے محمد بن سیرین، قاسم بن محمد و جابر بن جہاد ہیں اور بن لوگوں نے اس سلسلے میں تساہل کا کام لیا ہے ان میں سے شیخ ابو نعیم ہیں،

حدیث سے واقف ہے تو بھی تامل ہے، کیونکہ اگر خبر میں اس کا احتمال ہے بالغی حدیث کو بیان کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کبھی راوی ایسے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہے جو وارد رسولؐ کو نہیں سمجھا جاتا ہے اور اس میں تصرف ممکن ہے اور اگر خبر ظاہر ہے تو اس میں دو چیزیں ہیں،

ہمارے بعض علماء نے کہا ہے کہ: معناروایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اکثر لفظ بیان کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے نماز کی تکبیر، بعض کہتے ہیں کہ معناروایت کرنا جائز ہے، یہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے معنی ادا ہو جاتے ہیں، چنانچہ رسولؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اگر تم معنی سمجھ جاتے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس حدیث کو ابن منذہ نے معرفۃ الصحابہ میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبد اللہ بن سلیمان بن اکیمۃ الیشی سے نقل کیا ہے، یثی کہتے ہیں: اللہ کے رسولؐ میں آپؐ کی حدیث سنا ہوں ویسے ادا نہیں کر سکتا ہوں، تو کیا اس میں کچھ کمی بیشی کی جاسکتی ہے فرمایا: اگر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو اور معنی سمجھ جاتے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ بات حسن سے بیان کی گئی تو انہوں نے کہا: اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم حدیث بیان نہ کرتے،

معنا حدیث بیان کرنے سے جو لوگ منع کرتے ہیں انہوں نے اپنے موقع پر نص اور عقل سے استدلال کیا ہے، نص رسولؐ کا یہ قول ہے: خدا رحم کرنے اس شخص پر جو میری حدیث کو اسی طرح نقل کرتا ہے جیسے سنی تھی، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ لفظ کا عالم حدیث سمجھنے میں راوی سے کہیں بہتر ہوتا ہے، علماء نے کہا: حدیث کو ایسے ہی نقل کرنا جیسے سنی تھی تو وہ سنے ہوئے لفظ کو بیان کرنا ہے اور عالم کا اپنے سے بڑے عالم سے نقل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ بسا اوقات ذہن آدمی اپنے ذہن و دانائی اور لفظ کی مدد سے اس چیز کو سمجھ لیتا ہے جسے راوی نہیں سمجھا تھا کیونکہ وہ کم سمجھ تھا،

لیکن معقول دو وجہ سے ہے:

① ہم پر تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ماثراً اکثر آیت یا روایت سے ایسے فوائد کا استنباط کرتا ہے جن سے گزشتہ زمانہ کے علماء و محققین واقف نہیں تھے، اگر

بالمعنی حدیث نقل کرنے کو ہم جائز سمجھیں تو بہت بڑا تفاوت ہو جائے گا جبکہ راوی تفاوت محسوس نہیں کرتا،

۷) اگر راوی رسولؐ کے لفظ کو اپنے لفظ سے بدل سکتا ہے تو دوسرا راوی اس لفظ کو اپنے لفظ سے بدل سکیگا جو اس نے سنا تھا بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ راوی کے لفظ کو بدلنا شارع کے لفظ کو بدلنے سے اولیٰ ہے اور اگر یہ تبدیلی تیسرے اور چوتھے طبقے میں ہوئی تو یہ سلام کا عدم ہو جائیگا اس لئے کہ اگر انسان ترجمہ کی تطبیق میں کوشش کرے گا تب بھی کسی نہ کسی حد تک تفاوت رہے گا اور جب تفاوت ہوتا چلا جائیگا تو پھر آخر میں ایسا واضح تفاوت ہو گا کہ پہلے اور آخری کلام میں کسی قسم کی مناسبت باقی نہ رہے گی، نتیجہ الفصول فی الاصول میں قرآنی فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور بعض محدثین کے برخلاف ابو الحسن والوحیفہ اور شافعی کے نزدیک منہا حدیث نقل کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے ترجمہ میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو اور اگر راوی کی عبارت میں کمی زیادتی ہوگی تو اس سے شرح میں کمی زیادتی ہوگی اور شرح میں کمی زیادتی کرنا اجماعاً حرام ہے، اور جب حدیث کی عبارت جلی ہوگی اور پھر اسے خفی سے بدلا جائے گا تو اس سے حدیث میں نقص واقع ہوگا اور اس پر خفی چیز مقدم ہوگی اور جب ایک حکم کے بارے میں دو متعارض حدیثیں ہوتی ہیں تو وہاں جلی حدیث کو خفی پر مقدم کیا جاتا ہے بس جب اصلی جلی اور واضح ہوگی اور اپنے خفی چیز سے بدلا جائیگا تو اس کا وہ امتیاز ختم ہو جائیگا کہ جس سے تعارض کے وقت کو خلاصی ہوتی ہے، اس طرح جب حدیث خفی عبارت والی ہوگی اور اسے جلی عبارت سے بدلا جائیگا تو حدیث کو دوسری چیز پر مقدم کیا جائیگا اور حکم خدا یہ ہے کہ تعارض کے وقت اس پر دوسری چیز کو مقدم کیا جائے لہذا اس تغیر سے حکم خدا میں تغیر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے، حدیث بالمعنی نقل کرنے کے لئے اتنے شرائط ہیں جب یہ شرائط موجود ہوں تو جو ان کے بارے میں اختلاف ہوگا لیکن اگر یہ شرائط حاصل نہ ہوں تو اجماع ہے کہ منہا حدیث بیان کرنا صحیح نہیں ہے جو لوگ منہا حدیث بیان کرنے کے مخالف ہیں ان کی دلیل بڑا، ابن عازب کی حدیث ہے ؎

جو لوگ معنا حدیث نقل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ احادیث سے تھے اور انھیں قلم بند نہیں کرتے تھے نہ انہیں دہراتے تھے، پھر عرصہ دراز کے بعد ان کی روایت کرتے تھے، اس صورت میں انسان کے ذہن میں عبارت تو نہیں آسکتی ہے ہاں معنا عبارت محفوظ ہو جاتی ہے ایک ہی واقعہ اور قصہ کے بارے میں بہت سی مختلف عبارت احادیث نقل ہوئی ہیں یہ معنا حدیث نقل کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور پھر قرآن کی طرح سنت کے لفظ تو قیغی نہیں ہیں لہذا اگر معنی محفوظ ہو گئے ہیں اور غیر مقصود چیزیں چھوٹ جائیں تو کوئی مخرج نہیں ہے،

فاسی اپنی کتاب قواعد التحدیث میں فرماتے ہیں:

اصل عبارت کے بغیر بالمعنی حدیث نقل کرنے کی ایک جماعت نے اجازت دی ہے اس جماعت میں سے طہ، ابن عباس، انس بن مالک، ابو درود، وائل بن الاسقع، اور ابو ہریرہ ہیں پھر تابعین میں سے امام احمد حسن بھری، شعبی، عمرو بن دینار، ابراہیم نجی، مجاہد اور عکرمہ ہیں، رسول مکرم صحابہ نے جو حدیث نقل کی ہے ان کے الفاظ مختلف ہیں، بعض صحابہ نے مکمل طرز پر بیان کی ہے، بعض بالمعنی نقل کی ہے کچھ نے اختصار سے بیان کیا ہے، مختلف الفاظ میں بیان کی ہے، جب کہ وہ معنی کے خلاف نہ ہو اور جان بوجھ کر ان میں سے کوئی بھی دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا ہے ہر ایک کا مقصد صدق اور سنے ہوئے کو بیان کرنا تھا لہذا اس کی کوشش کرتے تھے، اور

ابو ہریرہ غازی کی روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے: رسول نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر کلام کیلئے پہنچو تو ایسے ہی وضو کرو جیسے نماز کیلئے کرتے ہو، پھر دائیں کروت لیٹ جاؤ اور پر وضو المصم اسلمت و جی الین و نوضت امری الیک و اجالت لہری الیک رنہ و حدیث الیک و لا منجا الالیک و آمنت بکنا بک الذی انزلتہ و بیک لہدی ارسلتہ۔

مسلم نسائی اور

ترمذی نے اس حدیث اس طرح نقل کیا ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اس طرح وضو و نیک الذی ارسلتہ رسول نبی بھی جوتا ہے جب کہ نبی رسول نہیں جوتا ہے۔ اگر معنی محفوظ ہو جائیں مگر افسوس،

کہتے تھے، جھوٹ وہ ہے جو جان بوجھ کر بولا جائے۔

عمر بن مسلم سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: جس سے ایک آدمی نے کہا: اے ابو سعید آپ بہترین حدیث بیان کرتے ہیں، بہترین تعمیر لاتے ہیں اور فصیح زبان میں حدیث بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب تم معنی سمجھو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، نصر بن شیبہ نے کہا ہشیم اصلی حدیث میں خلط ملط کرنے والا تھا میں نے اس کی حدیث کو تمہارے سامنے بہترین پیرایہ میں پیش کیا ہے، یحییٰ اعراب سے، نصر بن شیبہ ایک نحوی تھا، سفیان کہتا ہے: جب تم کسی شخص کو حدیث میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ خود کو پہچاننا چاہتا ہے، ایک شخص نے یحییٰ بن سعید قطان سے حدیث بلغظہ کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے کہا: دنیا میں کتاب خدا سے زیادہ روشن کچھ نہیں ہے لیکن اس کی بھی سات حرف و پر قرأت کی اجازت دی گئی ہے پس زیادہ سختی سے کام نہ لو۔

بیہقی نے مکول سے روایت کی ہے اس نے کہا: میں اور ابو الازہر و انور بن الاسقع کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ ہمیں وہ حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسولؐ سے سنی ہو اور اس میں

سے اتنی ہی دیلوں جو اکتفا کی جاتی ہے: جزائری کی کتاب میں اس سلسلہ کی بہت سی دلیلیں بیان ہوئی ہیں تفصیل کے خواہاں مذکورہ کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

۱۔ ایک کلمہ کو دوسرے کلمے بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہے ذی الزمر سے روایت ہے کہ اس نے قیس ابن عثر سے کہا کہ میرا ایک شعر لکھو کیونکہ مجھے حفظ سے زیادہ کھانا پسند ہے اس نے کہ اگر عربی اس کلمہ کو بھول جائے جسکو اس نے رات بھر بیدار رہ کر حاصل کیا تھا تو اس نے اس کی جگہ اس وزن کا دوسرا کلمہ دکھ دیا پھر لوگ اسے پڑھنے لگے، ص ۱۸، دص ۱۸۱، کتاب تنقیح الشعر الجاحلی، مؤلف الشیخ انصر حسین،

کوئی وہم و زیادتی اور نسیان نہ ہو ! انہوں نے کہا : کیا تم دونوں میں سے کسی نے کچھ قرآن پڑھا ہے ؟ ہم نے کہا ہاں ، ہم اس سے اچھے حافظ ہیں ، کہیں واو اور الف کا اضافہ کر دیتے ہیں ، کہیں حذف کر دیتے ہیں ، انہوں نے کہا : یہ لکھا ہوا قرآن تمہارے پاس موجود ہے اسے تم حافظ سے بھی نہیں پڑھتے ہو اور اس میں بھی تم کی زیادتی کر دیتے ہو تو ان احادیث کی کیا کیفیت ہوگی جن کو ہم نے رسول ص سے سنا تھا اکثر ہم نے آپ سے ایک ہی بار حدیث سنی ہے ، تمہارے سامنے جب ہم بالمشافہ حدیث بیان کریں تو تمہارے لئے وہی کافی ہے ،

ابن ابی یعلیٰ ایک چیز کبھی اس طریقہ سے اور بار دیگر دوسرے طریقہ سے ، اسناد کے بغیر بیان کرتے تھے اور یہ ان کے حفظ کی وجہ سے ہوتا تھا کیونکہ پہلے اکثر اہل علم لکھتے نہیں تھے ، اور جو ان میں سے لکھتا تھا وہ سارے کے بعد لکھا جاتا تھا ، اکثر بالسخنی روایت کرتے تھے ، زیادہ تر اپنی طرف سے ایسا لفظ بڑھا دیتے تھے جو کہ مکمل معنی سمجھانے سے قاصر ہوتا تھا اور کبھی مختصر یا تغیر بہت سے اعتراض کا باعث ہوتا تھا ،

اور جب ہور نے مشافہ حدیث بیان کرنے کی اجازت دی ہے ۱۔
سنن ترمذی میں مشکوٰۃ سے اور انہوں نے واو اور الف کا اضافہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا : جب ہم تمہارے سامنے مشافہ حدیث بیان کریں تو وہی تمہارے لئے کافی ہے ،
ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں روایت کیا ہے کہ جب میں تمہارے سامنے مشافہ حدیث بیان کروں تو تمہارے لئے وہی کافی ہے ۲۔ وکیع بن جریج اور حسن سے روایت کیا ہے کہ

۱۔ توجیہ النظر ص ۶۶ ،

۲۔ ص ۲۵۹ ، ۳۵ ،

۳۔ وکیع بن جریج عرق کے محدث اور حافظ و امام ہیں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ یمن میں ان سے زیادہ علم کو محفوظ رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا ہے ، یہ فقہ تھے ۱۹۷ھ میں وفات پائی ،

انہوں نے کہا: اگر تم معنی سمجھ لیتے ہو تو کافی ہے، نیز کہا: اور معنی کی کثرت نہ ہوتی تو لوگ ہلاک ہو جاتے، اہل علم کی فضیلت، حفظ آفتان اور سنتے وقت اسے لکھنے سے

اس کے باوجود آئمہ حدیث میں سے کوئی بھی غلطی اور خطائے محفوظ نہیں ہے سفیان شوری کہتے ہیں: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے تمہارے سامنے ایسے ہی حدیث بیان کی ہے جیسے سنا تھا تو تم میری تصدیق نہ کرنا کیونکہ میں اسے معنی بیان کرتا ہوں، ان سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ ہمارے سامنے ایسے حدیث بیان کیجے جیسے آپ نے سنی ہے، کہا: خدا کی قسم یہ ممکن نہیں ہے، صرف معنی حدیث بیان ہوتا ہے، ان ہی کا قول ہے اگر ہم تمہارے سامنے اسی طرح حدیث بیان کرنے کا ارادہ کریں جیسے سنا تھا تو ایک حدیث بھی بیان نہیں کر سکتے ہیں،

علماء میں سے ثقہ اشخاص کا قول ہے: اولیٰ یہ ہے کہ حدیث کو اس کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جائے اس میں تصرف نہ کیا جائے لیکن عمل اس چیز پر ہوتا ہے جو اولیٰ نہیں ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں: بہتر ہے کہ حدیث بالمعنی کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے تاکہ وہ غیر مستحسن چیز غالب نہ آئے جسکے مستحسن ہونے کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ پہلے اور آج کے روات نے کیا ہے خدا یا توفیق دینے والا ہے،

محققین کا قول ہے کہ ان چیزوں کو بالمعنی بیان نہیں کیا جاسکتا ہے جن میں لفظ کو تبدیلی طو پر بیان کرنا ضروری ہے جیسے تکبیر و شہادت واضح رہے کہ شہادت مختلف الفاظ میں وارد ہوئے ہیں ان میں سے اکثر درج ذیل ہیں،

سفیان شوری، سید الحفاظ اور فقیہ تھے ان کے بارے میں طحان کہتے ہیں: میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا ہے یہ ہر چیز میں مالک سے بڑے تھے ۳۷۷ میں بصرہ میں انتقال کیا،

تشہد کے پتے

ابن مسعود کا تشہد صحیحین میں عبد اللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ نے مجھے تشہد سکھایا جب کہ میرا ہاتھ آپ کے دست و مبارک میں تھا جیسا کہ مجھے سورہ قرآن کی تعلیم دی تھی: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ طَلِيبُكَ أَيُّهَا الْبَنِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَطَىٰ عِبَادَ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،

ایسے ہی اصحاب سنن نے بھی روایت کی ہے، ایک روایت میں ہے، انھیں کلمہ کلمہ کی تلقین کی ہے، دوسری روایت میں ہے جب تم نے یہ کہ دیا اور اسے تمام کر دیا تو تم نے اپنی نماز تمام کر دی، اسی کو ابو حنیفہ، احمد و اکثر علماء محدثین نے اختیار کیا ہے،

ابن عباس کا تشہد: مسلم اور ابوباب بن نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اسی طرح شافعی نے امام میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول نے ہمیں اسی طرح اس تشہد کی تعلیم دی ہے جس طرح قرآن کے سورہوں کی تعلیم دی ہے فرماتے تھے: یہ کہو! التحیت للہ! اکرام الصلوٰۃ الطیبات للہ! اسلام علیک ایہا النبی! در حقہ اللہ وبرکاتہ اسلام علینا وعلیٰ عباد اللہ! اھین! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ!

عمر ابن خطاب کا تشہد: مالک نے موطا میں ابو شہاب سے، عروہ سے، ابن زبیر سے عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت کی ہے انہوں نے عمر بن خطاب سے سنا، جبکہ وہ منبر سے کہہ رہے تھے، کہو! التیات الزکیات للہ الطیبات الصلوات للہ،

سرخسی نے مبسوط میں روایت کی ہے، التیحات الثامیات الزکیات البہارات
الطیبات لہ۔ مالک کہتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کا تشہد تمام تشہدات سے افضل ہے اسلئے کہ عمر نے
اسے مہر سے صحابہ کے سامنے بیان کیا تھا اور کسی صحابی نے ان پر اعتراض نہیں کیا تھا، ابو داؤد اور

ابن مردویہ نے مرفوع طریقہ سے اسے نقل کیا ہے،
 ابوسعید خدری کا تشہد: اتحیات الطیبات السلام علیک ایھا النبی
 ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیہا علی مباد اللہ الصالحین الشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ
 ابوسعید کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن اور تشہد لکھتے تھے،
 جابر کا تشہد: جابر کی حدیث، جو کہ نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی کے نزدیک مرفوع
 ہے اس میں فرماتے ہیں رسول ہمیں اسی طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کے سورے کی تعلیم
 دیتے تھے۔ باسم اللہ وباللہ اتحیات... الخ۔
 اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے،
 عائشہ کا تشہد: مالک نے موطا میں زوجہ رسول عائشہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اس
 طرح تشہد پڑھتی تھیں اتحیات الطیبات الزکیات للہ
 یہاں تحیات و صلوات کے بعد للہ حذف ہو گیا ہے جبکہ عمراد ابن مسعود دونوں
 کی حدیث میں للہ باقی ہے، یہ حدیث مرفوع ہے، عمر کی حدیث میں اتنا اضافہ ہے "وحدہ
 لا شریک لہ" اسی طرح ابو موسیٰ کی حدیث میں بھی جو کہ مسلم کے نزدیک مرفوع ہے یہ اضافہ ہے،
 ابو موسیٰ اشعری کا تشہد: مسلم اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ابو موسیٰ کے نزدیک تشہد
 یہ ہے ۱۔ اتحیات الطیبات الصلوات للہ وحدہ لا شریک لہ"
 ثرو بن جذب کا تشہد: اتحیات الطیبات والصلوات والملك للہ الخ،

۱۔ تعقید اعلم خطیب بغدادی میں ۹۳،
 ۲۔ خطان بن عبد اللہ رقاشی کہتے ہیں میں نے ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد انہوں نے کہا:
 کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں نماز میں کیا کہنا چاہیے، رسول نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ہماری سنت بیان کی اور
 ہماری نماز کا تشہد سکھایا اور وہ یہ ہے اتحیات الطیبات الصلوات للہ السلام علیہ وسلم ج ۲ ص ۳،

ابن عمر کا تشہد : مالک نے موطا میں نافع سے ابوہریرہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ابن عمر اس طرح پڑھتے تھے بسم اللہ ، اتعینا للہ الصلوٰۃ للہ السلام علی النبیؐ اس کا ف خطاب اور لفظ ایسا سا قطع ہے ، ابن عمر کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب وہ تشہد پڑھ چکے اور سلام پھیرنا چاہتے تو کہتے تھے السلام علی النبیؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین ” تشہد میں اضافہ ثابت ہے ، السلام علی النبیؐ ، جو کہ مذکورہ تشہد میں بیان ہو رہے ، والی روایت بخاری میں ابن مسعود سے باب استئذان میں وارد ہوئی ہے اس کے آخر میں کہا ہے : اشہدان محمد عبدہ ورسولہ ۔ ہم اس وقت پڑھتے تھے جب رسولؐ ہمارے درمیان موجود تھے لیکن جب آپؐ دنیا سے چلے گئے تو ہم اب السلام علی النبیؐ کہتے ہیں ،

اس پر ابن حجر نے یہ حاشیہ لگایا ہے : ابن مسعود کی حدیث کے بعض طرق میں وہ چیز وارد ہوئی ہے جو کہ رسولؐ کے زمانے کے منازعہ ائمہ آپؐ کی حیات میں کاف خطاب اور آپؐ کے بعد صیغہ غائب کا استعمال کیا جاتا ہے ، بخاری نے اپنی صحیح کے باب استئذان میں ابو عمر کے طریق سے ابن مسعود کی حدیث تشہد بیان کرنے کے بعد لکھا ہے ، جب رسولؐ ہمارے درمیان موجود تھے ، جب دنیا سے چلے گئے تو ہم السلام علی النبیؐ کہنے لگے ،

شرح منہاج میں سبکی فرماتے ہیں اگر صحابہ سے منقول یہ بات صحیح ہے تو اس کی دلالت اس بات پر ہے کہ نبیؐ کے بعد سلام میں کاف خطاب کا استعمال واجب نہیں ہے ، حافظ کا قول ہے کہ بے شک یہ صحیح ہے ،

عبدالرزاق کہتے ہیں : میں ابن جریر نے خبر دی ہے ، عطاء نے خبر دی ہے کہ جب رسولؐ حیات تھے تو صحابہ السلام علیک ایھا النبیؐ کہتے تھے ، لیکن جب دنیا سے اٹھ گئے تو السلام علی النبیؐ کہنے لگے اور یہ صحیح اسناد ہے ،

اس اختلاف کا سبب قاضی فرماتے ہیں : اس کی دلالت اس بات پر ہے کہ اگر

۱۔ المعنی البکیر والشرح البکیر ج ۱ ص ۵۵ ،

۱۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو
 دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۲۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"

۳۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۴۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۵۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۶۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۷۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۸۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۹۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"
 ۱۰۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اسے دیکھ کر کہہ دے کہ "تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے؟"

ہے اسلئے کہ امکدالات تکرار پر نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے،
 سرخسی نے مبسوط میں اور ابن ہمام نے شرح فتح القدر میں مستقلانی نے ارشاد ساری
 میں اور قاضی عیاض نے شفا میں یہی تحریر کیا ہے کہ تنہا شافعی نے ان کے برخلاف نقل کیا ہے کہ
 جو مجھ پر صلوات نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے لیکن اس سلسلہ میں ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ
 شیعہ ہے چنانچہ ان کے اس مسلک کی بنا پر طبری اور قشیری وغیرہ نے ان پر تنقید کی ہے اور ان کے مذہب
 والوں میں سے خطابی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہلے کہ یہ واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اس حدیث
 کی اصل کی خبر ہے، اور صحابہ سے مروی شہادت میں صلوات کا ذکر نہیں ہے لیکن حدیث ۱۰۰۰
 صلوات لمن لم یصل تکمہ کو اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن مسعود کی حدیث ۱۰۰۰
 صلی صلوات لمن یصل فیہا علی و علی اہل بیتہ لم تقبل منہ ۱۰۰۰ کے بارے میں دارقطنی نے کہلے کہ یہ
 ابوجعفر محمد باقر بن علی ابن اُسین کا قول ہے بحدی حدیث اس طرح ہے، ۱۰۰۰ لوصلیت صلوات
 لم اصل فیہا علی ابی ولای علی اہل بیتہ لایت اسخا لا تتم،
 اگر میں کسی نماز میں رسولؐ اور آپ کے اہل بیت پر درود نہ بھیجوں تو اس نماز کو میں
 کامل نہیں سمجھتا ہوں،

کلمہ توحید

رسولؐ پر صلوات کے بارے میں جو کچھ ان ائمہ نے بیان کیا ہے بالکل اسی کے مثل کلمہ توحید
 ۱۰۰۰ لا الہ الا اللہ ۱۰۰۰ کے بارے میں — بھی بیان ہوا ہے، علامہ سعید بن حمزہ رحمہ اللہ ۱۰۰۰ الکلام المنقذ
 فیما یتعلق بکلمۃ التَّقْوٰی ۱۰۰۰ لا الہ الا اللہ ۱۰۰۰ اور جو اس کے حکم میں ہے، کے بارے میں ۱۰۰۰ فاکھتہ

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

کتبہ ایجوکیشن "شیخہ سیدہ"

[illegible]

کہ جس پر خاموش رہنا یا چشم پوشی کرنا صحیح نہ ہو،
 ایسے ہی میں جا حظ کی ایساں و التبین کا دوسرا حصہ پڑھ رہا تھا، یہ کتاب
 استاد عبدالسلام ہارون کی تحقیق کے ساتھ چھپی تھی، مطالعہ کے دوران ص ۳۳ پر میری نظروں
 سے اس مضمون کی تحریر گزری:

ابن عون کہتے ہیں کہ تین اشخاص، سماع کے سلسلہ میں بہت سخت تھے اور تین اشخاص
 غما کے بارے میں تساہل سے کام لیتے تھے جو لوگ تساہل سے کام لیتے تھے وہ حسن شیبی اور غنی ہیں جو
 شدت پسند تھے وہ محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجا بن حیوہ ہیں۔

استاد ہارون یہ سمجھے کہ اس خبر میں سماع سے مراد گیت و سر ہے لہذا انہوں نے
 کلمہ معانی نقل کر دیا جو کہ اصول کے بعض نسخوں میں موجود ہے، ایسے ہی اصول کے دوسرے
 نسخوں میں لفظ مہلہ کے ساتھ مرقوم ہے، چنانچہ موصوف نے اس کی تفسیر و تشریح کر ڈالی نہیں
 معلوم اس سے ائمہ لغت خوش ہو گئے یا ناراض،

کلمہ معانی کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ، معانی، معنی کی جن ہے، اس میں میم
 مصدری ہے اور یہ غنی معنی سے ہے، یہ کلمہ اس نسخہ میں مرقوم ہے جو کہ کتابخانہ کو برنی میں ہے اور نسخہ
 تیموریہ میں کلمہ معانی تحریر شدہ ہے،

بالمعنی روایت حدیث کی مثالیں

مسلم نے طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول کی خدمت میں اہل نجد سے
 ایک شخص آیا جس کے سر کے بال سفید تھے ہم اس کے بولنے کی آواز تو سن رہے تھے لیکن یہ نہیں سمجھ رہے

۱۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کا ص ۷۷،

تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ وہ رسولؐ کے قریب پہنچ گیا اور اسلام کے بارے میں سوال کیا تو رسولؐ نے فرمایا: شب و روز میں پانچ نمازیں، اس نے کہا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ اور ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ رضا کارانہ طور پر کچھ انجام دو اور ماہ رمضان کے روزے، پھر اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ اور ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ رضا کارانہ طور پر رکوع دو، پھر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ بتکلف کچھ انجام دو یہ سکر وہ شخص یہ کہتا ہوا پس چلا گیا خدا کی قسم نہ میں اس سے زیادہ کر رہا ہوں گا اور نہ تم، رسولؐ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہو گیا، دوسری روایت میں ہے یہ اور اس کا باپ کامیاب ہو گیا، اگر سچا ہے تو، اور تیسری روایت میں ہے کہ اگر یہ سچا ہے تو یہ اور اس کا باپ جنت میں داخل ہوں گے،

ابو ہریرہ سے حدیث جبرائیل میں منقول ہے،
 رسولؐ نے فرمایا: مجھ سے سوال کرو تو ہوگ آپ کی طرف پڑھنے لگے، ایک شخص آیا اور آپ کے زانو طے کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اس شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: پھر کہا اے اللہ کے رسولؐ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتاب و ملاقات اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا غیب پر ایمان رکھنا اور پوری قدرت پر ایمان رکھنا، اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: پھر پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ احسان کیا ہے؟ فرمایا: خدا سے اس طرح ڈرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ نہیں دیکھ رہا ہے، اس حدیث کے سلسلہ میں ہم نے اپنی کتاب ”شیخ المصنف“ میں بحث کی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں، اور اس کے بارے میں ڈاکٹر طحسین کا مطالعہ فرمائیں ۱

ابو ایوبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا مجھے ایسا کام بتائیے کہ جسکا انجام دہی جھے جنت سے نزدیک اور جہنم سے دور کر دے، فرمایا: خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو، اور صلہ رحم کرو رسولؐ نے فرمایا: اگر تم نے اسے انجام دیا جسکا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو جنت میں جاؤ گے،

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک دیہاتی و اعرابی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایسا کام بتائیے کہ جسکا انجام دے کر جنت میں پہنچ جاؤں فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ واجب غازیں پڑھو! مفروض زکوٰۃ دو رمضان کا روزہ رکھو، آنے والے نے کہا: قسم اس ذات کی کہ جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نہ اس سے زیادہ کچھ ہے اور نہ کم جب دیکھا گیا تو رسولؐ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ الہا جنت میں سے کسی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو دیکھے،

ان احادیث پر حاشیہ لگاتے ہوئے امام نوویؒ کہتے ہیں، واضح رہے طلحہ کی حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ذکر ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ جبریلؑ والی حدیث میں ہے اسی طرح دوسری احادیث میں بھی ذکر نہیں ہے بعض میں روزہ کا ذکر نہیں ہے بعض میں زکات کا ذکر نہیں ہے، بعض میں صلہ رحم کا ذکر ہے، کچھ میں خمس دینے کا ذکر ہے جبکہ بعض میں ایمان کا ذکر نہیں ہے پس ان احادیث میں خصال ایمان کے عدد میں کم و زیادتی اور اثبات و حذف کے لحاظ سے اختلاف ہے۔
قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کا جواب دیا ہے اور شیخ ابو عمرو بن اصلاحؒ وغیرہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہتے ہیں: یہ رسولؐ سے صادر ہونے والے اختلاف کے سبب نہیں ہے بلکہ روایت کے حفظ

۱۔ یہ خالد بن زید انصاریؒ ہیں، شرح النووی علی مسلم ج ۱ ص ۱۷۲، المحارف لابن قتیبة ص ۱۱۹،

۲۔ شرح النووی المسلم علی ہاشم القطونی ج ۱ ص ۲۱۵،

دھبہ کے تفاوت کے سبب سے ہے ان میں سے بعض کم سمجھے تو انہوں نے اسی پر اکتفا کیا جتنا سمجھے تھے اور اس بات کو بیان نہ کیا کہ دوسرے نے حدیث کے اثبات یا نفی کے بارے میں کیا کہا ہے، اس اختصار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر کل حدیث ہے اور ثقات میں سے دوسرے نے جو اضافہ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے تو اس سے یا آشکار ہوتا ہے کہ یہ کل حدیث نہیں ہے اگرچہ اختصار کی وجہ یہ بھی کہ وہ پوری حدیث کو یاد نہیں کر سکتا تھا،

کیا آپ نے نعمان بن قوف کی حدیث نہیں دیکھی ہے، ان کی خصال میں کمی و زیادتی کے اعتبار سے اختلاف ہے جب کہ سب کا راوی ایک ہے،

یہ ہے نعمان بن قوف کی حدیث ابو سفیان اور جابر سے مروی ہے کہ نعمان بن قوف بنی مکہ پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کیا فرماتے ہیں کہ جب میں واجب نماز ادا کروں اور حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھوں تو کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟
بنی نے فرمایا: ہاں!

امش ابی صالح ابو سفیان و جابر سے منقول ہے کہ نعمان بن قوف نے رسول اللہ کی خدمت میں مثل حدیث سابق عرض کی اور یہ اضافہ کیا کہ میں اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے،

اس کا نکاح ہم نے آپ سے کیا ہے

بنی کی خدمت میں ایک عورت آئی جو کہ رسول سے نکاح کرنا چاہتی تھی ایک

- ۱۔ شرح نووی مسلم ج ۱ ص ۵۷۱،
- ۲۔ ہم نے یہاں اس حدیث کے الفاظ مختلف کی وجہ سے جو فقہاء میں اختلاف ہے اسے بیان نہیں کیا ہے اس سلسلہ میں ان کی دوسری کتب ملاحظہ فرمائیں مگر روایت بالمشی کو شرمازی سے آگاہ ہوئیں، فتح مبدی ج ۱ ص ۱۷۱ تا ۱۷۲،

شخص آگے بڑھا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صبحا میں اس سے نکاح کروں؟ قرآن کے بعض حصے کے علاوہ اس کا کچھ مہر نہ تھا، رسول نے اس سے فرمایا: میں اس کا نکاح قرآن کے بعض حصے کی تعلیم پر کرتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے قرآن کے عوض اس کا نکاح کیا تیسری روایت میں ہے کہ میں نے تم سے اس کا نکاح کیا، چوتھی روایت میں ہے کہ میں نے اسے تمہاری ملکیت میں دیا پانچویں روایت میں ہے، میں نے اسے قرآن کے عوض تمہاری ملکیت میں دیا چھٹی روایت میں ہے کہ میں نے تم سے اس کا نکاح کیا کہ تم اسے قرآن پڑھاؤ اور سکھاؤ، ساتویں روایت میں ہے کہ میں نے اسے تمہارے اختیار میں دیا، آٹھویں روایت میں ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، یہ آٹھ اختلاف ایک نطق کے بارے میں ہے،

ابن دقیق العبد کہتا ہے، یہ ایک نطق ایک ہی قصہ میں ہے باوجودیکہ حدیث کے سرچشمہ پر سب کا اتفاق ہے

علانی کہتے ہیں: واضح ہے کہ یہ سب گھڑی ہوئی ہیں بنی نے یہ تمام الفاظ نہیں فرمائے تھے یقیناً ان میں سے صرف ایک ہی نطق فرمایا ہوگا باقی الفاظ اسی حدیث کے راویوں نے ایجاد کر لئے، کس نے کہا: نطق نفلک سے نکاح ہو جاتا ہے پھر اس پر مذکورہ حدیث سے حجت قائم کی اگر وہ بقیہ الفاظ میں بیان کرنا تو اس کی حجت قائم نہیں ہو سکتی تھی لہذا میں نے یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ بنی نے یہی فرمایا تھا، اس راوی کے غیر نے دوسرے معنی بیان کئے، یعنی راوی کا مخالف اس کے برخلاف حدیث پیش کرتا ہے اور اس کے دعوے کے برعکس دعویٰ کرتا ہے، یہاں امر خارجہ کے ذریعہ دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی، اسی بنا پر یہ بیہودہ وغیرہ نے اثبات اللغو وغیرہ میں اس اور ایسی دوسری احادیث کو شامل کے طور پر پیش نہیں کیا ہے،

حدیث نماز بنی قرظیر میں

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ روزا خراب آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی

بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ بنی حریظ میں، چنانچہ بعض کو راستہ ہی میں عصر کا وقت ہو گیا تو کچھ لوگوں نے کہا: نماز نہ پڑھنا یہاں تک بنی حریظ تک پہنچ جائیں، چند افراد نے کہا: ہم تو نماز پڑھیں گے کیونکہ یہ ہم نے نہیں سنا ہے، اصحاب نے نبی سے اس کا ذکر کیا تو ان میں سے کسی کو بھی آپ نے برا بھلا نہ کہا، اس حدیث کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں، بخاری کے تمام نسخوں میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جب کہ مسلم کے سارے نسخوں میں عصر کی بجائے فجر کی نظر مذکور ہے تبجب کی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کو دونوں نے ایک ہی شیخ اور ایک ہی اسناد سے نقل کیا ہے، ابویعلیٰ اور دیگر لوگوں نے مسلم کی موافقت کی ہے ایسے ہی ابن سعد نے نقل کیا ہے لیکن ارباب بخاری کا اتفاق ہے کہ عصر کا وقت تھا،

اس کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں: اسے بخاری نے اپنے حافظ کی بنا پر لکھا اور خط کی رعایت نہیں کی ہے جیسا کہ ان کے مسلک میں ایسا کرنا جائز ہے۔ برخلاف مسلم کے کہ وہ غلطی بہت رعایت کرتے ہیں اور پھر اسے کتب حدیث کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، عراقی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں،

بیہقی نے سنن میں اور بخاری نے شرح السنۃ وغیرہ میں اپنے الفاظ و اسناد میں حدیث روایت کی اور پھر اسے الفاظ و معنی کے اختلاف کے باوجود بخاری و مسلم کی طرف منسوب کر دیا اور صرف اصل حدیث کو چاہتے تھے اسکے الفاظ کو ترجیح نہیں دیتے تھے،

ایسی ہی بات نووی نے "الاثر من قریش" والی حدیث کے بارے میں لکھی ہے، اس حدیث کو

ابن حجر نے جو کچھ بخاری میں کہا اس کی تائید خطیب بغدادی کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جو انہوں نے بخاری کے بارے میں لکھا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنیں اور شام میں لکھی ہیں اور بہت سی حدیثیں شام میں سنیں اور بصرہ میں لکھی ہیں ان سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ کمال! طویلہ خاکش ہو گئے، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۱، حیدر بن ابی جوزفل بخاری کہتا ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے محمد بن اسماعیل نے کہا: بہت سی حدیثیں میں نے بصرہ میں سنیں اور شام میں لکھیں اور بہت سی شام میں سنیں اور بصرہ میں لکھی ہیں میں نے ان سے کہا: بگل طویلہ! اس پر خاکش ہو گئے، ہدیٰ اسلامی مکتبہ امبارج احسن

شیخین نے اپنی صحیح لفظ کے ، لایزال ہذا الامرنی قریش مابقی منہم اثنان ، کے ساتھ نقل کیا ہے جبکہ دونوں نقطوں اور منہوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ،

پیوند نخل

مسلم نے اپنی کتاب میں موسیٰ بن طلحہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ کے ساتھ ان لوگوں کے پاس سے گزرا جو کھجوروں کی پیوند کاری کر رہے تھے رسول نے فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: یہ پیوند کاری کر رہے ہیں نہ کو مادہ سے ملا کہ پیوند لگا رہے ہیں اس پر رسول اللہ ص نے فرمایا: میرے خیال میں اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا ، راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کو رسول کے قول سے آگاہ کیا گیا ہے تو انہوں نے اس کام سے ہاتھ بچھین لیا ، ان کی دست کشی کو رسول کو خبر دی گئی تو فرمایا: اگر اس میں ان کا فائدہ ہے تو اسے انجام دیں یہ تمہارا ایک گنا تھا ، گناں میں میری اتباع نہ کیا کرو ، لیکن جب میں خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس پر عمل کیا کرو کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھوں گا ،

رافع بن خدیج سے روای ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اسے بنا رہے ہیں ، فرمایا: اگر تم یہ کام انجام نہ دیتے تو شاید تمہارے حق میں بہتر ہوتا ، راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے پیوند کاری سے ہاتھ بچھین لیا ، جس سے سہل ہی نہ آیا ، راوی کہتا ہے کہ رسول کو کھجور کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: میں بھی بشر ہوں ، اگر میں نہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی خبر دوں تو اس پر عمل کیا کرو ، اور اگر اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں صرف بشر ہوں ، اسے مسلم ، انسائی نے نقل کیا ہے ،

بشام نے ابن عثرۃ سے ، انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عائشہ سے و انس سے روایت کی ہے کہ بنی مہنہ ان لوگوں کے پاس گئے جو پیوند کاری میں مشغول تھے ، فرمایا: اگر تم یہ کام انجام نہ دیتے تو بہتر تھا ، راوی کہتا ہے کہ اس سال ردی کھجوریں لگیں ، کہ دوبارہ ادھر سے رسول کا گزر ہوا تو فرمایا: تمہاری کھجوروں کو کیا ہوا؟

میں نے کہا آپ نے فرمایا تھا، فرمایا: اپنے دینی کام کو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو،
احمد کی روایت میں ہے کہ جو بھی تمہارے دین کا معاملہ ہے وہ مجھ سے متعلق ہے لیکن جو تمہاری دنیا
کا معاملہ ہے اسے تم مجھ سے بہتر جانتے ہو، کتاب التحصیل والہیان میں ابن رشد سے روایت کی گئی ہے نہ میں
کاشکار ہوں اور نہ مجبور والا۔

حدیث صحیفہ علیؑ

اس حدیث کو احمد، شیعین اور ارباب سنن نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے بخاری نے کتاب
العلم میں ابو جحیفہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ سے عرض کی: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے فرمایا
نہیں سولہ کتاب خدا اور اس فہم کے جو اس نے ایک مسلمان کو عطا کیا ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے ہمارے پاس
اور کچھ نہیں ہے، میں نے عرض کی اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: عقل، اسیر کو چھڑانا، اہیرہ کہ کافر کے عوض مسلمان
قتل نہیں کیا جائیگا،

اور باب دیات میں ہے کہ میں نے علیؑ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو
قرآن میں نہیں ہے؟ فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے دائہ کو نگاہ فقہ کیا اور انسانوں کو پیدا کیا ہے ہمارے پاس
اسکے علاوہ کچھ نہیں ہے جو قرآن میں ہے اور اس فہم کے سوا جو اس نے ایک مسلمان کو عطا کیا ہے اور جو کچھ اس
صحیفہ میں ہے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے میں نے عرض کی اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا عقل، اور اسیر کی رہائی۔
کتاب الحج کے باب حرم المدینہ میں ابراہیم تمیمی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ آپؐ
نے فرمایا: ہمارے پاس کتاب خدا اور اس صحیفہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے رسولؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
کوہ عار سے فلاں جنگ حرم مدینہ ہے، جس نے اس کی حد دو میں کوئی ظلم و جرح کیا کسی ظلم و جرح
کرنے والے کو پناہ دی، اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے جزیہ وغیرہ قبول نہیں کیا جائے گا اور
جس نے کسی مسلمان کی ہنک عزت کی اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس پر اس سے کوئی جزیہ وغیرہ

قبول نہیں کیا جائے گا اور جس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی غیر کا کام انجام دیا اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے جزیرہ و بدر قبول نہیں کیا جائیگا،

اور کتاب الجزیرہ کے باب ذمۃ المسلمین میں ہے کہ علیؑ نے ہمارے درمیان خطبہ دیا اور فرمایا: ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے کہ جس کو ہم پڑھتے ہیں مگر کتاب خدا اور اس صحیفہ کے لوگوں نے کہا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: اس میں جراحات، اونٹ کے دانت اور یہ کہ مدینہ غیر سے فلاں پر گھگھلے ہوئے ہے پس جس نے اس میں حدیث کیا یا حدیث والے کو اس میں پناہ دی تو اس پر خدا اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اسلئے اس کی قیمت دروپیہ پیڑہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اپنے موالی کے غیر سے محبت کی اس کیلئے بھی ایسا ہی ہے، اور تمام مسلمانوں کا ایک عہد ہے پس جو بھی کسی مسلمان سے عہد توڑے گا اس کیلئے بھی ایسا ہی ہے،

باب من عاهدکم عن دین میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم نے نبیؐ سے قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے، کے علاوہ کچھ نہیں لکھا ہے، رسولؐ نے فرمایا: مدینہ عائر سے فلاں جگہ تک حرام ہے جس نے بھی اس علاقہ میں جرم و ظلم کیا یا ظلم و جرم کرنے والے کو نہاد دی تو اس پر خدا اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس پر اس سے کوئی ہرمانہ جزیرہ قبول نہیں کیا جائے گا اور تمام مسلمانوں کا ایک عہد ہے ان کا ادنیٰ بھی کر سکتا ہے اور جو کسی مسلمان کے عہد کو توڑے گا تو اس پر خدا، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس پر اس سے کوئی درہم و دینار قبول نہیں کیا جائے گا اور جو کوئی اپنے موالیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم کا کام کرے گا تو اس پر بھی خدا، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس پر اس سے کوئی درہم و دینار قبول نہیں کیا جائے گا،

باب اثم من تبرئ من موالیہ میں ہے کہ ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، جس کو ہم پڑھتے ہیں سوائے کتاب خدا اور اس صحیفہ کے، پھر اسے نکالا تو اس میں جراحاتوں، اونٹ کے دانتوں کی مانند تھا، اور اس طرح مدینہ کی حرمت، الحج، اور دلا کے مسئلہ کا ذکر تھا اور سابق کی طرح مسئلہ ذمہ تھا، کتاب اعتصام کے باب کراہت التمتع والتمار زرع والخلو فی الدین میں ہے کہ علیؑ نے انہوں کے منبر سے خطبہ دیتے ہوئے کہا: خدا کی قسم ہمارے پاس کتاب خدا اور اس صحیفہ کے علاوہ کوئی کتاب

نہیں ہے جو پڑھی جاتی ہے اس کے بعد اس صحیفہ کو دکھایا تو اس میں اونٹ کی عمر اور یہ کہ عاثر سے فلاں جگہ تک مدینہ حرم ہے جس نے اس میں جرم کیا تو اس پر خدا کی لعنت، مسلمانوں کا ایک عہد ہے ان کا اوٹا بھی اسے کر سکتا ہے اور جو مسلمانوں کے عہد کو توڑے گا اس پر ... صحیفہ میں یہ بھی تھا: جو اپنے موابیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے لگاؤ پیدا کر لیا اس پر ... یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: خدا اس سے دہم دینا قبول نہیں کرے گا۔ یہ بخاری کی روایات ہیں۔

بخاری و دارباب سنن کی روایات بخاری کی روایات ہی کے متنی میں ہیں، مسلم نے مدینہ کی دونوں حدوں کی تصریح کی ہے کہ وہ کومیر سے کوہ نور تک ہے، حافظ ابن جریر نے حضرت علیؓ کی حدیث کو ابراہیمؒ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے اس صحیفہ میں وہ سب کچھ تھا جو وارد ہوا ہے، راوی کو اس میں سے کوئی چیز بیان کرنا چاہیے تھی لیکن مقتضائے وقت کی بنا پر ایک نے بیان کی دوسرے نے نہیں یا ان میں سے بعض نے اس کے مواد کو مکمل طور پر حفظ نہیں کیا تھا یا اسے نہیں سنا تھا، اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بالعمنی نقل کیا ہے کلی طور پر حفظ کا استہدائے اہل علم کیا ہے اسی لئے ان کے الفاظ میں اختلاف ہو گیا ہے راویوں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آپ نے پورے صحیفہ کو ان کے سامنے پڑھا تھا اور انہوں نے اسے حفظ کر لیا تھا یا اسے لکھ لیا تھا بلکہ ان کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، آپ نے اس کے مضمون یا اس کی بعض چیزوں کو اپنے حافظ سے بیان کیا تھا، اور جس نے ان کے سامنے پورے صحیفہ یا اس کے بعض حصہ کو پڑھا تو انہوں نے لکھا نہیں، بلکہ وہی بیان کیا جو انہیں حفظ تھا اس میں سے بعض رسولؐ کے لفظ ہیں، بعض اجالی معنی ہیں جیسے، عقل اور اسیر کی رہائی، عقل سے مراد قتل کی دیت ہے، اسے عقل اس لئے کہتے ہیں کہ اصل میں قتل کی دیت اونٹ کو باندھنا ہے یعنی اونٹ کو مقتول اس دائروں کے جو کہ شہق اسکے میں ان کے صحن میں اونٹ باندھیں اور یہ اونٹ کے دانت تو بعض روایات میں وارد ہوا ہے،

مختصر یہ کہ ہم امیر المومنینؓ کی کسی کتاب کو اس صحیفہ کے نام سے نہیں پہچانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اسے آپ نے رسولؐ کے حکم سے تحریر فرمایا تھا کیونکہ قتادہ کی روایت ابی حسان سے منقول ہے کہ آپ نے کوئی چیز سنی تو اسے لکھ لی، مختصر،

اگر کوئی بات کہنے کا ہمیں حق ہے تو اس صحیفہ پر جو کہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے اور اس میں بیان ہونے والی روایات پر جو کہ بعض حدیثوں کی کتب میں نقل ہوئی ہیں ان پر حاشیہ لگائیں گے، حاشیہ یہ ہے کہ ہم اس صحیفہ کی روایات سے مطمئن نہیں ہیں خواہ ان کے راوی کوئی بھی ہوں۔ قاری کیلئے دیکھ کافی ہے جو کہ ان روایات کے بارے میں ابن حجر نے کہا ہے،

ہمیں اس بات میں شک ہے کہ حضرت علیؓ رسولؐ کی اس حدیث کو قلم بند کرتے تھے جو دین و سلیس کیلئے مفید سمجھتے تھے تو اس کیلئے مایہ صحیفہ کافی نہیں ہے کہ جسے لوگوں کے بقول اپنی تلوار کی سیلیوں دیکھتے تھے بلکہ آپؐ کے مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ہزاروں احادیث لکھی ہوں گی اور جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس میں آپؐ صادق ہیں اس صحیفہ کے اخبار سے ہم بڑا فائدہ اٹھاتے لیکن جب یہ بات ہو جائے کہ روایت بالسنی کا اثر ہوتا ہے اس سے دین میں ضرر، لغت و ادب کا نقصان ہے جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کریں گے اس فصل کو ہم حافظ ابن کثیرؒ کی ایک چھوٹی لیکن جامع بات پر ختم کرتے ہیں جو کہ کتاب الباء الحثیثہ میں نقل ہوئی ہے ان لوگوں کے بارے میں بحث کرنے کے بعد جو کہ حدیث کو بالسنی نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں فرماتے ہیں؛

محدثین و فقہاء اور اصولیوں کی ایک جماعت نے بالسنی حدیث نقل کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی سختی سے ممانعت کی ہے، بہتر یہی تھا کہ بالسنی حدیث بیان نہ کی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حدیث کو بالسنی بیان کرنے کا طریقہ جاری ہو گیا ہے، اس چیز کو آپؐ بلا اشتہار حدیث کی تمام کتابوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، تاریخ بخاری سے آپؐ سمجھ سکتے ہیں وہ بھی بالسنی حدیث کی روایت کرتے تھے، اسی کتاب کی فصل کتب حدیث کے مقابلہ میں نخبوں کا موقوف ملاحظہ فرمائیں،

بالمعنی حدیث کی روایت کا ضرر

جب رسولؐ کی حدیث کو بالمعنی بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور جب انہوں نے راویوں کیلئے یہ مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کر سکتے ہیں، اسے مختصر کر سکتے ہیں، اور اس کے الفاظ کو مقدم و مؤخر کر سکتے ہیں بلکہ غلط پڑھنے والوں سے حدیث لے سکتے ہیں، جب اس پر عمل ہونے لگا تو پھر اسکے نتیجہ میں ساری باتیں وجود میں آگئیں اور یہ سب بالمعنی روایت نقل کرنے کی وجہ سے ہوا اور یہ عظیم نقصان ہے،

بحث و متبع کے بعد واضح ہو گیا کہ جس نے بالمعنی حدیث کی روایت کی اس سے ادائیگی میں بہت زیادہ کوتاہی ہوئی اسی لئے بعض علماء نے کہدیا بالمعنی روایت کا سد باب کر دینا چاہیے تاکہ وہ مسلط نہ ہو جو مستحسن ہونے کا گمان کرتا ہے حالانکہ مستحسن نہیں ہے، جیسا کہ قدیم و جدید علماء سے ایسا ہوا ہے، بالمعنی روایت سے کبھی بہت بڑا نقصان ہوا ہے، یہاں تک بالمعنی روایت کو امت کے اختلاف کا سبب قرار دیا گیا ہے اس سلسلہ میں بعض مؤلفین نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے: امت میں آنحضرتؐ وجہ سے اختلاف رونما ہوا

۱۔ اس مولف کے بارے میں جستجو اور فحص کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ابو محمد عبد اللہ بن اسید بطلمیوسی اندلسی ستونی or

ہے اور تمام وجوہ کا سرچشمہ یہ ہیں:

- ① الفاظ کا مشترک ہونا، اور ان کی تاویلات کا احتمال،
- ② حقیقت و مجاز،
- ③ مفرد و مرکب،
- ④ عام و خاص،
- ⑤ نقل و روایت،
- ⑥ جس کے بارے میں نص نہ ہو اس میں اجتہاد،
- ⑦ ناسخ و منسوخ،
- ⑧ اباحت و وسعت،

اور روایت و نقل کے اعتبار سے جو اختلاف ہوتا ہے اس کے بارے میں فرمایا: اسباب کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہم ناسے ان علتوں کو پہچاننے کیلئے منعقد کیا ہے جو کہ حدیث کو عارض ہوتی ہیں، اور اسکے معنی بدل دیتی ہیں، بسا اوقات اس سے یہ وہم ہوتا ہے بعض بعض کے خلاف و معارض ہے اور اکثر ایسی اشکال پیدا ہوتا ہے جس سے غلط کو دور کی تاویل لانا پڑتی ہے، ہم ان علتوں کو بیان کرتے ہیں کہ کتنی ہیں؟ اور ہر ایک قسم کی ایک مثال یا چند مثالیں بیان کریں گے کہ جن سے ان کے غیر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔^۲

بطایکوس کہتے ہیں کہ: جان لو کہ: رسول آپ کے اصحاب اور ان تابعین سے منقول حدیث پر آٹھ طلل طاری ہوتی ہیں،

ہیں، یہ بات انہوں نے، الانصاف فی التبیان علی الاسباب اتی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی کوائفہم، میں کہی ہے یہ کتاب شیخ احمد طرطرحی ازہری کی تصحیح کے ساتھ مصر میں ۱۳۵۷ھ میں چھپ چکی ہے،
۲ بطایکوس کی کتاب سے چند طلیس لکھتے ہیں

- ① اسناد کا فاسد ہونا،
- ② حدیث بالمنہ نقل کرنا،
- ③ اعراب سے ناواقفیت،
- ④ قرات و املا میں غلطی،
- ⑤ حدیث سے ایسی چیز کو ساقط کرنا جسے بغیر معنی کی تکمیل نہ ہو سکے،
- ⑥ محدث کسی حدیث کو نقل کرے لیکن نقل سبب کو فراموش کر دے،
- ⑦ محدث حدیث کا بعض حصہ سنے اور بعض حصہ نہ سن سکے،
- ⑧ صحیف سے حدیث نقل کرے نہ کہ مشائخ سے۔۔

پہلی وجہ

وہ اسناد کا فاسد ہونا ہے، لوگوں کے نزدیک یہ مشہور ترین وجہ ہے یہاں تک کہ اکثر کو یہ توہم ہو گیا کہ اگر اسناد صحیح تو حدیث صحیح ہے جیسا کہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے روایت عدالت کے لحاظ سے مشہور اور امانت داری و دیانت میں معرووف ہوتے ہیں، مطعون بھی نہیں ہوتے، ان کی نقل میں مشک بھی نہیں کیا جاتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کی بیان کردہ احادیث پر مختلف قسم کے ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں، جس کا ارادہ بھی انہوں نے نہیں کیا ہوگا، اسناد پر چند طریقوں سے فساد طاری ہوتا ہے،

- ① مرسل ہونا متصل نہ ہونا،
- ② بعض راویوں کا بدعتی ہونا، کذب سے متہم ہونا، ثقہ نہ ہونا، لاپرواہی میں مشہور ہونا بعض صحابہ سے منحرف ہونا اور بعض سے تعصب رکھنا، اگر تعصب میں مشہور اور پھر اس کی فضیلت میں حدیث بیان کرے جس سے تعصب رکھتا ہے اور وہ حدیث اس کے علاوہ دوسرے طریقہ سے وارد نہ ہوئی ہو تو اس میں مشک کی گنجائش ہے اس لئے کہ جو شخص کسی سے تعصب

[illegible]

مذہب

‘‘...’’

حقیقت کے لئے اس کا اعلان کیا ہے، اور یہی حقیقت ہے کہ جو شخص اس کو سمجھتا ہے وہ اس کی طرف سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

وہی ہے جو کہ اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دے اور جس کی ہر چیز اللہ کے لئے ہو جائے۔

وہی کہتے ہیں کہ اگرچہ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، لیکن ان کے پاس ایک کتاب ہے جس میں ان کے پاس ہے۔

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

تھے، پھر بعد والے لوگوں نے ان ہی معانی کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا، یہاں وجہ ہے کہ آج ہمیں ایک حدیث ایک ہی متن میں نہیں ملتی بلکہ مختلف الفاظ اور مختلف لغات میں وارد ہوئی ہے، بعض کے الفاظ زیادہ ہیں حدیث کے الفاظ کا اختلاف کبھی رسولؐ کی کلمہ سے پیدا ہوتا ہے مثلاً آپؐ نے مختلف مجالس میں حدیث بیان کی ایسی حدیثوں سے ہماری بحث نہیں ہے،

ہماری بحث تو ان الفاظ کے اختلاف سے ہے جو باطنی نقل حدیث سے پیدا ہوا ہے اور اس الفاظ سے غلطی ہوئی ہے، رنگ و صورت اور امور و احوال کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں، اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک راوی نے رسولؐ یا کسی اور سے ایک حدیث سنی اور پھر اپنے تئیں اسے وہ معانی تصور کئے جو مراد نہیں تھے اور جب اپنے تصور کئے ہوئے معانی کو دوسرے الفاظ کے پیرائے میں ڈھالا تو جو سنا تھا اس کے خلاف بیان کیا یہاں وجہ ہے کہ ایک حدیث دو یا تین معانی کی حامل نظر آتی ہے، کبھی اس میں ایسا شکر لفظ ہوتا ہے کہ جو مفاد چہیزوں پر دلالت کرتا ہے، مثلاً رسول اللہؐ کا ارشاد ہے: "قَصُوا الشَّارِبَ وَالْعَطْرَ الْخَلِيَّ" ممکن ہے یہاں رسولؐ نے ایک معنی مراد لئے ہیں اور راوی نے اس کے برخلاف معنی سمجھیں ہوں، پس جب راوی سے ہوئے معنی بعینہ لفظ کے نہیں بیان کر گیا تو رسولؐ کے معنی کی ضد بیان کرے گا، اگر بعینہ لفظ بیان کر دیتا تو ممکن ہے آئے والا اس معنی و مفہم کو سمجھ جاتا جسے پہلا نہیں سمجھا تھا، رسولؐ جانتے تھے کہ میرے بعد کیا ہوگا اسی لئے اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا تھا، "نَعَزِ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مُقَاتِلِي فَوْحًا وَادَا حَا كَمَا سَمِعَ حَافِرٌ بَلِغٌ أَوْعَىٰ مِنْ سَامِعٍ"۔

خدا خوش رکھے اس شخص کو جو میری حدیث سے اور اسے محفوظ رکھے اور اسے ایسے ہی ادا کرے جیسے تم ہی کیونکہ بہت سے پہچانے والے سننے والے سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں،

تیسری وجہ

کلام عرب کے عرب و بنی اور مجاز سے ناواقفیت ہے حدیث کے بہت سے راوی وہ

لوگ ہیں جو کہ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، وہ نہیں جانتے کہ مرفوع کیا ہے، منصوب کسے کہتے ہیں اور مفعول کیا ہے، اپنی جان کی قسم اگر عرب ایک مٹی کیلئے ایک لفظ وضع کرتے جو اس کے مفہوم کو ادا کر دیتا اور دوسرے سے متلبس نہ ہوتا تو خود صرف کے علم کی تعلیم حاصل نہ کرنے کے بارے میں ان راویوں کے پاس حذر ہوتا اور انہیں مجمع غلط کی معرفت کی ضرورت پیش نہ آتی مگر عرب نے صرف حرکات و زبر زیر، پیش و کے ایک لفظ کے بہت سے معنی ایجاد کئے ہیں، کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ فاعل و مفعول کے درمیان اکثر رفع و نصب کا فرق ہوتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک محدث حدیث بیان کرتا ہے اور وہ اس کے فاعل کو رفع کے ساتھ، اور مفعول کو نصب کے ساتھ پیش کرتا ہے اور پھر اس سے اس حدیث کو سامع نقل کرتا ہے اور وہ نادانی میں اس کے برعکس منصوب کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کی صورت میں بیان کرتا ہے اسے نہیں معلوم کہ دونوں میں کیا فرق ہے، پس مٹی برعکس ہو گئے، پہلے محدث کا یہ مقصد نہیں تھا،

چوتھی وجہ

تصنیف ہے یہ بھی باب حدیث میں فساد کی جڑ ہے اکثر محدثین حرف کو یاد نہیں کرتے بلکہ پھر اسے زیر قید کے اپنے حلقہ پر اٹھا دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں چنانچہ جب محدث متذکرہ پہلے لکھی ہوئی چیز سے غافل ہو جاتا ہے اور پھر اسے اس نوشتہ کو پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے یا غیر ملے پڑھایا تھا تو اس وقت منصوب کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے جس سے معنی ہی الٹ جاتے ہیں اور کبھی وہ ایک حرف کے بجائے دوسرا لکھ جاتا ہے جس سے معنی مقصود کے برعکس معنی ہو جاتے ہیں اور ایسا اس نے جوتابہ کے عربی رسم الخط میں بہت زیادہ شہادت کبھی تو دو متضاد معنی میں صرف حرکت یا نقطہ کا فرق ہوتا ہے جیسے مکرم، ر کے کسرہ کے ساتھ فاعل ہے اور یہی لفظ، کے فتح کے ساتھ مفعول ہے ایسے ہی افرع، ف کے ساتھ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پورے سر پر بال ہوتے ہیں اور افرع، ق کے ساتھ، گنجے کو کہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ رسول افرع تھے، یعنی آپ کے پورے سر پر بال تھے، اور اس باب میں محدثین سے عجیب چمنہ نقل ہوئی ہے

مثلاً یزید بن ہارون سے روایت ہے کہ اس نے بیان کیا: ہم بسر بن معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، یہ قول بسر بن معاویہ ہے، ایسے ہی عبدالرزاق نے روایت کی ہے۔ "یقاً تلون خور کرمان جبکہ خوزہ زاع مجہ کے ساتھ" ہے،

ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں دارقطنی نے اپنی مشہور کتاب "نصیحت الحافظ" میں جمع کیا ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز تو وہ چیزیں ہیں جو "صبح" مسلم اور سند میں نقل ہوئی ہیں مثلاً: "نخن یوم اقیامت علی کذا"۔ اس کا کوئی مفہوم دینی نہیں ہے، ایسے ہی آپ اکثر نسخوں میں دیکھیں گے: "نخن یوم اقیامت علی کوم"۔ کوم کو مذکر کی جمع ہے جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں جسکو بعض غلط املاء لکھنے والوں نے نخن یوم اقیامت علی کذا، لکھ دیا ہے اور پڑھنے والے بھی نہ سمجھے کہ یہ کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ کتاب میں لکھا ہے اور حاشیہ کو متن میں شامل کر دیا ہے

پانچویں وجہ

حدیث سے کسی ایسی چیز کو حذف کرنے جسے بغیر حدیث کامل نہ ہو اس سے بھی حدیث میں بہت سی چیزیں داخل ہو گئی ہیں، جیسے ابن مسعود سے کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ ان سے یلیلہ ابن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ہم سے کسی نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، دوسرے طریق سے ان ہی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے افریقی میں سے ایک قوم کو دیکھا، کہتے ہیں یہ ایسے تھے جیسے یلیلہ ابن میں جنہوں کو دیکھا تھا یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ انہوں نے یلیلہ کا مشاہدہ کیا ہے اور پہلی حدیث سے یہ کچھ میں تامل ہے کہ مشاہدہ نہیں کیا ہے،

دو دہائی حدیثیں متعارض ہیں اور دونوں میں تعارض کا سبب وہ شخص ہے جس نے پہلی حدیث بیان کی اور اس سے بغیر کسی کا حذف کر دیا،

چھٹی حدیث

چھٹی وجہ یہ ہے کہ حدیث ایک حدیث نقل کرے اور اس نقل سبب سے چشم پوشی کرے، اس سے بھی حدیث میں اشکال پیدا ہوتا ہے یا دوسری حدیث کی معارض ہو جاتی ہے جیسا کہ کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پھر جانے والے عربیوں کے پاس آئے وہ اس وقت کھجوروں کے جوڑے لگا رہے تھے آپ نے ان کے ہاتھ پیر قلع کرنے، انکھیں پھوڑنے اور انھیں گڑھی میں چھوڑ دینے کا حکم دیا، انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہ پلایا، یہاں تک وہ موت کے گھاٹ اتار گئے جبکہ آپ سے مختلف طرق سے ایسی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں آپ نے شلہ کرنے سے منع کیا ہے، اس تعارض کے پیدا ہونے کا سبب وہ شخص ہے جس نے پہلی حدیث کو نقل کیا اور اس کے سبب کو نقل نہیں کیا کہ جسکی وجہ سے انہیں شلہ کیا گیا دوسرے راوی نے اس کو بیان کیا ہے کہ رسول نے ان کے ساتھ ایسا اسلے کیا تھا کہ انہوں نے اسکو شلہ کر دیا تھا لہذا ان کا شلہ کرنا جائز تھا کیونکہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا،

ساتویں وجہ

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حدیث کا بعض حصہ سے اور بعض نہ سن سکے جیسا کہ روایت کی گئی ہے کہ عائشہ کو خبر دی گئی کہ ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے کہ رسول نے فرمایا: بدنگونی تین چیزوں میں ہے، گھر، عورت اور سواری۔ یہ حدیث رسول کی اس حدیث کے معارض ہے نہ متعدی مرض ہے نہ بدنگونی ہے اور نہ کوئی دیوبند اور آپ کی اکثر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے بدنگونی لینے سے منع فرمایا ہے، اس پر عائشہ کو غیض آگیا اور کہنے لگی، خدا کی قسم یہ رسول نے ہرگز نہیں فرمایا ہے، آپ نے تو صرف یہ فرمایا

تھا: کہ جاہلیت والے کہتے ہیں کہ تین چیزیں میری ہیں، گھر، عورت، اور گھوڑا، اسی اثناء میں ابوہریرہؓ آئے اور حدیث سنی انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ نہیں سنا تھا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسولؐ اپنی مجلس میں اخبار و حکایت بیان فرماتے تھے اور ایسی باتیں بھی کہتے تھے جس سے امر نہی مراد نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اسے دین کی اصل بتاتے تھے اور یہ بات تو آپؐ کے فعل سے واضح اور قول سے مشہور ہے،

آنکھوں وجہ

شیوخ سے ملاقات کے دورانہ سے سنے بغیر حدیث کو کتابوں سے نقل کرنا یہ دین میں بہت بڑی طلب اور بڑا نقصان ہوا ہے، اس سلسلہ میں اکثر لوگ تسامح سے کام لیتے ہیں اور زیادہ تر شیخ کے اجازت ہی کو کافی سمجھتے ہیں اس کی حد میں حاضر ہونے اور ان سے لکھنے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں پھر ان کے علم کو ان مسودوں اور کتابوں سے حاصل کرتے ہیں کہ جبکہ صحیح اور غلط ہونے کو نہیں جانتے،

بسا اوقات ان کے شیخ کی روایت کے خلاف ہوتا ہے نوافل یا بدل دیتے ہیں اور پھر شیخ غلط ہوتے اسے اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں چنانچہ ہمارے زمانہ کے اکثر لوگوں کا علم اسباب ہی ہے، کتب کے اسماء کے علاوہ ان کے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں ہے،

یہاں تک ہم نے کتاب البطلیموس سے اس اختلاف کے متعلق نقل کیا ہے جو کہ روایت کی وجہ سے مسلمانوں میں رونما ہوا ہے اب ہم علامہ جزائری کی طرف پلٹتے ہیں جو کہ ہمارے منظر میں تاکہ ہم نقل بالمعنی حدیث کے ضرر کے بارے میں ان کے بقیہ کلام کو سنیں: جان لو کہ اکثر علماء نے بالمعنی حدیث نقل کرنے کے نقصان کو محسوس کیا ہے اور اپنے علوم کے اختلاف کے بارے میں اس کی شکایت کی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سے حدیث و فقہ کا بہت نقصان پہونچا ہے کیونکہ ان کی حیثیت بھی زیادہ ہے، بہت علماء اعلام کی طرف ایسے اقوال کی نسبت بھی دی گئی ہے جو کہ صحت سے بہت دور ہیں اور انہیں ان کے دشمنوں نے ان پر سن ملنے کا ذریعہ بنایا تھا، پھر بحث و تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا

متضابطہ ان کی نسبت ان کی طرف ان اقوال سے ہوئی جنہیں راویوں نے بالمنی نقل کیا کیسے ان کے اقوال کو صحیح طرح ادا نہ کر سکے ،

اسکے علاوہ نجم الدین احمد بن حمدان اعوانی حنبلی نے اس ضرر کو قلم بند کیا ہے جو کہ بالمنی روا کرتے سے وجود میں آیا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب صفت المحدثین کے آخر میں اس باب میں کہ جس میں مفتی کے عیوب بیان کئے ہیں لکھتے ہیں :

مفتی کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ منقول میں کس طرح تصرف ہوتا ہے اور کس طرح قائل کی بات کو سمجھا جاتا ہے تاکہ اس کی نقل مذہب والوں کیلئے صحیح ہو جائے اور اسلم یا ان لوگوں کی طرف اس کی حدیث کی نسبت صحیح ہو جائے جو امام سے منسوب کرتے ہیں ،

جان کو کہ نقلی تالیف میں میں الفاظ کو چھوڑ کر معانی نقل کرنے پر اکتفا کر لے یہ اسلئے ہوتا ہے کہ مکمل اول کے الفاظ سے ناقل کی مراد کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے ، اور پھر دیگر اسباب اس کی فرع بن جاتے ہیں ، کیونکہ یہ یقین ہے کہ پہلے مکمل کی مراد اس کے لفظ سے حاصل ہو گئی ہے یا کتاب کی مراد اس کی کتاب سے حاصل ہو جانے کا یقین جب کہ راوی تقدیر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ اضافہ ، تخصیص ، نسخ ، تقدیم و تاخیر ، اشتراک و تجوز ، تقدیر اور معارض عقلی متغی ہوں ،

روایت حدیث کے سلسلہ میں آنے والے بہترین کلمات نقل کر کے ہم اپنی کتاب کی اس فصل کو تمام کرتے ہیں ،

خطابی کہتے ہیں : لفظ کو اس سے زیادہ واضح و اظہر لفظ سے نہیں بدلا جاسکتا کیونکہ شاعر کہیں لفظ جلی سے اور کہیں لفظ خفی سے اور کہیں اس کے برعکس اپنا مقصد بیان کرتے تھے ،

ابن حزم کہتے ہیں : رسولؐ سے خبر کو ملحوظ نقل کیا جائے اس میں تغیر و تبدل نہیں کیا جاسکتا ہاں ایک صورت میں کیا جاسکتا ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ انسان نے اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کر لی ہو اور اسکے معنی کو یقینی طور پر سمجھ گیا ہو اگر اس سے سوال کیا جائے تو بخفی ہی کے فریہ فتویٰ دے سکتا ہے اور اس طرح جواب دے گا : رسولؐ اللہؐ نے حکم دیا ہے ، اور آنحضرتؐ نے اس کو مباح کیا ہے ، اس سے منع کیا ہے اسے

حکم قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں جو چیز واجب ہے رسولؐ سے صحیح طریقہ سے نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے: اور ایسا ہی حکم قرآن کے بارے میں بھی ہے دونوں قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے، ماننا عجیب و غریب سمجھا جاتا ہے، میں لفظ کے بغیر اس کا مفہوم بیان کر سکتا ہے، اس کے معنی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن جو شخص رسولؐ سے حدیث نقل کرتا ہے اور نبیؐ کی طرف قول کو منسوب کرتا ہے اور وہ کہتا کہ بات کو دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے تو اسے بعینہ الفاظ، جیسا کہ سنئے تھے، نقل کرنا چاہئے الفاظ میں رد و بدل جائز نہیں ہے اگرچہ دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں اور نہ حرف میں تقدیم و تاخیر کرنا جائز ہے اور یہی حکم اس شخص کے لئے ہے جو قرآن کی کسی آیت کی تلاوت کرنا چاہتا ہے یا اس کو پکھننا چاہتا ہے، اس بات پر دوسری دلیل یہ ہے کہ رسولؐ نے براہین عذاب کو ایک دھماکے کی طرح اس میں ایک لفظ "و نیک" "الذی ارسلت" تھا، جب براہ نے رسولؐ کو دعا سنائی تو انہوں نے بجائے نیک کے کہا، و برسوک الذی ارسلت، رسولؐ نے فرمایا: نہیں، و نیک الذی ارسلت ہے رسولؐ نے فرمایا: کہ لفظ نیک کی جگہ رسولؐ نہ رکھو، جبکہ اس معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، آنحضرتؐ میں کے رسولؐ ہیں، تو آپؐ چاہوں گے یہ کیسے جائز کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن مجید میں عزیر حکیم کی جگہ غفور رحیم یا سین و علیم رکھ دیں، آپؐ دعا میں بھی الفاظ کی تحریف کی اجازت نہیں دیتے جبکہ وہ قرآن نہیں پڑھتے خدا اپنے رسولؐ کے بارے میں فرما رہا ہے میں قرآن کو اپنے نفس و اختیار سے نہیں بدل سکتا جبکہ تبدیلی صرف اتنی تھی کہ ایک لفظ دوسرے کی جگہ پر رکھ دیا۔

تعب ہے ان لوگوں پر جو اس سلسلہ میں جھگڑتے ہیں کہ حدیث کبھی کبھار معنی بیان ہوئی ہے کیا انہوں نے مساجد سے جگہ کے خطبوں میں خطبات سے نہیں سنا ہے کہ خطبہ جمعہ میں بیان کرتے ہیں اور وہی چیز آج اصل حدیث بن گئی ہے،

مجھے جوامع الکلم کے ساتھ معبوث کیا گیا ہے،

ابن جریر عقیلیؒ رسولؐ کے اس قول ”بعثت جوامع الکلم“ کی شرح کرتے ہوئے فتح الباری میں رقم طراز ہیں: انبیاء میں سے کوئی نبیؐ نہیں ہے مگر یہ کہ اسے کچھ ایسی آیات عطا کی گئی ہوں کہ جس سے اس پر انسان ایمان لے آئے لیکن مجھے وحی سے نوازا گیا ہے، خدا نے مجھ پر وحی نازل کی ہے، امید ہے کہ دوز قیامت میرا اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے،

آپؐ کے قول کے یہ معنائیں اگر قرآن مجید سب سے بڑا مجزہ ہے، سب سے زیادہ فائدہ رسالہ دائمی قرآن میں دلوت و جنت ہے، دینی دنیا تک اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہے گا، کوئی شئی اس کے قریب نہیں ہے چہ جائے کہ اس کے برابر ہوگی اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا جب اس سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ پوچھ نظر آتی ہیں، بخاری کہتے ہیں کہ اس حدیث ”بعثت جوامع الکلم“ سے جوامع القرآن مراد ہے بے شک قرآن مجید بھی آپؐ کے اس قول ”بعثت جوامع الکلم“ میں داخل ہے لیکن نزاع اس میں ہے کہ اس حدیث میں قرآن کے علاوہ آپؐ کا دوسرا کلام بھی داخل ہے یا نہیں؟ علماء نے قرآن مجید سے جوامع الکلم کی مثالیں پیش کی ہیں مثلاً ”وَلِكُلِّ فِي الْقَصَاصِ حَيَاةٌ أَوْ أَوَّلَى الْأَبَابِ حُكْمٌ تَتَوَنُّ“ اور دوسرا قول ہے ”وَمَنْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ يَتَغَنَّيْهِ اللَّهُ وَيَقْتَدِرْهُ فَاوْلَاكُ هُمْ الْفَاكِرُونَ“

اسی طرح احادیث نبویؐ سے بھی جوامع الکلم کی مثال لائے ہیں، عائشہؓ سے مروی ہے: کل لیل لبس علیہ امرنا فہو ردّ، وحیث ”کل شرط لبس فی کتاب اللہ فہو باطل“

ایسے ہی مقدم کی نقل کردہ حدیث ”ما ملأ ابن آدم وعاء شراً من بطنہ“ تلاش کرنے سے ایسی بہت سی حدیثیں مل جائیں گی ان میں وہی حدیث سالم ہیں جسکے الفاظ میں روایت نے تصرف نہ کیا ہو اور ان احادیث کو پہچاننے کا طریقہ کہ جن میں روایت نے تصرف نہ کیا ہو، یہ ہے کہ

اسکے غماز کم ہوں اور اس کے الفاظ متفق ہوں ورنہ اگر حدیث کے غماز زیادہ ہوں گے اس کے الفاظ یکساں نہیں ہوں گے کیونکہ اکثر روایات اپنے اپنے اعتبار سے کافی کچھ حدیث کو مضامین بیان کرتے ہیں، مختصر یہ کہ روایات ایسا ہی کرتے تھے، وہ حدیث لکھتے نہیں تھے ایسے ہی طویل زمانہ گزر گیا معنی ذہن میں محفوظ رہے لفظ فرا موش ہو گئے لہذا وہ صحت تبلیغ کی بنا پر منہ حدیث بیان کرتے تھے پھر زیادہ حفظ کرنے والا ہوتا تھا وہ منہ حدیث بیان کرنے کو کافی نہیں سمجھتا تھا، تاکہ اس بات کا مزید یقین ہو جائے کہ آنحضرتؐ کی حیات میں حدیث نہ لکھنے سے بڑا نقصان ہوا ہے اور اس حدیث کے لفظ بدل گئے اس کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا اس فصل کے خاتمہ پر ہم اپنے مدعا کے اثبات پر ایک قطعی دلیل پیش کرتے ہیں اور اس دلیل کو ہم آنحضرتؐ کے جوتہ الوداع کے خطبہ کی روایت سے اخذ کرتے ہیں، یہ خطبہ آپؐ نے اپنی آخری حیات میں دیا تھا، اس میں آپؐ نے مبعوث بہ رسالت کے بعد ۱۲ سال و صیبتوں اور تعلیمات کو اجلی طور پر بیان کیا ہے، جس روز یہ خطبہ دیا تھا اس روز تمام صحابہ موجود تھے جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی اس بات کا یقین تھا کہ یہ جامع خطبہ اپنے عین الفاظ و معانی کے ساتھ ایسے ہی ملت اسلامیہ تک پہنچے گا جس طرح رسولؐ نے بیان کیا تھا اور صحابہ اسے حفظ کرنے میں انتہک حرص و سعی کریں گے اور اپنے بعد والوں تک من و عن ہونچا دیں گے، لیکن انہوں نے ان تمام باتوں کے باوجود اسے بھی تحریر نہ کیا اور نہ اس کے حفظ کرنے پر توجہ دی اور روایات کے لکھنے کے لیے چھوڑ دیا، اگر آپؐ اس خطبہ کے حدیث و سیرت کی بڑی کتابوں میں نقل ہونے والے ٹکڑوں کو دیکھیں اور پھر کا حقہ اس کی تحقیق اور جانبداری سے کام نہ لیں تو آپؐ کو متبائن الفاظ اور مختلف معنی اور ایسی غیر مرتب و پر اکندہ عبارتیں نظر آئیں گی جس سے آپؐ حیرت زدہ رہ جائیں گے،

معنا حدیث نقل کرنے کا ضرر

گزشتہ بیان اس سلسلہ میں تھا کہ معنا حدیث نقل کرنے سے دینی امور کو کتنا نقصان ہوا ہے لیکن بالعمی حدیث نقل کرنے سے لغت اور بلاغت کو نقصان پہنچا ہے اسے لیب اسلامی سید مصطفیٰ صادق واقعی نے نہایت مختصر عبارت میں اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں بلاغت نبوی سے بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے، رقم طراز ہیں: "نئی مکے الفاظ اس قلب سے دھل کر نکلتے تھے جو اپنے خالق کے جلال سے متصل ہے اور ان پر وہ زبان مبتذل کرتی ہے جس سے قرآن اپنے خالق کے ساتھ بیان ہوا ہے، لہذا یہ الفاظ وحی مگر چر وحی نہیں ہیں لیکن اسی قلب زبان سے صادر ہوتے ہیں جس سے وحی بیان ہوتی ہے،

قول فیصل جس میں جھول نہیں ہے، زوائد سے محفوظ ایک کلمہ سچی بے فائدہ نہیں ہے گویا وہ اس کے اختصار و افادیت میں دل کی دھڑکن ہے جو بول رہی ہے، وہ اپنی بلندی و خوبی میں رسول کی عظمت کا ظہر ہے۔۔۔ الخ۔ پھر بلاغت نبوت کے نسق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ہر روایت ہونے والی چیز اپنے الفاظ و عبارت کے ساتھ حدیث و کلام رسول نہیں ہے بلکہ ان احادیث میں سے ہے جو معنا نقل ہوئی ہیں تو اس کے الفاظ یا بعض حصہ اس شخص کا ہے کہ نقل میں جس طرف اس کی نسبت دی گئی ہے اور چونکہ مفار روایت کو جائز سمجھا گیا ہے اسلئے سیبویہ اور دونوں شہرولہ کو ذوق و بصیرت کے اندر نے نحو و لغت میں حدیث سے مثال نہیں پیش کی ہے بلکہ انہوں نے قرآن اور اس چہر پر اکتفا کیا ہے جو عرب سے صحیح طریقہ سے نقل ہوئی ہے اگر صدر اول میں تدوین کا ردواج ہوتا اور اس زمانہ کے لوگ رسول کے کلام و الفاظ کی تدوین کر سکتے تو اس زبان و لغت کی حالت ہی کچھ اور ہوتی،

علماء اسی کو اصل سمجھتے تھے کہ محدث حدیث کے معنی حفظ کر کے لیکن الفاظ وہاں معتبر ہوتے ہیں جہاں نص کے موافق ہوں بالخصوص آنحضرتؐ کی مختصر احادیث اور کلمات حکمت اور مثال میں معتبر ہیں لیکن جو نص سے مستفاد نہ ہوں اس میں راوی کی عبارت مل جاتی ہے اسی لئے سفیان ثوری نے کہا ہے: اگر میں یہ کہوں کہ میں تم سے ایسے ہی حدیث بیان کرتا ہوں جیسے رسولؐ سے سنی ہے تو تم میری بات کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ معنی حدیث ہے اس سلسلہ میں بحث طویل ہو گئی کیونکہ یہ باب اس کتاب کا اہم باب ہے،

حدیث میں اعراب کی غلطیاں

انہوں نے باطنی حدیث کی روایت کو اپنے لئے مباح سمجھ لیا تھا، ایسے ہی حدیث میں غلطی کرنے کو بھی جائز سمجھ لیا تھا، اور اس کی غلطی کی اصلاح میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حافظ ابن عبد البرؒ اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں لکھتے ہیں، ولید بن سلم نے کہا: میں نے آوزی سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے، حدیث کی غلطی کی اصلاح میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح میں نے آوزی سے سنا کہ انہوں نے کہا: حدیث پر اعراب لگاؤ اگرچہ قوم عرب تھی

جابر سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عامر بن شعیب و ابو جعفر بنی محمد بن علی اور ابوالقاسم بنی بن محمد اور ابن ابی رباح سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو حدیث بیان کرتے ہیں غلطی کرتا ہے کیا میں ایسے ہی حدیث بیان کر سکتا ہوں جیسے سنی ہے یا اس پر اعراب لگا کر؟ کہا نہیں بلکہ اعراب لگا کر،

[illegible]

سے ایسا اختیار کیا ہے کہ

۱۸۸۸

۱۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۲۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۳۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۴۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۵۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۶۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۷۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۸۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۹۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔
 ۱۰۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو دیکھا تو اسے فوراً
 اطلاع دے کہ وہ کون سا شخص ہے اور کون سا شخص
 اسے دیکھا ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم جسے حصص نے بتایا کہ اشعث کہتے تھے کہ حسن شیبی حدیث کی تقدیم و تاخیر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
 جابر ابن عبد اللہ بن جریف سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم عرب میں حدیث میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں۔

روایت حدیث میں یہاں تک کر ڈالنا ایک راوی حدیث میں اس چیز کا اضافہ کر دینا ہے جو دوسرے راوی کی روایت میں نہیں ہے اور سونے میں سہلو گریہ ہے کہ اس کیلئے الزیادہ من الحافظ مقبولہ کا قاعدہ بھی یاد کر لیا،

حدیث میں اختصار

انہیں حدیث میں اختصار کرنے اور اس کے بعض حصے کی روایت کرنے کی کس نے اجازت

دی ہے، سنن ترمذی میں مجاہد سے روایت ہے کہ ضرورت کے وقت حدیث میں کمی کر سکتے ہو

لیکن اضافہ نہیں

شرح نخبہ میں ابن حجر فرماتے ہیں، حدیث میں اختصار کو تو اکثر نے جائز قرار دیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اختصار کرنے

والا عالم ہو،

۱۔ جامع البیان العلم ج ۱ ص ۸۰،

۲۔ عیون الاخبار ج ۳ ص ۱۳۹،

۳۔ سنن ترمذی ص ۶۳، طبع ہند،

شخصِ مسلم میں نووی فرماتے ہیں: صحیح مسلک جہود اور اصحابِ حدیث میں سے تحقیق یہ ہے کہ انہوں نے عالم کیلئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ حدیث کے بعض حصّہ کی روایت کر سکتے ہیں، پھر کہتے ہیں لیکن ضعیف مصنفین جو ابواب میں حدیث کی تعلق کرتے ہیں وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے بلکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اسی پر حفاظ و محدثین اور علما نے عمل کیا ہے، جن لوگوں نے حدیث کے اختصار کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے ایک مسلم بھی ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے،
ابو نعیم کتاب المواعظ میں فرماتے ہیں ؎

احادیثِ نبوی اور اخبارِ مروی کے بارے میں جو بڑے خفیہ کرتے ہیں اس پر وہ ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں، کبھی احادیث کے الفاظ کم کر دیتے ہیں اور کبھی اس میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو احادیث ان کے ساتھی ابو حامد کی کتابوں میں تو اس کی ہتھات ہے، اس سے زیادہ قبیح بات تو یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں جبکہ وہ حدیث اس کے خلاف مد مقابل کی دلیل ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اسی سے جہت قائم کرتے ہیں جسے ضعیف سمجھے ہیں،

تساحل

ابن مہدی کہتے ہیں: جب ہم حلال و حرام اور احکام کے بارے میں رسولؐ سے روایت کرتے ہیں اسانید کی بہت چھان بین کرتے ہیں، رجال پر تنقید کرتے ہیں اور جب فضائل ثواب و عقاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں تساحل کرتے ہیں اور رجال میں تسامح کرتے ہیں بہت ہی نے مدخل میں بیان کیا ہے،

جن لوگوں نے روایت حدیث میں تساهل کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ وہ فضائل اعمال کے بارے میں ہو، ان میں سے احمد بن حنبل اور عبد اللہ ابن مبارک ہیں، حاکم کہتے ہیں میں نے ابو ذر یا عتبری سے سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں، جب حدیث حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کر رہی ہو اور نہ کسی حکم کی ترفیب و ترہیب کا سبب ہو تو اسکو آنکھیں بند کر کے بیان کیا جاسکتا ہے،

اس سلسلے میں احمد کا نظریہ دوسرے جواز مندہ بیان ہوگا،

ابن عبد البر کہتے ہیں: فضائل ولی احادیث میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، مزید کہتے ہیں فضائل ولی حدیث کی روایات میں پہلے ہی سے علامہ تساہلی سے کلام پتے رہے ہیں اور ان پر اس طرح تنقید نہیں کی ہے جیسا کہ احکام ولی احادیث پر کی ہے۔

رشید رضا نے، صاحب ادب الشرعیہ، ابن مفلح، کی تحریر پر جو حاشیہ لگایا ہے اس میں لکھا ہے کہ امام احمد سے جو نقل ہوا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، فضائل و تجاہد میں احمد بن حنبل ضعیف حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے، خدا احمد سے مدد فرماتے وسیع اعلم اور فہیم تھے! یہ بات کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے تھے اور روایت میں تساہل سے دن میں ملو کا امت کیلئے ایک سبب کھل گیا اور ایسی حرج اور عبادات کی بہتات ہو گئی ہے جو اسلام کے منافی ہیں یہاں تک سمجھنے نے تو اس میں شاعر بھی ایجاد کر لئے ہیں اور فرائض کی ادائیگی اور واجبات کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے لگے ہیں اور اس سے جو آثار مرتب ہوئے ہیں انہیں مصنف نے قبول اسرائیلیات والمناہات والغرافات میں ابن تیمیہ سے نقل کیلئے،

جے تک جو عبادات و فضائل یقین کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہیں وہی امت کیلئے کافی ہیں اے کاش امت میں اکثر لوگ ایسے ہوتے جو ان میں کوتاہی نہ کرتے،...

جو کچھ ان ائمہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ ضعیف احادیث نقل کرنے سے امت کو کتنا نقصان پہونچا ہے بلکہ ان سے بھی ضرر ہو رہا ہے جن پر فضائل میں عمل کیا ہے،

اسی وجہ سے قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے فرمایا ہے : مطلقاً ضعیف احادیث پر عمل جائز نہیں ہے۔

اسلامی صاحب قلم مسید مصطفیٰ صادق الراغبی پر روایت کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس موضوع پر ان کی بہترین کتاب "تاریخ آداب العرب" ہے۔

اسلام میں روایت

صحابہ رسولؐ سے علمی استفادہ کرتے تھے تاکہ دین کو سمجھ سکیں، آپؐ کی مجالس گویا الہین درگاہ تھی جس کو تاریخ عرب کے سلسلہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں اور رسولؐ اوسین سرچشمہ علم تھے، اور جب رسولؐ انتقال فرما گئے تو آپؐ کے بعد روایت کا علم شرمذیہ ہوا پھر روایت کے علاوہ استدلال و فصل کیلئے کوئی چارہ نہ تھا، ابوبکرؓ کی حدیث قبول نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ گواہی میں یہ ثابت کر دیتا کہ اس نے رسولؐ سے سنی تھی، وہ زمانہ رسولؐ سے قریب تھا، صحابہ کی کثرت تھی۔۔۔ بعد میں وہ ختم تو نہیں ہوا، پھر نقل میں غربیت چھان بین کرتے تھے کہ خود کو ایک جماعت نفاق میں پکڑی تھی، روایت کے سلسلے میں سختی کی ضرورت تھی، عمر، عثمان، عائشہ، اور بعض صحابہ حدیث میں غور و خوض کرتے تھے اور بعض آنے والی روایتوں کو جھٹلاتے تھے اور لانے والوں کو لوٹا دیتے تھے، پھر غرور کو یہ خوف ہوا کہ کہیں روایت کی کثرت نہ ہو جائے اور اس میں دوسری چیزیں داخل نہ ہو جائیں اور منافقین فاجر اور بادیشین اس کی کذب و تفسیر کو شامل نہ کر دیں لہذا انہوں نے حکم دیا کہ : حدیثیں کم بیان کی جائیں، چلو غرض کہ کتب میں بڑی سختی سے جو زیادہ روایت کرتا یا ایسی خبر لاتا کہ جس پر اس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا، اس نے کہ زیادہ روایت کرنے والا اگر صحیح حدیث بھی لاتا تو بھی وہ روایت میں تحریف اور کمی و

زیادتی سے محفوظ رہتا، صحابہ نے رسولؐ سے سنا تھا جو مجھ پر چھوٹا باندھے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اس جہت سے روایت کرنے سے ڈرتے اور بچتے تھے، بڑے صحابہ اور رسولؐ کے خاص افراد میں سے کچھ جیسے ابو بکر، زبیر، ابی عبیدہ اور عباس بن عبد المطلب بہت کم روایت کرتے تھے بلکہ بعض نے تو بالکل ہی حدیث بیان نہیں کی جیسے سعید بن زید جبکہ یہ بھی مشرور محدث سے ایک ہیں،

صحابہ میں سب سے زیادہ ابو ہریرہ حدیث بیان کرتے تھے جبکہ رسولؐ کے ساتھ تین سال سے زیادہ نہیں تھا۔ اور آپؐ کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہا، ہذا عمر عثمان اور عائشہ انہیں جھٹلاتی تھیں اسلام میں سب سے پہلے ابو ہریرہ ہی جھٹلائے گئے عائشہ تو ان کی بہت زیادہ تکذیب کرتی تھیں، کیونکہ دونوں کافی زمانہ تک زندہ رہے عائشہ نے ابو ہریرہ سے صرف ایک سال قبل وفات پائی۔ پھر عثمان کا زمانہ فتنہ و حیران کا زمانہ تھا، پھر خلافت کی بٹنیں تھیں، لوگ شک و حیرت اور رخ و غم میں مبتلا تھے، ان میں وہ بھی تھا جو نہایت زیادہ بچتا تھا اور زیادہ چھان بین کرتا تھا اکثر لوگوں کو اپنے کلم سے کلم تھا وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ تحقیق کریں اور روایت میں غلطی ہو تو اس کی اس پر قطعی دلیل و شہادت قائم ہے یا نہیں جو کچھ بھی حدیث میں غلطی ہوئی تھی وہ اسے قتل کر لیتے تھے وہ حدیث کے سہو و غفلت سے داخل ہونے والی بات کو تسلیم کر لیتے تھے، عمران بن حاضین صحابی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں چاہتا تو روایت کرتا، میں چاہتا تو بے ہوش دور و نزدیک رسولؐ سے حدیث نقل کرتا لیکن میں نے اس نے روایت نہیں کی، اصحاب میں سے بہت سے صحابہ نے ایسے ہی احادیث سنیں جیسے میں نے سنیں تھیں اور وہی شاذ و بے جا جو میں نے کیا تھا اور انہوں نے واقعہ کے خلاف بیان کی ہیں میں ڈرتا ہوں کہ ان کی طرح کہیں مجھ سے بھی شبہ و خطانہ ہو جائے میں تمہیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ وہ غلطی کرتے ہیں، لیکن جان بوجھ کر نہیں ۵

۲ در حقیقت ابو ہریرہ ایک سال نو ماہ رسولؐ کے ساتھ رہے ۳۰ خطبہ فرمائیں ہادی کتاب، شیخ المفید

۳ ابو ہریرہ ۵۵ھ میں انتقال کیا،

۴ عمران بن حاضین نے ۵۵ھ میں انتقال کیا، ۵ عمران بن حاضین کا یہ جملہ ۵۵ خطبہ فرمائیں،

اس زمانہ میں سربراہ آدرہ افراد باقی تھے، تاہم ہری پور میں لوگ ایک حالت پر تھے کہ خروج نے خروج کیا، لوگ جاعتوں اور برائید میں تقسیم ہو گئے اپنے اپنے گروہ بنائے ہر ایک نے حدیث کو صحت سمجھا حدیث کو مٹھنے لگے اور اسے جھوٹ سے تصف کرنے لگے، اس کے بعد تھوگو، زناد و اگلے لوگوں کے واقعات بیان کرنے والے ظاہر ہوئے ان ہی وجوہ سے مختلف زمانوں میں حدیث میں غلط ملط و فساد واقع ہوا، تھوگو قوم سرداروں کی طرف مائل تھی، اور اپنی جھوٹی و عجیب و غریب باتوں کو دہرایا کرتی تھی اور علوم کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر اس تھوگو کے پاس بیٹھتی ہے، کہ جس کی بات عجیب دائرہ عقل سے خارج ہو لوں کو تڑبانے اور آنکھوں کو دلانے والی ہوتی ہیں، اس فن کے ماہروں کے پاس جھوٹ کا پلندہ ادبے سرو پا حکایتوں کا ذخیرہ ہوتا ہے، زناد و اسلام کے خلاف سازش کرنے اور یونان و روم کی خرافات سے تشبیح و محال باتیں اور ہندو اور ایرانیوں کی داستانیں اس میں داخل کر کے اسے مغفود بنانے میں لگ گئے تاکہ اس سے الماسنت کو برا بنائیں کہ ان کی روایت میں غیر معقول چیزیں ہیں، گزشتہ امتوں کی باتیں بیان کرنے والوں کا مقصد زمانہ جاہلیت کے خرافات کو صحیح ثابت کرنا اور ان سے تفسیر میں مدد لینا تھا،

تدوین حدیث

اس طبقہ کے بعد جس میں جھوٹے کس صحابہ اور بڑے تابعین جیسے "ابن عباس" تھے حدیث سبھو نظر اندازی سے گزرتی رہی، اس میں شہادت و تاویلات داخل ہوتی رہیں، اور اکثر ثقہ افراد غیر ثقہ سے عربین عبد الحزیز کے زمانہ خلافت تک حدیث قبول کرتے رہے... اسے یہ خوف ہوا کہ لوگ تفریط کا شکار ہو جائیں گے اور جھوٹ بڑھ جائیگا، صحیح کا دم ہو جائے گا اور اسکے زمانہ میں ایسی چیزوں کی بہتات تھی کہ جن میں مصلحت کے بغیر جھوٹ پر نکتہ کیا جاتا اور اس کی تاویل کی جاتی تھی، ابن عباس

۱۔ میں اس کیفیت ہوئی اور سند میں لکھا،

کے غلام عکرمہ اور سعید بن مسیب کے غلام بُرد کی جھوٹی احادیث اس کے بھانک نتائج سے عموماً فکر لاحق ہوتی تو اس نے ابو بکر بن حزم کو مدینہ کا دالی و قاضی مقرر کیا اور کہا کہ رسولؐ کی جو حدیث نظر آئے اسے لکھ لو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں غلام کے ساتھ علم بھی ختم نہ ہو جائے، تدوین حدیث اور اس کی جمع آوری کے سلسلہ میں یہ پہلا قدم تھا اس سے پہلے حدیث کی تدوین

نہیں ہوئی تھی۔۔۔ ۱

اس بحث کو ہم علل روایت میں ایک علت بیان کر کے ختم کرتے ہیں،

علل روایت کی بڑی علت

رسولؐ سے حدیث روایت کرنے، جبکہ آپؐ نے حدیث لکھنے سے منع کیا تھا، کی بہت سی علتیں تھیں ایک یہ کہ سستے وقت اس کی روایت نہ کرے، اگلے روات منہا حدیث بیان کر پر مجبور ہوئے، دوسرے یہ کہ روات حدیث میں تدیس کرتے تھے ایک صحابی دوسرے صحابی سے رسولؐ کی حدیث اس شخص کے نام کے بغیر روایت کرتا تھا جس سے روایت کی گنجائش ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ ابن قتیبہ نے اس کا ذکر کیا ہے موصوف اپنی کتاب تاول مختلف الحدیث ۲ میں ابو ہریرہؓ کی ان روایات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو انہوں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھیں، ابو ہریرہؓ کہتے تھے رسولؐ نے ایسے فرمایا: اور یہ حدیث انہوں نے اپنے معتبر راوی سے حفظ کی تھی، ایسا ہی ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرتے تھے، ایسی حدیثوں کو رجال حدیث اپنے علم میں ”تدیس“ کہتے ہیں، حافظ ذہبی ابو ہریرہؓ کی تدریج لکھتے ہوئے کہتے ہیں، ابو ہریرہؓ حدیث میں تدیس

۱۔ جز اول تاریخ ادب العرب ص ۲۷۶ - ۲۸۱

۲۔ ص ۵۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۸ و ۴۳۹

کرتے تھے اور مذہب صحابہ بہت زیادہ ہے اور یہ کوئی بُری بات نہیں ہے،
 ابن عثیم کو ہم اس اور اپنی دوسری کتاب "ایضاح المفہوم" میں بیان کر چکے ہیں اور
 ان کے نقصانات بھی قلم بکچکے ہیں لیکن ایک اور بڑی علت ہے جس کا بڑے صحابی عمران بن حصین نے
 اپنے کلام میں قسم کھا کر انکشاف کیا ہے، یہ ہم پہلے نہیں بیان کر سکے، وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم اگر میں چاہتا
 تو پے درپے دو روز تک روایت کرتا اور رسولؐ سے حدیث نقل کرتا لیکن میں نے دیکھا کہ اصحاب رسولؐ
 میں سے بعض لوگوں نے وہی سنا تھا جو میں نے سنا تھا اور وہی دیکھا تھا جو میں نے دیکھا تھا مگر وہ کسی احادیث
 بیان کرتے ہیں جن کا حقیقت سے تعلق نہیں ہے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے بھی وہی غلطی ہو جائے
 جو ان سے ہوتی ہے میں نہیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ وہ غلطی کر رہے ہیں ایک روایت میں ہے کہ وہ خطا
 کر رہے ہیں، لیکن جان بوجھ کر نہیں،

ابن جوزی نے اپنی کتاب "شہۃ الشیخ" میں روایت کی ہے کہ زبیر بن عوام نے سنا کہ
 ایک شخص حدیث بیان کر رہا ہے، زبیر بھی غور سے سنتے رہے یہاں تک کہ اس نے حدیث ختم
 کی، زبیر نے اس سے کہا: کیا یہ حدیث تم نے خود رسولؐ سے سنی تھی؟ اس نے کہا ہاں: زبیر نے کہا:
 اس سے اور اس سے مشابہ چیزوں سے مجھے رسولؐ سے حدیث نقل کرنے سے منع کیا ہے، قسم اپنی جان کی میں
 نے یہ حدیث رسولؐ سے سنی تھی اور اس روز میں حاضر تھا اور رسولؐ نے اس حدیث کو بیان کرنا شروع کیا، ہم
 اسے ایک اہل کتاب کے توسط سے بیان کی تو اس روز تم ابتداء حدیث بیان ہو جانے کے بعد آئے اور اس
 اہل کتاب کا ذکر کیا تھا لیکن تم نے یہ سمجھا کہ یہ رسولؐ کی حدیث ہے،

بسر بن سعید کہتے ہیں اللہ سے ڈرو اور حدیث کا تحفظ کرو خدا کی قسم ہم نے ابو ہریرہؓ سے
 نشست و برخاست کے درمیان یہ دیکھا کہ وہ رسولؐ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ہمیں کعب کے ذریعہ
 سے حدیث سناتے ہیں پھر وہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہمارے بعض ساتھیوں نے سنا کہ وہ کعب سے حدیث

کی روایت کر رہے ہیں اور حدیث کعبہ کو رسولؐ کی حدیث بتا رہے ہیں۔
یہ تھی وہ باتیں جو عمران بن حصین، زہیر بن اعوام اور بسر بن سعید نے بیان کی ہیں عظیمہ مسلمان
پر واجب ہے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں،

عمران بن حصین صحابی خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ وہ درپے دور و زنگ رسولؐ سے
سے حدیثیں بیان کرتے لیکن اس سے باز رہتے ہیں اس لئے کہ اصحاب رسولؐ میں سے انہوں نے بعض لوگوں
کو ایسی حدیثیں بیان کرتے ہوئے دیکھا جو رسولؐ کی حدیث ہیں و غلطی "خطا" کے مرتکب ہوئے
ہیں بس جب مجھے صحابہ لا شعور طور پر ایسا کرتے ہیں تو ان کی کیا حالت ہوگی جو کہ جان بوجھ کر اسلام کے
مرتکب ہوتے ہیں اور منافقین و اعداء دین کا کیا حال ہوگا؟ خدا کی قسم روایت میں یہ ایک بڑے
آدمی نے کیا ہے اگر ایسا کرتے ہوئے لوگ دیکھیں تو اس کو کا فر قرار دیں،
زہیر ایک دوسری علت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ بعض لوگ حدیث کا ابتدائی
حصہ نہیں سنتے تھے اور مجلس سے نکل کر پوری حدیث بیان کرتے تھے،

پھر بسر بن سعد آتے ہیں وہ لوگوں سے کہتے ہیں: حدیث کے بارے میں اللہ سے ڈرو
اسلئے کہ بعض لوگ رسولؐ کی حدیث کو کعبہ کی طرف اور کعبہ کی حدیث کو رسولؐ کی طرف منسوب
کرتے ہیں اور وہ سب راہی دنیا تک کتابوں میں محفوظ رہیں گے اور قیامت تک خلف سلف
سے روایت کرتے رہیں گے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

تخلف حدیث کے بارے میں طویل بحث ہے جو آپ کو ہماری کتاب "شیخ المصنوعہ" میں
مل سکتی ہے، ملاحظہ فرمائیں،



وضع حدیث اور اس کے اسباب

پہلی صدی ہجری تک اور دوسری کا ابتدائی حصہ گنجانے کے بعد حدیث کی تدوین ہوئی اور اسکے الفاظ کو نوشتہ میں لایا گیا یہاں تک کہ ابواب وسیع ہو گئے اور غیر قید و شرط کے وضع کی نہیں بنیں اور یہاں تک کہ گروہی ہوئی احادیث کی تعداد وسیع ہزار ہو گئی اور ان میں سے اکثر کتابوں میں مرقوم نہیں اور مشرقی و مغربی مسلمانوں کے درمیان پھیل گئیں،

اختراع حدیث کا سرچشمہ

علم و محققین کا اتفاق ہے اختراع حدیث کا سلسلہ عثمان کے آخری مہد اور اس فتنہ میں شروع ہوا جس میں آپ کی حیات کا خاتمہ ہوا، حضرت علیؓ کی بیعت اس اختراع میں اور شدت پیدا ہو گئی، کیونکہ مسلمانوں نے آپ کی صحیح طریقہ سے بیعت نہیں کی تھی یہاں تک اموی شیطان کا رنگ نکل آیا اور حقدار سے خلافت کو غصب کرے اور اسے اموی حکومت بنادے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، افسوس! آپ کے سامنے استاد امام محمد عبدہ رحمۃ اللہ کا وہ دقیق اور پکا جملہ پیش کرتا ہوں جو کہ انہوں

نے رسالۃ التوحید کے مقدمات میں اس فتنہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے جس سے مکمل خلافت کا رکن عظیم منہدم ہو گیا تھا، اور اسلام و مسلمین کو عظیم صدمہ پہنچا اور وہ اس دہشت سے بہت گئے جس پر قائم تھے اور قرآن اپنی جگہ باقی رہا،

اس کے بعد اور حوادث رونما ہوئے بعض لوگوں نے چوتھے خلیفہ کی بیعت توڑ دی عام مسلمانوں کے درمیان جنگیں ہو گئیں جس سے بادشاہت مسویوں میں چلی گئی جماعت کی بنیاد ہل گئی، ان کے درمیان تفرقہ پھیل گیا خلافت کے بارے میں ان میں مختلف مذاہب بن گئے ان کی تائیدیں، پارٹیاں وجود میں آ گئیں، پھر ایک مد مقابل کی رائے پر اپنی رائے کو دل سے محکم بناتا تھا، روایت و تاویل میں اختراع کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ہر مبالغہ سے کام لیتا تھا نتیجہ میں لوگوں میں اختلاف پھیل گیا۔

جعلی حدیث

جعلی حدیث وہ ہے جو گڑھ کر رسولؐ کی طرف منسوب کر دی گئی ہو خواہ یہ عمل غفلت میں یا بامدعا ہو یا جان بوجھ کر کیا ہو،

حدیث گڑھ کر رسولؐ کی طرف منسوب کرنا، جیسا کہ ایک امام نے کہا ہے، دین اور مسلمانوں کے لئے مشرق و مغرب کے تہذیب سے برا خطرہ ہے اور یہ جو مسلمان گروہوں، فرقوں اور مذاہب میں تقسیم ہوتے ہیں یہ حدیث سازی کا دین میں ایک اثر ہے،

مرتضیٰ یامانی اپنی کتاب "ایثار الحق" میں تحریر فرماتے ہیں: اہل اسلام کے بدعت گزاروں کی سب سے بڑی بدعت کا سرچشمہ دو چیزیں ہیں کہ حکما باطل ہونا واضح ہے وہ یہ ہیں،

۱۔ سب سے پہلے مظلوم فدیر نے بیعت توڑی، اس پر اہل المومنین عائشہ نے ان کی مدد کی کیونکہ ان میں اور حضرت علیؓ میں دشمنی تھی اور طرد و ذریر عشرہ و عشرہ میں سے ہیں،

دین میں کمی وزیادتی کرنا اور دین میں اضافہ کی قسموں میں سے ایک اس پر جھوٹ باندھنا ہے،
نووی شرح مسلم میں قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں،
جھوٹوں کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ وہ جو حدیث رسولؐ میں جان بوجھ کر جھوٹ شامل کرتے ہیں، ان کی بھی قسمیں ہیں، بعض
ہیں جو رسولؐ کی طرف اس بات کو منسوب کرتے ہیں جو آپؐ نے نہیں کی تھی، جیسے زنا تو وغیرہ کہ
یہ لوگ خدا کیلئے کسی وفادار کے قائل نہیں ہیں یا لو اپنے زعم کی وجہ سے یا اپنا الگ دین بنانا ہے جو
لوگ فضائل میں احادیث گمراہتے ہیں جیسے فاسق حدیثین یا تعصب و اجتماع کی وجہ سے گمراہتے
ہیں جیسے بدعت گزاروں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین یا اہل دنیا کی خواہش پوری
کرنے کی وجہ سے گمراہتے ہیں یا اپنے تفوق کی خاطر ایسا کرتے ہیں،

ان میں سے بعض احادیث کا متن نہیں گمراہتے ہیں بلکہ ضعیف حدیث کے متن کیلئے صحیح
و مشہور سند تراشتے ہیں بعض ان میں سے اسانید کو الٹ پلٹ دیتے ہیں یا تو اس میں جان بوجھ کر اضافہ کر دیتے
ہیں یا اعراب کی ترمیم سے ایسا کرتے ہیں یا اپنے دامن سے جہالت کا دھبہ چھوانے کیلئے ایسا کرتے ہیں
ان میں سے بعض جھوٹ بولتے ہیں حدیث سے گاموئی کرتے ہیں جبکہ سنی نہیں تھی، ملاقات کا دعویٰ
کرتے ہیں جبکہ ملاقات کی نہیں تھی اور ان سے صحیح احادیث نقل کرتے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ
صحابہ برب کے حکام وغیرہ کے قول سے کہتے ہیں اور اسے رسولؐ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں،
نووی کے بیان کردہ اسباب کے علاوہ بھی حدیث سازی اور انہیں رسولؐ کی طرف منسوب
کرنے کے اور بہت سے اسباب ہیں جنہیں غلام نے بیان کیا ہے ہم یہاں ان میں سے اہم ملکہ کو بیان کرتے ہیں،
”یہ بہت ہی اہم ہے“ زنا تو جنہوں نے نفاق سے اسلام کا لباس پہن لیا تھا اور
دین میں فساد پیدا کرنے اور مسلمانوں میں تفرقہ پر داری کیلئے مسلمان ہوئے تھے،

حکام بن زید کہتے ہیں: زنادق نے چار ہزار حدیثیں گز مٹی میں چھپا دی ہیں یہ تعداد وہ ہیں جس تک موصوف کے علم کی رسائی ہوئی اور ان احادیث کا کذب واضح ہوا اور نہ محمد بن زید نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک ایک زندگی نے چار چار ہزار حدیثیں گز مٹی میں،

کہتے ہیں کہ جب ابن ابی العوجاء کو گرفتار کیا گیا تاکہ اس کی گردن ماری جائے تو اس وقت اسے بنایا کہ میں نے تم میں چار ہزار حدیثیں گز مٹی میں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

دوسرے مذاہب کی اصول و فروع میں مدد کیلئے حدیث گز مٹی گئی، کیونکہ جب مسلمان مذاہب و فرق میں تقسیم ہو گئے تو ہر مسلمان نے اپنے مذاہب کے اثبات کیلئے اپنی طاقت کے مطابق حدیث وضع کی خصوصاً اس وقت جب ان کے درمیان مناظرہ مجادلہ کا ہوا نہ کھل گیا تھا اور اس کا مقصد صرف اپنے مد مقابل کو خاموش کرنا اور اس پر ظفر باری ہونا تھا یہاں تک کہ ایک علم کا ایجاد کر لیا اور اس میں بہت سی کتابیں لکھیں، جبکہ ان کے دین نے اختلاف کو سب سے بڑا دشمن سمجھا ہے سے کچھ حاصل ہوا،

بعض محدثین نے کہ جنہوں نے وضع کے اسباب بیان کئے ہیں تحریر کیا ہے: ایک بدعت گزار نے توبہ کی تو کہنے لگا دیکھو یہ حدیث کس سے لے رہے ہو کیونکہ جب ہم کوئی بلند چیز دیکھتے تھے تو اسے حدیث بنا دیتے تھے،

پھر حدیث سازی صرف بدعت گزاروں میں مذاہب کی نصرت اور اہل مذاہب کے اصول ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اہل سنت میں بھی فروع میں اختلاف ہے انہوں نے بھی اپنے مذاہب و امام کی تعظیم کیلئے بہت سی حدیثیں گز مٹی میں،

آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں اور وہ یہ، میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے محمد بن ادریس کہا جائے گا، میری امت کیلئے مائیس سے زیادہ ضرر رساں ہوگا اور میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے ابو حنیفہ کہا جائیگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں دو حدیث گڑھے والے ہیں ایک مامون بن احمد اسلمی دوسرے احمد بن عبد اللہ الخولباری،

خطیب نے مرفوع طریقہ سے ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور صرف وہ چنبر بیان کی ہے جو حنیفہ سے متعلق تھی کہتے ہیں: یہ گمراہی ہوئی ہے اسے محمد بن سعید المروزی البورقانی نے وضع کی ہے، پھر کہتے ہیں: ایسے ہی اس نے خراسان کے شہر دلم میں بیان کیا اور پھر عراق میں بیان کیا اور اس میں یہ اضافہ کر دیا: عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے محمد بن ادریس کہا جائیگا اس کا فتنہ میری امت کیلئے ابلیس کے فتنے سے زیادہ مضر ہوگا۔

کہتے ہیں یہ بہتان ہے اس کا باطل ہونا محتاج بیان نہیں ہے اس کے باوجود معتبر فقہاء اپنی فقہ کی کتابوں میں مذکورہ حدیث کا وہ ٹکڑا نقل کرتے ہیں جس میں ابو حنیفہ کو سر اج الامت ملکا گیا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کوڑے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان کا امام تمام ائمہ سے عظیم ہے اس کے ساتھ وہ امت کے امام ہیں دین میں ان کے اقوال لئے جاتے ہیں انہوں نے ان کے لئے کتبہ خلاء اور سنت رسول ﷺ چھوڑ دی ہے کیونکہ یہ دونوں ان کے کہنے کے مطابق مجتہدین سے مخصوص ہیں،

شرح مسلم میں ابو العباس قرطبی لکھتے ہیں: بعض اہل رائے فقہانے اجازت دی ہے کہ اس حکم کو وسطیٰ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کہ جس پر قیاس علی دلائل کتابا جو چنانچہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں رسول نے یہ فرمایا ہے: لہذا ہم ان کی کتابوں کو ایسی احادیث سے مملو پاتے ہیں کہ جن کے متون خود گوہری دیتے ہیں گمراہی سے ہوئے ہیں، کیوں کہ وہ فقہاء کے فتاویٰ سے مشابہ ہے، یہ سید المرسلین کے کلام کا نقصان کو نہیں پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ اسکے لئے کوئی سد نہیں پیش کر سکتے ہیں، ابو شامہ اپنی کتاب المومل میں رقم طراز ہیں،

۱۔ اس پر شافعی مذہب والے اپنے امام کے بارے میں حدیث گروہیہ پر مجبور ہوئے تاکہ ہر امام پر ان کو فضیلت دیں لہذا وضع کی: رسول نے فرمایا: قریش کی تعظیم کرو کہ ان کے عالم نے زمین کو ظلم سے بھر دیا ہے، امام ملک کے چاہنے والوں نے بھی اپنے امام کیلئے حدیث گروہیہ میں روایت کی، لوگ مشرق سے غرب تک چلے جائیں تو بھی وہ اہل مدینہ کے امام سے ہر امام نہیں پاسکیں گے اور ای فہم کی دوسری حدیث ابوہریرہ سے منقول ہے لاحظہ فرمائیں کتاب الانتقام مولف عبد البرہ

شیوخ فقیہ، احادیث نبویہ اور آثار مرویہ میں جو ضعیف احادیث کے ذریعہ اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اور کبھی احادیث کے الفاظ کم کئے ہیں اور کبھی اس میں اضافہ کیا ہے اور یہ چیز ابو المعالی اور ان کے دوست ابو حامد کی کتابوں میں سب سے زیادہ ملتی ہے،

② تیسرے اس کے حفظ کرنے سے غافل رہنا اور زہد و جلالت میں مشغول رہنا عابد و صوفی لوگوں کے ہاں میں حسن ظن رکھتے اور جس کو حرام غیبت سمجھتے تھے لہذا ان میں جھوٹ رواج پا گیا اور لا شعوریا طور پر وہ بدعت کے ترک بھو گئے تو پھر ضروری ہے کہ ایسی احادیث پر اعتماد نہ کیا جائے جن سے نصیحت اور تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کہاں سے لی گئی ہیں اور ان کی کیا حیثیت ہے اور یہ چیز انھیں کتابوں سے مخصوص نہیں ہے کہ جسکے مؤلف کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے جیسے زہدۃ المجالس، جھوٹی حدیث وغیرہ سے ملوے بلکہ اندازہ کار کی کتب جیسے غزالی احیاء العلوم بھی گڑھی ہوئی احادیث سے خالی نہیں ہیں،

③ بادشاہوں اور امراء سے تقرب حاصل کرنے کیلئے حدیث گڑھی گئی جیسا کہ بہت سے حفاظ نے بیان کیا ہے اسی طرح برے علماء نے امر اور کو خوش کرنے کے لئے رسول پر جھوٹ بانڈھا ہے، ان ہی کا خاطر فقہ کے احکام و فروع میں جھوٹ سے کام لیا ہے، اس باب میں وہ گڑھی ہوئی احادیث بھی ہیں، جو بادشاہوں اور سلاطین کی مدح اور تنظیم پر مشتمل ہیں بالکل ایسے ہی جیسا کہ آج جاہل لوگ بادشاہوں کی چاپلوسی کرتے ہیں ایسے ہی پہلے دن بھی کرتے تھے،

④ خطا و نسیان ایک گروہ سے ہوا ہے ان میں سے وہ بھلا ہے کہ جس پر راہ صواب ظاہر ہو گئی تھی لیکن اس راہ سے میں خوف کی وجہ سے نہ ہٹے کہ ان کی طرف غلطی کی نسبت دی جائے گی اور انھیں دینا نہیں سمجھا جائے گا اور حدیث بیان کرنے میں انھیں غلط نہیں سمجھا جائیگا،

⑤ جس شخص کے پاس کتب تھیں وہ حافظ پر اعتماد نہیں کرتا تھا کتب پر بھروسہ کرتا تھا اور جب کتابیں ضائع ہو گئیں تو وہ اپنے حافظ سے حدیث بیان کرنے لگا جس سے غلطی واقع ہوئی۔
⑥ اور آخر میں عقل کا کام نہ کرنا، ثقات کی ایک جماعت کے ساتھ یہی پیش آیا تو وہ معذور

ہو گئے لہذا عقل و کمال کے زمانہ میں بیان ہونے والی ادھر بڑھاپے اور عقل کے محفل ہونے کے زمانہ کی حدیثوں میں تمیز کئے بغیر ان کی طرف منسوب کرنا،

⑧ مناظرہ میں مد مقابل پر غلبہ کیلئے خصوصاً حاجب وہ سربراہ اور وہ لوگوں میں سے ہو یہ مندرجہ کی مدد کی وضع کے علاوہ ہے، اسی جوڑی کہتے ہیں: اسباب وضع حدیث میں سے وہ بھیجے تو کہ مجموعوں میں مناظرہ کے وقت اس شخص سے ظاہر ہوا کہ جس کا کوئی دین نہیں ہے وہ اپنی بات کو حکم بنانے اور مجاہدہ منظم کرنے کیلئے خواہش نفس کے مطابق استدلال کرتا تھا اور اپنے مقابل پر غالب آتا تھا غالب آنے کی محبت اور جاہلی

⑨ لوگوں کو خوش کرنے کی دیرمیان اپنی بات کو مقبول بنانے اور انہیں اپنی وعظ کی مجالس میں جذب کرنے اور اپنے حاشیہ فیصلوں کی تلافی بڑھانے کی وجہ سے حدیثیں قصہ گو افراد سے متصل ہو گئے ہیں شاید ابن جوزی نے مختلف موضوعات پر وعظ کی زوال پذیری اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کے دین کی تباہی سے خبردار ہونے کے بعد ظلم اٹھایا ہے، خود اپنے بارے میں کہتے ہیں میرے وعظ کی مجالس میں جو احادیث برخلاف ہوتی تھیں اور میں انہیں رد کرتا تھا تو تمام قصہ گو میرے دشمن ہو جاتے تھے۔

قصص اور قصہ گو

سلفی نے فضل بن زیاد کے ذریعہ روایت کی ہے انہوں نے کہا: میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا، میں لوگوں کے سوال اور قصہ گو کی تکذیب کرتا ہوں، ابو قلاب سے مروی ہے کہ اس نے کہا: قصہ گو افراد نے ظلم نابوکہ دیا ہے، عقیل نے حاتم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو عبد الرحمن کہتے تھے: قصہ گو لوگوں

سے بچو !

معاویہ نے قصہ گو بنائے

زبیر بن بکارت نے اخبارِ مدینہ میں اہل علم میں سے نافع و غیرو سے روایت کی ہے کہ رسولؐ کے عہدِ اہر زمانہ ہو کر ڈھریں قصہ گوئی کا رواج نہیں تھا، یہ بدعت ہے جسکو فتح کے زمانہ میں معاویہ نے ایجاد کیا تھا۔

ابن ابی ثیبہ نے اسی روایات ابن عمر سے نقل کی ہیں، عمر نے قصہ گوئی سے منع کیا تھا،

① لوگوں کی ہدایت کیلئے مٹوانے میں شدت اختیار کرنا اور زیادہ ترغیب و تاناہے شاید من و دینا قسموں کو وضع کرنے والوں کیلئے علم کے اس قبل نے کلم آسان کو بیا ہے کہ اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور ایسے ہی ان چیزوں پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے جو کہ احکام و حقوق سے متعلق نہ ہوں گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ دین ناقص ہے اسے کامل و تمام کرنے کی ضرورت ہے جبکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**۔ وہ تمام باتیں جنہیں لوگ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں وہ دین میں اضافہ ہے، اے کاش یہ زیادتی صرف اعمال میں ہوتی لیکن یہ زیادتی عقائد میں بھی ہے، جیسے یہ اعتقاد کہ صالحین میں سے بعض مہجانبے والے حاجت روائی میں خدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں، یا وہ صالحین خود ان حاجتوں کو پورا کرتے ہیں کیونکہ اسباب کے علاوہ غیبی طاقت حاصل ہے یا ان کی وجہ سے خدا حاجت روائی کرتا ہے تو اس سلسلہ میں خدا کا ارادہ ان کے ارادے کا تابع ہے جیسا کہ ان کا یہ قول مشہور ہو گیا ہے کہ خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جب وہ ارادہ کرتے ہیں تو خدا ارادہ کرتا ہے ایسی ہی اور باتیں بھی ہیں، اور جب آپ ان سے یہ کہیں گے کہ خدا نے اس کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ کے سامنے ایسی مثال پیش کریں گے جس سے خدا پاک ہے جیسے خدا کو بادشاہوں اور ان افراد سے تشبیہ دیتے ہیں جن کا وہ شخص تقرب و صمیمیت ہے جو کہ بے شک کسی کیلئے خدا کا ارادہ نہیں بدلتا ہے کیونکہ ارادہ کی تخصیص و ترجیح اس تعلیمِ علم کی بنا پر ہوتی ہے کہ جس میں تغیر و تبدل نہیں ہے،

① اچھے کلام کیلئے اسانید وضع کرنا تاکہ وہ حدیث بن جائے اسے ظلمانے مستقل سبب قرار دیا ہے
 ② اپنے کو اس شخص کے سامنے عالم ظاہر کرنا تو اس سے کلام کرنا ہے، جب حدیث سے بحث ہوتی ہے تو کہتا ہے: کس کے دین میں نرمی اور عظمیٰ کھوٹ ہے، اس حدیث کو فلاں نے نقل کیا ہے اور فلاں نے اسے صحیح قرار دیا ہے اس کی سند ان کتابوں میں ہے جہاں اب ایسا ان باتوں سے متعصب یہ ہوتا ہے تاکہ مدعا بال پر جملے کر میں وہ جانتا ہوں کہ جسکو دوسرے نہیں جانتے ہیں یا حدیث کیلئے نئی سند ایجاد کرتا ہے،

یہ سب نے ابن جوزی سے حکایت کی ہے کہ جو لوگ اپنی حدیث میں وضع جھوٹ اور الٹ بٹ کے مرکب ہوتے ہیں ان کی چند قسمیں ہیں ایک وہ عیادت پر زہد سوار ہو گیا اور وہ حفظ سے غافل ہو گئے یا ان کی کتاب میں ضائع ہو گئیں اور انہوں نے اپنے حافظے سے حدیث بیانی شروع کر دی جس سے غلطی ہوئی کچھ ثقہ ہیں لیکن آخری عمر میں ان کی عقلیں بے کار ہو گئیں تھیں ان ہی میں سے وہ بچے کہ حسن نے سہو غلط روایت کی اور لیکن جب اسے صحیح روایت معلوم ہو گئی اور اس کا یقین ہو گیا تو اس خوف سے اس کی تصحیح نہ کی کہ لوگ اس کی طرف غلطی کی نسبت دیں گے ان میں سے کچھ زنادقہ ہیں کہ جنہوں نے شریعت کو فاسد کرنے، شک ڈالنے اور دین سے کھیلنے کیلئے احادیث وضع کیں، بعض زنادقہ شیخ کو غافل کو دیتے اور اس کی کتاب میں وہ چیز شامل کر دیتے جو اس کی حدیث نہ ہوتی ان میں سے وہ بھی ہے کہ حسن نے اپنے مذہب کی خاطر حدیث وضع کی ان میں سے وہ بھی جس نے ترغیب و مال کے لالچ میں حدیث گڑھی وہ بچے کہ حسن نے اچھے کلام کیلئے اسانید سازی کی اجازت دی، وہ بھی ہے جس نے اس سے بادشاہوں کا تقرب بڑھوندا،

اس سلسلہ میں بحث طویل ہو گئی لہذا اسی پر اکتفا کی جاتی ہے،

حدیث وضع کرنے والے بہت ہیں ان کی تعداد معین نہیں کی جاسکتی، کہتے ہیں کہ ان میں سے چار مدینہ میں ابن ابی یحییٰ، بغداد میں واقدی، خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید بہت مشہور تھے۔

سلاطین اور امراء کے قریب کیلئے جو حدیث گزشتہ جاتی تھیں ان میں سے ایک مثال شیخ کثرہ بن ابی
رشید کو کہتے ہیں کہ بڑا بڑا ہیبت پسند تھا کسی نے تحفہ میں بکھڑا دیا اس وقت اس کے پاس
ابو بختری قاضی موجود تھا اس نے کہا: ابو سیرہ نے نبی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: لا سبق
الانی خف او حافر او جناح۔ اسی جناح کا لفظ بڑھا دیا اس لفظ کو رشید کی خاطر بڑھا یا تو اس نے
قاضی کو بتہین انعام دیا، جب وہاں سے اٹھ کر قاضی چلے گئے تو رشید نے کہا: خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ یہ کذاب ہے
اور کہتے کو زب کر کے کا حکم دیدیا کہی نے کہا: کہتے کی کیا خطا ہے؟ کہا اس کی وجہ سے رسول پر جھوٹ باندھا گیا
ہے،

سیاست کیلئے حدیث سازی

اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے حدیث سازی کے اس پہلو سے پردہ اٹھانا ضروری ہے کہ
حیات اسلامیہ میں جس کا بڑا اثر ہے اور یہ اثر فرسودہ خیالات، سرکش مقلوں اور متعصب نفوس پر آج
تک چھایا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سیاست کا دخل ہے اس نے اس سلسلے میں بہت بڑا کردار ادا
کیا ہے،

یہ سیاسی حدیث سازی کی لہر وسیلاب معاویہ کے زمانہ میں اپنے اوج پر پہنچ گیا تھا،
یہاں تک کہ انہوں نے معاویہ کے دار الحکومت شام کو اتنا عظیم بنادیا تھا کہ مدینہ رسول صلو
بلو الحرام کہ جہاں آپ پیدا ہوئے تھے اسکی بھی اتنی عظمت نہ تھی اور اس سلسلے نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ

۱۔ ابو بختری بخاری عبد اللہ کے بعد مدینہ نبیؐ کا قاضی تھا پھر ابو حنیفہ کے دوست ابو یوسف کے بعد بغداد کا
قاضی بنادیا گیا تھا خلافت مامون کے زمانہ میں مسلمہ جبری میں انتقال ہوا، تفسیر
قرطبی ج ۱ ص ۶۹،

خاص کر اس موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کی گئی تھیں،
چونکہ اس موضوع کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اسلئے ہم نے ”اس انتخاب میں“
اختصار کو مد نظر رکھا ہے بلکہ مختصر شواہد اور علامت ہی کی طرف اشارہ کریں گے،
اس وضع حدیث کی چند مثالیں،

چونکہ بکریہ کی وضع کی ہوئی حدیث کو ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے وہ ہر روز
ملا کر ایک دوسرے کو بشارت دے رہے تھے کہہ رہے تھے، کیا تم صدیق کو رسولؐ کے پاس عرش پر
نہیں دیکھ رہے ہو؟ خطیب نے ابن عباسؓ سے اور انہوں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس
جبرائیلؑ آئے جبکہ ان کے اوپر چٹائی تھی درآئی ایک وہ ظلال کر رہے تھے میں نے دریافت کیا اے جبرائیلؑ
ہے؟ کہنے لگے خداوند عالم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آسمان پر اسی طرح ظلال کرو جس طرح زمین پر ابوہریرہؓ
ظلال کر رہے ہیں،

ابوہریرہؓ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میں کسی
آسمان سے سنیں گزرا انگوڑاں میں نے اپنا اوطافنے غلیظہ کا نام پایا،
ایسے ہی ابوہریرہؓ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ملائکہ غنمان سے ایسے ہی شرم
کھاتے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ شرم کھاتے ہیں،

ایک حدیث میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تمام عورتوں پر عائشہؓ کو ایسے ہی فضیلت حاصل
ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جبرائیلؑ کے توسط سے حریر کے بارچہ پر عائشہؓ
کی تصویر رسولؐ کے پاس بھیجی گئی اور کہا گیا: یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں،
حدیث ہے کہ: اپنا نصف دین تم لوگ عائشہؓ سے حاصل کرو،
اور روایت میں ہے اپنے دین کا حصہ ان ہی سے حاصل کرو،...

یہ بہت طویل باب ہے اور تمام چیزوں کو اس میں نہیں سمویا جاسکتا جو اس سلسلہ

میں وارد ہوئی ہیں،

معاویہ اور شام

معاویہ، اور شام جہاں اس نے اور اس کے قارب نے عرصہ دراز تک حکومت کی ہے، ان دونوں کی فضیلت میں جو حدیثیں وضع کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے،

معاویہ، جس کا شہر ہے، اور اس کا باپ فتح مکہ کے رذا اسلام لائے، تو بجز وہ طلاق میں سے ہے، اسی طرح وہ وفدِ انقلاب میں سے ہے جو کاپنے اسلام کی اجرت لیتے تھے، اسلام میں معاویہ نے خلافتِ راشدہ کے کئی دستوں کو منہدم کیا تھا جو آج تک ظالم نہیں ہو سکا ہے، و شق امکی ملکیت تھا آپ کے سامنے وہ حدیثیں پیش کر رہا ہوں جو لوگوں نے اس کی فضیلت میں گزری ہیں،

نومذہب نے روایت کی ہے کہ بنی ثنی نے معاویہ سے فرمایا: اے اللہ سے ہادی بنا دے، دوسری حدیث میں ہے کہ: اے اللہ اسے سب سے بڑا کتاب سکھادے اور عذاب سے محفوظ رکھ اس حدیث میں اس جملہ کا اضافہ بھی ہوا ہے کہ اور اسے جنت میں داخل کر،

معاویہ کے فضائل میں تنہی بھی حدیثیں آئی ہیں ان کی کوئی حقیقت و اصل نہیں ہے کیونکہ بکھاری کے شیخ اور بڑے معلم اسحاق بن راہویہ نے کہا ہے، معاویہ کے فضائل میں کوئی چیز بھی معتبر نہیں ہے،

بخاری نے باب فضائل اصحابِ النبی میں بیان کیا ہے، لکھتے ہیں: باب ذکر معاویہؓ اور اس باب میں وہ احادیث ذکر کریں گی ہیں جو کبریا کی طرف مرفوع ہوں بلکہ معاویہ کی توصیف میں ابن عباس کے دو قول نقل کئے ہیں، پہلے میں کہا ہے: وہ رسول کے ساتھ تھا دوسرے میں کہا: وہ فقیہ تھا،

۱۔ حافظ ابن حجر اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں "تنبیہ" بخاری نے اس ترجمہ میں ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے نہ فضیلت کہا ہے اور نہ منقبت،

شام

کہتے ہیں کہ وہ حشر و نشر کی جگہ ہے اور ابدال کی سرزمین ہے حضرت عیسیٰ اس سرزمین پر نازل ہوا
گئے اس سلسلے میں جو حدیث بیان ہوئی وہ آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں،

احمد ابو داؤد لغوی اور طبرانی وغیرہ نہایت کہتے ہیں کہ تمہارے لئے شام کو اختیار کرنا ضروری
ہے کیونکہ اپنی زمین سے خلافت سے اختیار کیا ہے اور مل کیلئے نیک بندوں کو منتخب کر لیا ہے نیک خطائے
شام اور وہاں کے باشندوں پر اتفاق کیا ہے،

دوسری حدیث میں ہے: شام اللہ کے شہر ہیں اس کا برگزیدہ شہر ہے اس کیلئے اپنے
برگزیدہ بندوں میں سے منتخب کرتا ہے پس جو شخص شام چھو کر دوسری جگہ جاتا ہے اس سے خلافت اراض ہوتا ہے اور جو
دوسری جگہ سے وہاں آتا ہے اس پر مہربان ہوتا ہے،

یہ سنی نے دلائل میں مرفوعاً ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ خلافت مدینہ میں ہوگی اور بلاشبہ
شام میں ہوگی، کعب الاحبار سے مروی ہے، اہل شام اللہ کی تلخ دلیاں سے تلوار ہیں، جن کے دیوہ
نافرانوں سے انتقام لیتا ہے،

اور ایک حدیث ہے: عنقریب تمہیں شام پر فتح مل جائے گی جب تم وہاں ٹھکانے مضبوط
کر چکو تو پھر اس شہر میں جانا ضروری ہے جسے دمشق کہتے ہیں وہ امویوں کا گڑھ ہے، جنگوں کے دوران
مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا اور اس کے خیمے اس زمین پر تھے جسے غوطہ کہتے ہیں،
انہوں نے دمشق کو وہ ٹیلہ قرار دیا ہے جس کا قرآن میں ذکر ہوا ہے "وآوینا حالانہ ذرۃ ذلت"

۱۔ دمشق کی فضیلت کے بارے میں جو حدیثیں نقل ہوئی ہیں انہیں ابو داؤد نے المعجم دار سے نقل کیا ہے کہ دوسرے نے فرمایا: غوطہ
شہرہ سے جنگ کے روز مسلمانوں کی خیمہ گاہ اس شہر کی طرف ہوگی جسے دمشق کہتے ہیں یہ شام کے تمام شہروں سے اچھا ہے،

قرارد میں، یہ مرفوع حدیث میں بیان ہوا ہے، البتہ پرہنے اپنی مرفوع حدیث میں دمشق کو جنت کے شہروں میں سے ایک بتایا ہے کہتے ہیں: چار شہر جنت کے شہروں میں سے ہیں مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور دمشق، لیکن قسطنطنیہ، طبرہ، انطاکیہ، اور صنعاء جہنم میں ہیں،

جہاں اس حدیث میں قسطنطنیہ کو آگ کا شہر بتایا گیا ہے وہیں اس کی فضیلت میں حدیث بھی نقل کی ہے یہ اس وقت ہوا کہ جب اس کو فتح کرنے کے لئے وہ لوگوں کا طمع نظر بن گیا، قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا اور اس کا امیر ستہرین امیر ہے اور وہ لشکر ستہرین لشکر ہے شاید یہ حدیث زید بن معاویہ کے بارے میں وضع کی گئی ہے کیونکہ قسطنطنیہ میں وہ امیر لشکر تھا،

ہم شلم کی فضیلت میں بیان ہونے والی تمام چیزوں کو بیان نہیں کریں گے کیونکہ اس کلام کے لئے کتابیں درکار ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصراط المستقیم میں تحریر کیا ہے،

دوسری طرف مصنفین نے بیت المقدس اور شلم کے دوسرے علاقوں کے فضائل میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں وہ چیزیں قلم بند کی ہیں جو کہ اہل کتاب سے منقول ہیں یا اس سے نقل کی ہیں کہ جس نے ان سے نقل کی ہیں، مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں پر اپنے دین کی بنیادیں قائم کریں اور جن لوگوں نے وہ اسرائیلیات نقل کئے ہیں ان کی ایک مثال کعب الاحبار ہے اور ثمالیہوں نے ان میں سے بہت سے اسرائیلیات نقل کئے ہیں،

قریہ ابدال کی اصل

شام کے چار شہروں کو انہوں نے فضیلت سے مخصوص کیا اور معن کے باشندوں کے جو کچھ توصیف کی وہ کہ پھر ان میں سے ابدال بنادیا، یہ عقیدہ اسلام کے تباہ کرنے والے عوامل ہے ایک تھا جس کو صوفیوں نے اپنی طریقت کیلئے اصل بنایا تھا اور پھر اس پر اپنے اوحام و خرافات کی عمارت تعمیر کی،

واقعدی نے روایت کی ہے جب معاویہ لہام سے صلح کے بعد لہام سے عراق سے شام

لونا تو اس نے خطبہ دیا اور کہا: لگو! رسول کا ارشاد ہے: میرے بعد تم عقریب خلیفہ بنو گے تو اس وقت تم مقدس سرزمین کو اختیار کرنا ہے ملک وہاں ابدال میں، میں نے تمہیں خبر دیدی ہے تو تم اب تو رب تعالیٰ ابن ابی طالبؐ پر لعنت کرو، اگلے روز اس نے ایک خط لکھا پھر لوگوں کو جمع کیا اور اس کو پڑھا، مرقوم تھا: یہ خط ہے جسے امیر المؤمنین معاویہ صاحب حق خدا کرہم نے محمد کو مبعوث ہر رات کیا جبکہ وہ جاتی تھے نہ کسی سے لکھا نہ کیا تھا نہ پڑھا نہ پھر اس وقت وہ ان و محمدؐ کیلئے ان کے اہل میں سے وزیر و امین کا انتخاب کیا، محمدؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اور اس سے لکھا تھا جبکہ وہ نہیں جاتے تھے کہ میں کیا لکھتا ہوں میرے اور اللہ کے درمیان اس کی خلق میں سے کوئی نہیں پتا تھا حاضرین نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا یا معاویہؓ تم کو ابدال کی سرزمین نہیں کہہ سکتا تھا مگر یہ کہ ان ابدال سے مرفوع احادیث ظاہر ہوئیں وہ حدیثیں ملاحظہ فرمائیں ۷

- ① اس صامت میں تیس آدمی ابدال میں ان کے قلوب خلیل خدا ابراہیم کے قلب میں جب کوئی کن میں سے مرتابے تو خدا اس کی جگہ دوسرے آدمی کو ابدال بنا دیتا ہے "عبادہ بن صامت سے"
- ② میری صمت میں تیس ابدال میں ان کے وجود سے زمین ٹھہری ہوئی ہے ان کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بارش ہوتی ہے "عبادہ سے"
- ③ ابدال اہل شام میں ہیں ان کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ رزق دیا جاتا ہے و عوف بن مالک سے "

- ④ ابدال شام میں ہیں اور وہ چائیں آدمی ہیں جب ان میں سے کوئی مرتابے تو خدا اس کی جگہ دوسرے آدمی کو ابدال بنا دیتا ہے ان ہی کی وجہ سے اہل بارش برساتے ہیں ان کے سبب دشمنوں پر کامیابی ملتی ہے اور ان کے تصدق میں اہل شام سے عذاب ٹلتا ہے "علی سے"

۷ معاویہؓ کتاب وحی نہ تھا نہ اس نے اپنے قلم سے قرآن کا کوئی لفظ لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں رسائل جاذبہ ترمیم
۸ ان احادیث کو سیوطی نے جامع الصغیر میں نقل کیا ہے،

⑤ چالیس مرد ابدال میں اور چالیس عورتیں، جب کوئی مرد مر جاتا ہے تو اسے اس کی جگہ دوسرے مرد کو ابدال بنا دیتا ہے اور جب کوئی عورت مرتی ہے تو اسے کسی عورت کو اس کی جگہ ابدال بنا دیتا ہے۔ انس بن مالک سے۔

⑥ ابدال ہوالی میں سے ہیں۔ اس کے راوی عطاء بن ابی رباح۔

ان احادیث کے بارے میں فقیہ محدث سید شہید رضا نے سوال اٹھایا ہے سوال کرنے والے نے کہا: ان کے شام سے متعلق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور ابدال کی وجہ سے اہل شام سے عذاب ٹلنا ہے ان کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کے قصص انھیں رزق ملتا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا اہل شام ہی کو رزق دیا جاتا ہے ان ہی کی مدد کی جاتی ہے ان ہی سے عذاب پٹایا جاتا ہے اور دوسرے اہل زمین سے نہیں؟!

سید نے اس کا اظہار ذرا جانہ جواب دیا ہم یہاں اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ مروجہ اس طرح اس کا جواب شروع کیا ہے، یہ احادیث روایت وورایت ائمہ متن وشفہ کے لحاظ سے باطل ہیں، متصوفین کی وجہ سے امت میں رائج ہوئی ہیں ان حافظ ابن جوزی موصوفہ میں بیان کیا ہے اور ایک کے بعد دوسرے پر طعن کیا ہے ابدال ولی احادیث میں صوفی شیعہ اور باطنیہ اور ہر ٹیلیات کے روایت مشترک ہیں،

ہمارے حکیم و محقق ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں تصوف اور اہل تصوف کے علم و عمل کا حال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

پھر متاخرین میں سے صوفی متکلمین کشف اور ماہولے ص میں بہت اچھے نکل گئے چنانچہ

۱۔ مجلہ المذبح ص ۱۷ تا ۱۸،

۲۔ شیخوں نے پیشہ حریف مازکی کی مذمت کی ہے اور بطور خاص اس بات کی مکمل طور پر نفی کی ہے کہ وہ ابدال ولی اللہ کا وضع میں شریک تھے کیونکہ ان میں ابدال نہیں ہیں اور نہ انھیں پہچانتے ہیں،

بہت سے حلوں و دھندلے کے قائل ہو گئے اس سے کتابیں بھریں جیسے ہر دی و غیرہ ہیں اور ابن عربی و ابن سبین اور ان دونوں کے شاگرد ابن عقیف نے ان کا اتباع کیا،

فریقین ہیں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کے مذہب کو اختیار کیا، ان کا کلام غلط ہو گیا ان کے عقائد میں مشابہت ہو گئی صوفیوں کے کلام میں قطب کا لفظ ابھرا اس کے معنی عافین کے راس و رئیس کے ہیں، صوفیوں کا خیال ہے کہ ممکن نہیں ہے اس کی موت تک کوئی معرفت خدا میں اس کے مساوی ہو سکے پھر اہل عرفان میں سے کوئی اس کے مقام کی میراث پائے گا قطب کے بعد ابدال کی ترتیب وجود کے قائل ہوئے ہیں، جیسا کہ عقائد کے بارے میں شیعوں کا نظریہ ہے یہاں تک کہ جب وہ کسی کو تصوف کا خرقہ پہناتے ہیں تاکہ اسے اپنے طریقہ کی اہل بنائیں تو اسے حضرت علیؓ تک پہنچاتے ہیں، ورنہ صحابہ کے درمیان حضرت علیؓ کا کوئی الگ طریقہ اور طہرہ لباس و حال نہیں تھا بلکہ رسولؐ کے بعد ابو بکر و عمرؓ سے بڑے مابعد و زائد تھے دین میں ان میں سے کوئی بھی کسی چیز سے مخصوص نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ دین و دنیا اور مجاہد میں اسوہ تھے پھر بہت سے فقہاء و اہل فتویٰ نے ان متاخرین کی باتوں کی تردید کی ہے اور طریقت کے بارے میں جو بھی انہوں نے ایجاد کیا اس کی نفی کی ہے،

لیکن اہل حدیث نے صرف ان احادیث کی سند کے بارے میں بحث کی ہے حافظ ابن جوزی نے کہا اگر گڑھی ہوئی ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان کا اتباع کیا، یہی ابن حجر کے تلامذہ میں سے بخاری یعنی سیوطی نے کہا ہے،

کہتے ہیں ابدال والی حدیث کے کچھ طرق میں اور مختلف الفاظ میں ہے لیکن سب ہی ضعیف ہیں یہ قول ابن حجر کے کلام سے زیادہ صحیح ہے اس میں سے کچھ صحیح ہے اور کچھ صحیح نہیں ہے، اور جب سید رشیدؒ ان احادیث کو جھٹلادیا — تو پھر...

ملا علی قاری نے موضوعات میں ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ابدال کے ہر
میں ہم ان میں قوی ترین قول حضرت علی کا پایا ہے کہ شام میں ابدال ہوں گے، یہ ابن عدیمہ کے اس قول کے
موافق ہے جو کہ انہوں نے اپنے رسالہ میں اہل صفہ اور صوفیوں کے بارے میں روایت کے لحاظ سے بیان کیا ہے،
لیکن شیخ الاسلام نے درایت کے لحاظ سے بیان کیا ہے تو وہ غایت الغایات ہے ان کے بعض جملے ہم یہاں
نقل کرتے ہیں۔

فصل ۴۔ لیکن وہ اس امر جو کہ بہت سے عابدوں اور عام لوگوں کی زبان پر جاری ہیں
جیسے غوث جو کہ مکہ میں ہوتا ہے چار اوقات اسات قطاب چالیس ابدال اور تین سو بجاہر ان اسلم کا
کتاب خدا میں کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ ہی رسولؐ سے صحیح و ضعیف روایات کے ذریعہ نقل ہوئے ہیں ہاں
نقطہ ابدال شامی کے بارے میں حضرت علیؑ سے نقل ہونے والی متعلق الاسناد حدیث میں وارد ہو چکا ہے اس
حدیث کو مرفوعاً غائبی سے نقل کیا ہے ارشاد ہے: کہ ان میں یعنی اہل شام میں چالیس مرد ابدال ہیں جب بھی
ان میں سے کوئی مرد مرتا ہے تو خدا اس کا جگہ دوسرے آدمی کا ابدال بنا دیتا ہے، یہ الفاظ سلف کے کلام میں
بھی نہیں ملتے ہیں...

پھر بیان کرتے ہیں کہ نقطہ غوث اور غیاث کا متعلق خدا کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے اس کے
بعید شیخ الاسلام نے اوداد و قطب کے بارے میں مقول اور سنت کے مطابق بحث کی ہے، پھر ابدال کی کثر
نوٹ آئے ہیں کہتے ہیں، لیکن رہی مرفوع حدیث تو یہ رسولؐ کا کلام نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ شام
کے فتح ہونے سے قبل حجاز دین میں ایمان تھا اور شام طراق اس وقت کفر کا گڑھ تھے پھر غوث
علیؑ کے زمانہ میں رسولؐ کا یہ ارشاد ثابت ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ خیر سے نکل جائے گا وہ اس
سے وہ گروہ جنگ کرے گا جو اہل باطن ہوگا حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب اولیٰ بالحق تھے اور
انہوں نے اہل شام سے جنگ کی ہے،

پھر سید رشید کہتے ہیں: وہ حدیث جو حضرت علیؑ سے مروی ہے اس کے وارد ہونے کا
سبب یہ ہے آپ کے بعض اصحاب اہل شام پر سنت کرتے تھے تو آپ نے انہیں مطلق طور پر سب پر

سبب و شتم کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ان میں ابدال ہیں یعنی اللہ تعالیٰ معاویہ کے انصار کو تبدیل کو دنیا ہے اور وہ اس کے مددگار نہیں رہتے ہیں، ان ہی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن بنی امیہ کے مقرب رفا نے اس میں اضافہ کر دیا پھر صفیوں میں اسے اور بڑھادیا اور اسے مرفوع حدیث بنا دیا جیسا کہ انہوں نے دوسرے مشہور شہرہوں کی صحیح و درست کی حدیثیں وضع کی تھیں،

ابن مساکن نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابدال نس ہیں، نیز کہا: ابدال شام میں ہیں اور بخبار کو خم میں ہیں پھر یہ لوگ ابدال بخبار نقباء اور اخبار کے بارے میں ان اقوال کو اور زیادہ بیان کرنے لگے، لفظ ابدال ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے لیکن جس چیز کا صفیوں نے دعویٰ کیا وہ دوسری اور تیسری صدی کے لوگ اس سے نہیں سمجھتے تھے امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: اہل حدیث ہی ابدال ہیں،

لیکن روایات میں یہ جو بیان ہوا کہ خدا ابدال کے ذریعہ اہل شام کی مدد کرے اور ان کو رزق دیتا ہے تو اس کا متن کمزور اور اس کی وضع کی دلیلیں، مدد کیلئے خدا نے کچھ اسباب بنائے ہیں جن میں اس کی کتاب اور اس کی مخلوق میں جاری سنت سے سمجھا جاسکتا ہے اور افضل الامم، افضل الرسل کی قیادت میں جنگ احد میں بعض اسباب سے تہی دست ہو گئی توفیق کے بعد شکست اٹھا نا پڑی اور شکرین ان پر غالب آگئے جب مسلمان اس صوف کال سے آگاہ نہ ہو سکے تو اللہ نے اپنے رسول پر آیت نازل کی اور آپ سے سب بیان کیا فرمایا: "اولما اصابکم مصیبت قد اجتہم مثلھا قلتم اتیٰ ہذا؟ قل ہوں عند انفسکم..." اور ان ہی اجتماعی اسباب میں سے وہ چیز بھی جو خدا نے بیان کی ہے "ان تنصر اللہ فیہ کم اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو تمہاری مدد کرے گا اور خدا کا یہ قول "ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم اگر تم روحی اور مادی اسباب میں سے خدا کا یہ قول بھی ہے "اولقیم فتۃ فاشتتوا و اذکر واللہ کثیراً"

اور پھر جب ۱۱ھ میں اہل شام مصیبت میں مبتلا تھے، نان و جو کو محتاج تھے اور فرانسوی فوج ان کے شہروں کو بر باد کر رہی تھی انہیں سے بہت سے بھوک سے مر رہے تھے، بدن پر کپڑے ہی نہیں تھے تو اس وقت وہ ابدال اور ان کے اسرار کہاں تھے؟ ۱۹۰

موصوف نے اپنے کلام کو اس بات پر ختم کیا،
 ان روایات نے ملت اسلامیہ کے منافع اور فائدہ کو ناسد کر دیا اور صوفی و اہل طریق جو کہ ان سے
 شک کے ہیں وہ مسلمانوں کی نسل کیلئے آزمائش ہی گئے اور صوفی علوم کے حامل اور دانشوروں کو اس سے متحرک
 رہے یہاں چنانچہ دانشور اسلام کو بھی دوسرے ادیان کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور اسے خرافات و اہم پرستی کہتے
 کہتے ہیں، ایسے ہی صوفی ترقی پسند اقوام کے سامنے مسلمانوں کیلئے حل ہیں، ان کی جہالت اور ان کے دین
 و اخلاق کی تباہی کی اتہایہ ہے، وہ افریقہ میں ٹیونس سے راکش کے سمندر زاروں تک فرانس کے مددگار
 بن گئے ہیں اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے دین قرآن سے سمجھیں، نہ ان روایات سے جو کہ جس کتاب خدا
 اور اس کے رسول کی سنت سے روکتی ہیں جن میں تاویل کا بھی احتمال نہیں اور نہ اس کا کوئی ثمرہ کھلائی ہے،
 اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان گمراہوں، ان کے مددگاروں اور ان کی پوجی جانے والی قبروں کی تائید
 کرنے والوں کو پیروں کے نیچے روند دیں کیونکہ حامد کا اعتقاد ہے کہ رزق اور دنیا کی کامیابی ان قبروں
 کے مدفون ہی سے طلب کی جاسکتی ہے ان خرافات کے سبب ہماری امت تمام امتوں کی غلام بن
 گئی ہے امت کے علم تک آج تک اس بات کے معتقد ہیں کہ زمینیں اور غیب کے لوگ امت کے رزق
 اور اس سے بلاؤں کو دور کرنے کا سبب ہیں۔

حکومت بنی عباس

جب معاویہ اور شام کی فضیلت میں نہیں بیان ہوئیں بنی عباس کی حکومت نے بھی بنی ہاشم
 کے ذوال کے بعد خود احادیث کے ذریعہ حکم بنایا ان میں سے بعض یہ ہیں،
 نزاری نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول نے عباس سے فرمایا: تم میں نبوت و
 بلائیت ہے،

ایسے ہی حافظ ابو نعیم نے دلائل میں اور ابی ہدی نے کامل میں روایت کی ہے اور ابی ہدی

کی روایت ہے کہ: تم ہی میں نبوت ہے اور تم ہی میں مملکت ہے،
ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے عباس کیلئے دعا کی اور اس میں
فرمایا: اور خلافت کو ان کی نسل میں باقی رکھ،

طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا خلافت میرے چچا اور میرے والد کے بھائی
کے بیٹوں میں رہے گی یہاں تک کہ وہ خلافت مسیح کے سپرد کر دیں گے،

وضیح حدیث کا سلسلہ سناج حکم جاری رہا، احمد نے ابوسعید خدری سے روایت کی
ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: فتنوں کے ظہور اور آخری زمانہ میں میرے اہل بیت میں سے ایک شخص نکلا جس کا نام فلاح
ہوگا چو کوئی عباس کی حکومت کے سلسلہ میں گھٹکھو ہو ہی ہے اس لئے ہم یہاں وہ چیز بچھڑ کر رہے ہیں جو کہ
سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں متوکل سے نقل کی ہے، کہتے ہیں اس نے سنت کی طرف اپنے
مائل ہونے اور اہل حدیث کی مدد کرنے کا اظہار کیا اور محمد بن کو سامرا میں بلایا انھیں عطا ہوا سے نوازا
ان کا اکرام کیا اور انھیں صفات و رویت کے بارے میں حدیث بیان کرنے کا حکم دیا، متوکل کے حق
نظری نے بہت دعائیں کیں اور اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا:
خلفائے بنی ابوبکر صدیق اہل ہرہ کے قتل میں، عمر بن عبدالعزیز رد مظالم میں زور متوکل نے احیاء
سنت میں،

یہ ہے حکومت بنی عباس کہ جن کیلئے یہ تمام حدیثیں روایت کی گئی ہیں اس کے آثار میں سے
یہ ہے جیسا کہ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے، اسلام میں تفرقہ پرزگیا عرب کا نام دیوان سے مٹ گیا اور
حکومت عاجی پھر ترک ہوا بعض ہو گئے اور ان کی برسی حکومت بن گئی اور ممالک مختلف قسموں میں تقسیم
ہو گئے،



ترکوں کی مذمت

ترکوں کا ذکر چیز گیا ہے تو سنئے جب منقسم ترکوں کو زیادہ جگہ دینے لگا تو ان سے نفد ابھر گیا پھر وہ لوگوں پر ظلم کرنے لگے اور انہیں ستانے لگے تو بنو داؤد والوں کو ان کا آنا بہت ناگوار ہوا کیونکہ وہ سحر و جھڑپیں ان کیلئے برے تھے اس پر محمد بنی نے ترکوں کی مذمت میں احادیث بیان کیں اور ان کا سلسلہ رسول تک پہنچایا، ان احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ ترک سب سے پہلے میری امت کی ملکیت چھینیں گے

ابن عباس سے روایت ہے کہ بادشاہت "یا خلافت" کو میرے بیٹوں میں رہنا چاہیے یہاں تک کہ ان پر سنگدل اور جنگجو، کرخست چہرے والے غالب آجائیں۔
ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ چوڑے چہرے والے اور چھوٹی آنکھوں والے اور چپٹی ناک والے آجائیں اور وہ اپنے گھوڑے دجلہ کے کنارے باندھ دیں اور احمد نے اپنی مسند میں ابو ہریرہ سے اس طرح روایت کی ہے،
رسول کا ارشاد ہے: قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ تم چھوٹی آنکھوں والوں سے رخ پڑو والوں اور چپٹی ناک والوں سے جنگ کرو گے، ان کے چہرے تھوڑوں کی ڈھال ہیں،
اس سے پہلے آپ قسطنطین کے بار میں احادیث ملاحظہ کر چکے ہیں، اگر اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو سیوطی کی تاریخ اظفاء کا مطالعہ فرمائیں،

حدیث ساری کا اجازہ

حدیث گزرنے والے ایسی دیلوں کے بغیر اپنے ظلم کا دعویٰ نہیں کرنا چاہتے تھے کہ جو ان کی

گردھی ہوئی چیز کو جائز قرار دیں، طحاوی نے اپنی کتاب، مشکل، میں ابو ہریرہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جب تمہارے سامنے میری ایسی حدیث بیان کی جائے جسے تم جانتے ہو تو اس کا انکار کرو اس کی تصدیق کرو، خواہ میں نے وہ بیان کیا ہو یا نہ میں وہی کہتا ہوں معروف و مشہور نہیں مگر نہیں اور جب تمہارے سامنے کوئی حدیث بیان کی جائے جس میں منکر کا حکم ہو معروف نہیں تو اس کی تکذیب کرو کیونکہ میں اسی بات نہیں کہتا ہوں جو اچھائی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے،

اس حدیث کے مشابہ ایک اور حدیث ہے جیسا حدیث نقل کیلئے، رسول کا ارشاد ہے: جب تم میری کوئی حدیث سناؤ! جسے تمہارے دل قبول کرتے ہو اور اس کیلئے نعم ہوں اور یہ دیکھو کہ وہ تم سے قریب ہے تو میں اس کا تم سے زیادہ خدار ہوں اور اگر تمہارے سامنے کوئی حدیث ایسی بیان کی جائے جس کا تمہارے غلبہ ہو اور تمہاری عقل و شعور اسے قبول نہ کرے اور اسے اپنے سے بعید سمجھو تو میں تم سے زیادہ اس سے دور ہوں، سید رشید کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے،

خالد بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سعید شافعی سے سنا وہ کہہ رہے تھے: جب کلام اچھا ہو تو اسے میں اس کی سند بنالینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

حلیہ میں ابن مہدی، ابو یوسف سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے خوارج کے ایک شیخ سے اس وقت سنا جب وہ بکرہ چکا تھا وہ کہہ رہا تھا: یہ احادیث تمہارا دین ہے غور کرو کس سے لے رہے ہو کیونکہ ہم جس چیز کی طرف مائل ہوتے تھے اس کیلئے ایک حدیث گڑھ لیتے تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: خدا کی قسم یہ رسل کے ذریعہ احتجاج کرنے والوں کی کمر توڑنے والی ہے کیونکہ خوارج کی بدعتیں سرشتِ اسلام و صحابہ میں بہت زیادہ تھیں اور جب وہ کسی چیز کو اچھا سمجھتے تھے اس کیلئے ایک حدیث گڑھ لیتے تھے اور پھر اس کا خوب پروپیگنڈا کرتے تھے اکثر آدمی کوئی چیز سن لیتا تھا اور پھر حسن ظن کی بنا پر اس کا نام بیان کئے بغیر کہ جس سے سی تھی اسے بیان کرتا تھا،

اس سے دوسرا ایسا تھا پھر منقطع حدیث سے احتجاج کرنے والے کے ہاتھ لگ جاتی تھی وہ اس سے محبت قائم کرتا تھا اور اس کی اصل بیان نہیں کی جاتی تھی،

صالح حدیث گڑھنے والے

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ رسولؐ کی طرف جعلی حدیثوں کو منسوب کرنے والے صرف دشمنانِ دین اور موس پرست ہی نہیں تھا بلکہ مسلمانوں میں سے صالح لوگ بھی حدیث کو ہلکے رسولؐ کی طرف منسوب کرتے تھے اور یہ کلام وہ بزمِ خودنی بیل اللہ انہم دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے یہ ہیت اچھا کلام انجام دیا ہے اور جب انہ کوئی یہ پوچھتا تھا کہ کیسے رسولؐ پر جھوٹ باندھا ہے تو وہ کہتے: ہم نے رسولؐ کے فائدہ کے لئے جھوٹ بولا ہے ان کے ضرر کیلئے نہیں اور پھر جھوٹ تو وہ ہے جو جان بوجھ کر باندھا جائے، مسلم نے اپنی کتاب میں بھی بن سعید القطان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے صالحین کو کئی چیزیں اتنا جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا وہ حدیث میں بولتے تھے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کئی چیز کے بارے میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا یعنی وہ جیسا کہ مسلم کہتے ہیں جھوٹ بولتے تھے،

مسلم نے ابو زناد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے مدینہ میں سو معتدوا میں اشخاص دیکھے جن سے حدیث نہیں لی جاتی تھی،

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: جاہلوں کی ایک جماعت نے دھوکا کھایا انہوں نے ترضیب و تحریف کیلئے حدیثیں گڑھیں اور کہنے لگے: ہم نے آنحضرتؐ پر جھوٹ نہیں باندھا ہے بلکہ ہم نے تو یہ کام انکی شریعت کی تائید میں کیا ہے،

یہ لوگ اس بات سے غافل رہے کہ رسولؐ کی طرف اس چیز کی جھوٹی نسبت دے رہے ہیں جو آپؐ نے بیان نہیں کی اور اس کا اقتضاء خدا پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ کلامِ نبویؐ میں

سے کسی بھی حکم کا اثبات ہے خواہ مستحب ہو یا واجب خواہ مکروہ ہو یا حلال اور اس بات کا وہ شخص پروردگار نہیں کر لیا جو کہ اس سلسلے میں کرامیہ کی مخالفت کرتا ہے کہ وہ بھی یہ قرآن و سنت میں بیان ہونے والے احکام کو نافذ کرنے کیلئے جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ چھوٹ رسول اللہ کے فائدہ کے لئے باندھا ہے ضرر کیلئے نہیں، یہ تو عربی سے جہالت ہے،

عبداللہ بن ہزاعی کہتے ہیں کہ میں احمد کے غلام سے کہا: ان احادیث کی اصل کیا ہے جو کہ انہوں نے اس سلسلے میں بیان کی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے انھیں امام کے قلوب کو غلام بنانے کیلئے وضع کیا ہے ابن جوزی نے احمد اس غلام کے بارے میں لکھا ہے: وہ زائد تھے خواہش دنیا کو چھوڑ دیا تھا صرف سبزی کھاتے تھے ان کے انتقال کے روز بغداد کے بازار بند ہو گئے تھے،

احمد بن محمد فقیہ مروزی اپنے زمانہ کے سنت کے بڑے عالم تھے اور سب سے زیادہ اس سے دفاع کرتے تھے اور اس کی مخالفت کرنے والے کی تحقیر کرتے تھے اس کے باوجود حدیث گڑھتے اور اس میں رد و بدل کرتے تھے،

بخاری نے تاریخ الاوسط میں عربین صبح بن عمران تمیمی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: خطبہ نبی میں نے گڑھا ہے،

حکمر نے اپنی اس سند سے مدخل میں ابو عامر مروزی سے نقل کیا ہے کہ ابو عصمت سے کہا گیا آپ نے حکمر ابن عباس سے نقل کر کے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ سورہ سورہ فضائل قرآن میں ہے جب کہ ایضاً حکمر کے نزدیک ثابت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے قرآن سے بدخ موڑ لیا ہے اور فقہ اہل حنیفہ میں مشغول ہو گئے ہیں، تو میں نے یہ حدیث وضع کی،

لطیف

اس سلسلہ میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ ہر ایک اپنے اپنے ذوق و مزے کے مطابق

حدیث گڑھا تھا چنانچہ حاکم نے سیف بن عمرؓ کی طرف نسبت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: میں سعد بن طریف کے پاس موقوف تھا کہ ابن کاہینا مدرسہ سے دو ماہوا آیا انہوں نے کہا: کیوں رو رہے ہو اس نے کہا معلم نے مارا ہے، کہنے لگے آج میں انھیں ”معلم“ کو ضرور رسوا کروں گا: ہم سے حکمرانے ابن عباس سے عرفوع طریقہ سے حدیث بیان کی، تمہارے بچوں کے معلمین تم میں سے شریہ میں۔ تیم پر کم رحم کھاتے ہیں اور مساکین پر بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، ایسی حدیثیں بے شمار ہیں،

ادراج کے ذریعہ ..

کبھی راوی حدیث میں ایسی چیز داخل کرتا ہے جو اس کا مطمع نظر نہیں ہوتی ہے اسی شئی کو علامہ ابن باب الادراج کہتے ہیں اور حدیث المندرج اسے کہتے ہیں جس میں ایسی چیز کا اضافہ کر دیا گیا ہو جو اس کا جز نہ ہو، اہل اثر کا قول ہے کہ ادراج کی دو قسمیں ہیں، انما میں ادراج، متن میں ادراج متن میں ادراج اول حدیث میں ہوتا ہے جیسے ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث کہ جسکو خطیب نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”اسبقواہ وضو و لئلا تعقاب من النار“ یہ اسبقواہ وضو ابو ہریرہؓ کا اضافہ ہے کبھی اثنائے حدیث میں ادراج ہوتا ہے جیسے نسائی کے نزدیک فضالہ کی یہ حدیث ہے ”انازعیم۔ وانزعیم الخلیل۔ لمن آمن بی و اسلم و جاهد فی سبیل اللہ بیعت فی رض الجنۃ“ میں اس کا خا من پہلا جو محمد پر ایمان لایا اور اسلام قبول کیا اور راہ خدا میں جہاد کیا وہ جنت کے قصر میں رہے گا۔ انزعیم الخلیل۔ حدیث میں اضافہ ہے،

لیکن حدیث کے آخر میں جو ادراج ہوتا ہے وہ حدیث کسوف میں ہے، وہ صحیح میں ہے۔ ان الشمس والنمر آیتان من آیات اللہ لا یخفان موت احد ولا حیاتہ فاذا رایتہما ذاکک فافزعوا لئلا ذکر اللہ والصلۃ۔ سورج و چاند خدا کی آیتوں میں سے دو آیتیں ہیں انھیں کسی کی موت و حیات سے گہن

نہیں لگتا ہے پس جب تم انہیں کہیں کہ دیکھو تو ذکر خدا کرو اور نماز پڑھو، غرضی کہتے ہیں یہ مبدواً لا حصہ اضافہ ہے اس کو نقل کرنا صحیح نہیں ہے اس کے کہنے والے کو جھٹلانا واجب ہے،

کیا اگر ”حی“ ہوئی حدیث کی معرفت ممکن ہے۔

محققین نے کچھ کلی اصول بیان کئے ہیں کہ جن کے ”ذریعہ موضوع جعلی“ حدیث کو پہچانا جاسکتا ہے انہیں سے بعض اصول یہ ہیں،

ظاہر قرآن یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا شریعت کے مقررہ قواعد برہان عقلی، برہان حس اور تمام یقینات کے خلاف نہ ہو یہ کہ حدیث میں وعدہ وعید اور ثواب وعقاب کے بارے میں مشکل پچو باتیں نہ ہو یا اس چیز کے خلاف جو سنت صریحہ میں بیان ہوا ہے یا فی نفسہ باطل ہو یا اسکے باطل ہونے پر صحیح شواہد دلالت کر رہے ہیں، یا انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو یا اہل علم کے کلام سے زیادہ مشابہہ ہو یا مستقبل کے ایام کی تواریخ پر مشتمل ہے یا قبیح ہو یا لوگ اس کا مذاق اڑائیں یا اس کے باطل ہونے پر صحیح شواہد علمی تجارب دلالت کر رہے ہوں، یا اسکے معنی رکیک ہوں ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: ”معنی رکیک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی وہ حدیث پائی جائے جعلی ہونے پر دلالت کرے کیونکہ یہ پورا دین اچھا نیوں کا مجموعہ ہے لیکن لفظ کے رکیک ہونے سے وضع سمجھ میں نہیں آتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ راوی نے اسے بالمشنی روایت کی ہے اور اس نے اس کے الفاظ کو غیر فیصح الفاظ سے بدل دیا ہو،

ابن جوزی کہتے ہیں: حدیث منکر وہ ہے جس سے طائیفہ علم برز جائے اور اس کا قلب اس سے نفرت کرے یعنی شارح کے الفاظ کا جاننے والا اور انہیں سمجھنے والا ہو،

کہتے ہیں جب معقول یا منقول یا اصول کے خلاف کوئی حدیث دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ گمعی

ہوئی ہے،

ربیع بن جہیم کہتے ہیں: حدیث روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ جسے آپ قبول کرتے ہیں یا سارا رات کی لوح تاویک ہوتا ہے کہ اسے ٹھکرا دو، خطیب نے اس کی روایت کی ہے،

ابن ابی حاتم نے ابن عساکر سے روایت کی ہے کہ جب میں تمہارے سامنے کوئی حدیث نقل کروں اور اس کی قرآن سے تصدیق کروں تو وہ صحیح ہے،

ابن جریر سے مروی ہے کہ ہمارے پاس جو بھی صحیح حدیث پہنچتی تھی اس کا مصداق کتاب خدا میں مل جاتا تھا۔

تہمتی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب میں رسول کی کوئی حدیث تمہارے سامنے بیان کروں اور اس کی تصدیق تمہیں کتاب خدا میں نہ ملے یا لوگوں کے اخلاق کے لحاظ سے وہ صحیح نہ ہو تو وہ جھوٹی ہے۔

گزشتہ جی ہوئی حدیثوں کا حصہ و احصاء ممکن نہیں ہے، ابن جوزی اور سیوطی وغیرہ نے انہیں کئی جلدوں میں جمع کیا ہے شائقین ملاحظہ کر سکتے ہیں، تاجی نے اپنی کتاب "قواعد التحدیث" موضوع اور گزشتہ جی ہوئی حدیث کے بارے میں ایک باب قائم کیا ہے اور اس پر دو فصلیں رکھی ہیں ہم یہاں ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں دونوں فصلوں کا عنوان ہے،

کیا جعلی حدیث کی سندیں غور کرنے بغیر اس کو پہچاننے کا کوئی معیار و ضابطہ ہے؟
امام شمس الدین بن اقیم سے یہ سوال کیا گیا: کیا جعلی حدیث کو اس کی سند کو دیکھے بغیر کسی ضابطہ سے پہچانا جاسکتا ہے؟ کہا:

یہ بہت بڑا سوال ہے وہ پہچان سکتا ہے جو کہ صحیح سنن و آثار میں ید طولی رکھتا ہو اور سنت اس کے خون و گوشت میں رچی بس گئی ہو اور اس میں ملکہ حاصل ہو گیا ہو اور معرفت سنن و آثار

اور سیرت رسول کو پہچاننے سے شدید لگاؤ رکھتا ہوا دیر جا تا ہوا کہ کس چیز کو آپ نے حکم دیا ہے، کس چیز کو روکا ہے، ان کے بارے میں خبر دیتا ہوا اور ان کی طرف بلاتا ہوا یہ جا تا ہوا کہ وہ کس چیز کو دوست رکھتے تھے اور کس چیز سے نفرت کرتے تھے اور ان چیزوں کو قوم و امت کیلئے آشکار کرتا ہو گیا کہ رسول اس سے کھل مل گئے ہوں تو ایسا شخص آنحضرتؐ کے احوال، کلام اور افعال و اقوال کو سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور یہی طریقہ ہر اتباع کرنے والے اپنے متبع کیلئے ہے وہ اس کے اقوال و افعال کا متبع کرتا ہے اور اس کا علم پیدا کر کے اس بات سے تمیز کرتا ہے کہ اس کی طرف کس بات کا نسبت دینا صحیح ہے اور کس کا نہیں ...

قلب سلیم حق و باطل میں فرق کرتا ہے

ابو الحسن علی ابن عروہ جنسلی کی کتاب "فصل فی مدحہ"،

جب دل صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ ہوگا تو حق و باطل میں، صدق و کذب میں اور ہدایت و ضلالت میں فرق کریگا خصوصاً جب اسے نعرہ رسولؐ سے کھڑی روشنی مل جائے گی تو اس قوت اس پر مخفی امور بھی آشکار ہو جائیں گے اور مخلوط چیزیں بھی ظاہر ہو جائیں گی اور صحیح کو وہ بشیخ سے جدا کرے گا خواہ اسے متن الفاظ سے مرکب کر کے صحیح اسناد کے ذریعہ رسولؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہو یا صحیح متن کو ضعیف سند سے مرکب کیا گیا ہو تب بھی وہ حقیقت کو پا لے گا اور اسے سمجھ لے گا، اسکا ذائقہ سمجھ لے گا اور کھری کھوئی اور صحیح و غلط کو جان جائے گا کیونکہ رسولؐ کے الفاظ عاقل پر مخفی نہیں رہتے ہیں اسی لئے رسولؐ نے فرمایا ہے "القول فراسۃ المؤمن فانه ینظر بنور اللہ" ، مومن کی قوت سے ڈرو! کہ وہ خود خدا سے دیکھتا ہے، یہ حدیث ترمذی نے ابو سعید سے نقل کی ہے اور خداوند عالم کے اس قول "ان فی الذللالۃ لآیات للمتوسمین" کے بارے میں سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ متوسمین سے فراست رکھنے والے مراد ہیں،

مذاہب جبل کہتے ہیں: بیشک حق کا شمار ایسا ہی ہے جیسا راستہ کا شمار ہے،

پاکیزہ قلب افعال و اعمال کے اخلاف و ذریعہ کو پہچانتا ہے جب اس کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کا منبع کہاں ہے اگرچہ حفاظ و متقید نگاروں نے اس کے بارے میں کچھ نہ کہا ہو،

پس جس نے خاص اللہ کیلئے اور سنت کے موافق اعمال انجام دیئے ہوں گے وہ خیرات کے جھوٹ و صبح کو سمجھے گا اور اللہ سبحانہ کو صادق و سچے انسان کو جھوٹ سے صدق کو جدا کرنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: صدق طائفت ہے اور کذب فریب ہے، نیز فرمایا: اپنے قلب کو تیز اور صاف بناؤ، رسول نے اپنی امت صاف ستھری چھوڑی ہے اس کی شب بھی دن کے مانند ہے یہ تک کلام رسول کی عظمت ہے اور اس میں ایسی فضیلت ہے جو دوسروں کے کلام میں نہیں ہے، ابن تیمیہ کہتے ہیں تقویٰ سے معزول کا اپنی رائے کو ترجیح دے گا تو یہ شرعی ترجیح ہے جب بھی اس کیلئے کوئی چیز واقع ہوگی اور اس کے ساتھ ہی اس کے قلب میں یہ گمان پیدا ہوگا کہ اس سے خدا و رسول مراضی ہیں اور اس کو ترجیح ہوگی تو یہی دلیل شرعی ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ الہام حقائق کو پہچاننے کا مطلق راستہ نہیں ہے، وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جب زندہ طاعت خدا اور اس کے تقویٰ کے بارے میں کوشش کرے گا اور کسی چیز کو ترجیح دے گا تو اس کی ترجیح بہت سی ضعیف دلیلوں سے قوی ہوگی، اور یہ الہام اس کے حق میں دلیل ہے اور یہ بہت سے قیاسات و موبہوم چیزوں سے کہیں حکم ہے اور ان استصحاب اور ظواہر و الفاظ وغیرہ سے قوی ہے کہ جن سے اصول فقہ میں حجت ظاہر کی جاتی ہے،

عز کہتے ہیں: حق اتنا زیادہ آشکار ہے کہ غلوں سے مخفی نہیں رہ سکتا، خدیو بن الیمان کہتے ہیں بے شک مومن کے قلب میں چراغ روشن رہتا ہے اور قلب میں جتنا زیادہ ایمان قوی ہوگا اسی تناسب سے اس پر امہد کا انکشاف ہوگا اور باطل سے حقائق کو جدا کرے گا اور جس قدر ایمان ضعیف ہوگا اسی لحاظ سے کشف کے سلسلہ میں بھی کمزور ہوگا بالکل ایسے جیسے ایک بڑے اندھیرے گھر میں جھوٹے سے چراغ کی روشنی ہوتی ہے۔

صحیح میں رسول سے مروی ہے کہ: تم سے پہلے امتوں میں حدیث بیان کرنے والے تھے ان میں

سے اگر میری امت کا کوئی ہوتا تو وہاں ہوتا، محدث بنی اپنے مخاطب کو الہام کرنے والا چنانچہ ابوسلمہ ہلاقی
احمد بن حاتم انطاکی کو ان کی فراست کی وجہ سے دل کا جاسوس کہتے تھے،
یہ تھا دو فصلوں کا خلاصہ،

صحیح احادیث کو پرکھنے کے قواعد میں سے ایک ذوق سلیم ہونا چاہیے دوسرے حدیث کو
اسلام کے ان اغراض کے خلاف نہیں ہونا چاہیے جو اس نے انسان دنیوی و اخروی سعادت کیلئے پیش کئے
ہیں،

رسول پر اقتراء

علاء بن زید کہتے ہیں کہ نذوقہ نے بارہ ہزار حدیثیں گزھ کر رسول کی طرف منسوب کر دی ہیں
اور مہدی کہتے ہیں: میرے سامنے ایک زندقہ نے یہ اقوال کیا کہ اس نے ۲۰۰ حدیث وضع کی ہیں،
جو کہ لگوں میں پھیل چکی ہیں،

ابن عساکر نے رشید سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک زندقہ کو لایا گیا تو اس نے
اس کے قتل کا حکم دیدیا زندقہ نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ کو کچھ خبر ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں
گزھ کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

جب عبد الکیم نے ابن ابی العوجاہ کو زندقہ کیلئے پکارا تو اس نے کہا: میں نے تمہارے درمیان چار
ہزار حدیث گزھ کر رائج کی ہیں اور ان کے ذریعہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

بخاری کو فتح ابوالاسحاق راجیہ کہتے ہیں مجھے چار ہزار جعلی حدیث یاد ہیں، حافظ سہیل بن سری سے
مروی ہے کہ انہوں نے کہا: احمد بن عبد اللہ جو بندہ محمد بن عکاشہ کے خلی اور محمد بن عکاشہ نے دس ہزار سے زائد حدیث
گزھ کر رسول کی طرف منسوب کیا ہیں، بخاری کہتے ہیں: مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اس سلسلے میں
بہت سی روایات میں تفصیل کے خواہاں سید علی کی کتاب تحذیر الخواص کا مطالعہ فرمائیں،

حدیث میں اسرائیلیات

جب دعوت محمدیؐ کے دستِ دِعا حکم و مضبوط ہو گئے اور اس سے نکرانے و ملطافیتیں نکلت گئیں تو اس کے مقابل میں آنے والے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے جب طاقت آزمائی اور جنگ کے درپہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے دھوکہ بازی اور حیلہ سے اسے نقصان پہنچانے کی تدبیر؟

یہودی، ایمان لانے والے لوگوں کے سخت ترین دشمن تھے کیونکہ وہ زعم خود اپنے کو خدا کا منتخب قبیلہ سمجھتے ہیں اپنے سوا کسی کی فضیلت کا اعتراف نہیں کرتے اور نہ موسیٰؑ کے بعد کسی نبی کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے رہبان و اجارہ، خصوصاً جب وہ اپنے مقصد میں شکست کھا گئے اور انھیں ان کے دیدار سے نکال دیا گیا تو انہوں نے اپنی مراد حاصل کرنے کیلئے مکر و فریب کا سہارا لیا، چالاکی اختیار کی، مکر نے انھیں بظاہر اسلام کا لباس پہننے اور یہاں اپنے دین پر قائم رہنے کی ہدایت کی تاکہ ان کی سازش بے نقاب نہ ہونے پائے اور مسلمانوں پر حیلہ مار کر ہو جائے ان کے درمیان کہہ لا جبار و حسب ہی منہ اور عبد اللہ ہی سلام مکر و کجانت میں سب سے بگڑے تھے، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کا حیلہ ان کے جھوٹے نقشے اور ہوش کے ظاہر کرنے سے کامیاب

ہو رہا ہے اور مسلمان ان کے پاس سکون پتے ہیں اور آمدورفت رکھتے ہیں تو انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں پر ان کے دین کے لحاظ سے حملہ کیا، مسلمانوں کے اصول دین میں کلمہ پر اس کی بنیاد استوار ہے، دلائل و اثبات اور احکام کو منہ کا منصوبہ بنایا تاکہ دین کی بنیاد کمزور ہو جائے،

اور جب انہیں قرآن مجید کی کسی تحریف کی راہ نہ ملی کیونکہ تدوین کے ذریعہ اسے محفوظ رکھا گیا ہے اور ہزاروں سالوں کو ازبر ہے جس سے اس میں نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کمی، تو وہ بنی سے حدیث کی روایت کرنے لگے اور آپ کی طرف ان احادیث کو منسوب کرنے لگے جو آپ سے صادر نہیں ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں ان لوگوں کی مدد کس چیز نے بھی کی کہ رسول نے جو کچھ اپنی حیات میں فرمایا تھا وہ مشغول تھا نہ محفوظ، کیونکہ وہ قرآن مجید کی طرح آپ کی حیات میں قلم بند ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے اسے لکھا تھا اس میں ہر یکوس پرورد اور بد طینت کسی چیز کی کمی نہ کر سکتا ہے اور آپ پر جو کچھ

باندھ سکتا ہے،
ان کی اس شرا طرانہ چال سے انہیں ایسے صحابہ بھی مل گئے کہ جو ماضی کے امور کو جاننے کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے اور یہودی چونکہ اہل کتاب ہیں ان کے علم میں چنانچہ صحابہ ادیان سابقہ کے جن امور کو نہیں جانتے تھے ان میں یہودیوں کو عرب کا سوا سمجھتے تھے اگرچہ صحابہ صادق و مخلص تھے،
ابن خلدون تفسیر نقلی سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ غث و سفین اور مقبول و مردود

پر مشتمل ہے،

اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور علم و انجیل تھے، ان پر بدویت اور امیت غالب آگئی تھی اور جب وہ کسی ایسی چیز کو جاننے کی طرف متوجہ ہوتے، جس کو نفوس بشریت اسباب مکنونات اسرار وجود اور آغاز آفرینش میں جاننے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس چیز کے بارے میں وہ عرب، اپنے سے پہلے والے اہل کتاب سے پوچھتے تھے اور ان سے معلوم کرتے تھے اہل تورا
یہود اور ان کے دین پر طعن و لکھب الاحبار، و حسب بنی منبرہ اور عبد اللہ بن سلام جیسے نصاریٰ تھے
ان کے منقولات سے تفاسیر سحر تمکین، اس سلسلے میں مفسرین نے تساہلی سے کام لیا اور ان سے کتب تفاسیر

۱۰۷۱
 ۱۰۷۲
 ۱۰۷۳
 ۱۰۷۴
 ۱۰۷۵

۱۰۷۶
 ۱۰۷۷
 ۱۰۷۸
 ۱۰۷۹
 ۱۰۸۰

۱۰۸۱
 ۱۰۸۲
 ۱۰۸۳
 ۱۰۸۴
 ۱۰۸۵

۱۰۸۶
 ۱۰۸۷
 ۱۰۸۸
 ۱۰۸۹
 ۱۰۹۰

صحابہ اور ان کا اتمام کرنے والوں نے ان چالاک و سہار لوگوں کی بیان کردہ چیزوں کو صحیح سمجھ کر تنقید و تحقیر کے بغیر قبول کر لیا،
بعض ان اسرائیلیات کو بیان کرنے سے قبل، کہ جن سے تفسیر و حدیث اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان اجار کے سرخنا کعب الاحبار اور عبد اللہ بن سلام کے مختصر حالات لکھتے ہیں،

کعب الاحبارؓ

کعب بن مانع حمیری ذہرین کی اولاد سے ہے ایک قول یہ ہے کہ ذوالکلا شکی اولاد سے ہے اس کی کنیت ابو اسحاق تھی، یہود کے بڑے اجار میں سے ایک ہے، کعب الاحبار سے شہرت پائی اہم عمر میں مسلمان ہوا، مدینہ میں سکونت پذیر ہوا بیت المقدس کی فتح میں عمر کے ساتھ تھا، عثمان کے زمانہ میں شام چلا گیا معاویہ نے اسے دوست اور کثرت علم کی وجہ سے اپنا شیر بنالیا کہتے ہیں کہ معاویہ نے اسے شام کے شہر یرموک میں قلعہ گونی کا حکم دیا تھا جس سے وہ اسلام و یہود کی احادیث کے موضوع پر اخبار یوں پر سبقت لے گیا،

۱۔ اسد سید افغانی نے ایک ستارہ شامی کیا تھا اس میں موسیٰ نے یہ ثابت کیا تھا کہ صیہونی اول، عہد اللہ الیہا سبا ہے ہم نے مفصل ستارہ اس کی دکھائی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ صیہونی اول کعب الاحبار ہے ملاحظہ فرمائیں الرسالہ شمارہ ۳۵۶،

۲۔ کعب کو کوثر کرم کا دروازہ کھلے جیکہ یقیس بن فرشر اقیسی نے یہ کہہ دیا: زمین کی ایک باشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جس کو تواریخ میں مرقوم نہ ہو جو کہ خانے اپنے غی مویٰ پر نازل کی تھی ایسی اس سے نکلے اور اس پر شیخ دلائل حیزہ کی مرقوم ہیں، ملاحظہ فرمائیں الاستیجاب ج ۱ ص ۵۳۳،

کعب الاحبار و اہل منبر اور یہودیوں میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان کے ذریعہ حدیث میں اسرائیلیات کا حصہ سرایت کر آیا ہے، یہ روایات ایسے ہی نقل ہوئی ہیں یہاں تک کہ دین و تاریخ کا بڑا بن گئیں،

کعب کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی لکھتے ہیں: وہ امیر المؤمنین عمر کے زمانہ حکومت میں رہے، آیا اور غزوہ خیبر کی صحبت اختیار کی، تابعین کی ایک جماعت نے اس سے اصل طریقہ سے روایت کی ہے، حصّٰث میں ۳۲۷ یا ۳۲۸ روایات ہیں، دوسرے اسلامی شہروں میں اپنی روایات اور قصوں کے ذریعہ ہودیت کو پھیلا کر مروجہ احادیث کی نفرت اور کفر کو پھیلا دیا تھا۔

مسلمان ہونے کا سبب

اپنے اسلام لانے کے سلسلہ میں اس کا بن نے عجیب سبب گڑھا ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے قلوب و عقول جگمگائے ابن سعد نے صحیح مسند سے عید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عباس نے کعب سے کہا:

تو میں رسول اللہ اور ابو بکر کے زمانہ میں اسلام لانے سے کس چیز نے منع کیا تھا؟ کہا: میرے والد نے نودیت سے میرے لئے ایک نوشتہ لکھا اور کہا: اسے پڑھنے میں جلدت کرو، اس کے علاوہ اپنی ساری کتابوں کو مہربان کر دیا اور مجھ سے والد کے حق کی قسم لی، ان کی ہر کوئی بات توڑوں گا، جب میں نے اسلام

میں حصّٰث میں راویوں نے دعویٰ کیا کہ ایک قبر بنائی اور اس پر گھنڈ بنایا لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اسے بابرکت سمجھتے ہیں یہ قید نامہ اس شریف پر واقع ایک بڑی مسجد پر بتایا ہے، ولادت اوقات اس پر مجید خرچ کرتے ہیں اور حصّٰث کہاں کعب دفن ہے وہ دوسرے اسلامی شہروں کے راوی بھی ہیں یہ لوگوں نے اس کے لئے رسول اللہ سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے خداوند قیامت شام کے شہر حصّٰث سے متبرک اور کھائے گا۔

کا ظہور دیکھا تو میں نے "اپنے دل میں" کہا: شاید میرے والد رحمہ اللہ سے کوئی علم مخفی رکھا لہذا میں نے اسے کھولا تو اس میں محمدؐ اور آپؐ کی امت کی صفت مرقوم تھی چنانچہ اب میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ اہل یمن میں سے ایک شخص کعب الاحبار کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا: فلاں جبریلؑ نے مجھے تمہارے پاس ایک پیغام لیکر بھیجا ہے، کعب نے کہا: بیان کرو: اس شخص نے کہا: اس نے کہلایا ہے، کیا تم سردار اور شریف کہیں تھے، تمہاری اطاعت نہیں ہوتی تھی تو تم نے اپنا دین چھوڑ کر دین محمدؐ کیوں اختیار کیا ہے؟

کعب نے کہا: کیا تم اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں، کعب نے کہا: اگر تم اسکے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو اس کا کپڑا پکڑ لینا تاکہ وہ جگہ نہ سکے اور کہنا: تم سے کہا: میں تم سے اس ذات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جس نے موسیٰؑ کو اپنے دریاؤں کو گناہ کیا، اس ذات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ جس نے موسیٰ بن عمرانؑ پر الواح نازل کیں کہ جن میں ہر چیز کا علم ہے کیا تم نے خدا کے حکامات میں یہ نہیں پایا کہ امت محمدؐ کے مین حصے میں ایک تہائی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ایک تہائی کا بہت آسان حساب ہو گا پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ایک تہائی احمدؑ کی شفاعت سے داخل جنت ہوں گے وہم سے کہے گا ہاں: تم کہنا کہ کعب نے تم سے کہا ہے کہ تم مجھے یمنوں میں سے جس جماعت میں چاہو قرار دو،

اصحاب میں ابن حجر کہتے ہیں: کعب نے رسولؐ سے مرسل طریقہ سے روایت کی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، زبیرؓ اور مجاہدؓ وغیرہ نے اس سے روایت کی ہے۔

→ کہ جس پر حساب و عذاب نہیں ہو گا شاید کعب کے بدن کی برکت کی وجہ سے ایسا ہو گا... خدا پر اس کا حق ہے اس سے زیادہ تعجب خیرات یہ ہے کہ اس کی حدیث کو ہر کی طرف نسبت دی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں جاح الصغیر جز ثانی، مؤلف سیوطی،

۱۔ فضی الاسلام ۱ ص ۱۶، ۲۔ حیات النبیوان ج ۱ ص ۱۶۶،

سیر اعلام النبلاء میں مذہبی لکھتے ہیں:
 کعب الاحبار سے عبداللہ بن حنظلہ اسلم مولیٰ بن عمر بنیہ الطمیری اور ابوسلام الاسود نے پیش
 نقل کی ہے اور تابعین میں سے عطاء بن یسار وغیرہ نے اس سے مرسل طریقہ سے روایت کی ہے اور سنن
 داؤد، ترمذی اور نسائی میں اس کی روایت ہے۔

دہب بن منبہ

مورخین نے لکھا ہے کہ وہ فہی الاصل تھا اس کا دادا ان لوگوں کے ساتھ یمن آیا تھا جن کو
 کسریٰ نے یمن سے جبراً پر حملہ کیا تھا لیکن یہ وہیں مقیم ہو گئے وہیں ان کی نسل چلی،
 اعراب ان کو، ابناء، ابناء فرس کے نام سے جانتے تھے، ان ہی میں سے شہرذناہی طاہس
 بن کیسان بھی تھے

دہب کے آباؤ اجداد، زرتشت تھے، لیکن یہودیوں کے ساتھ یودوباش کی وجہ سے ان ہی کے
 آولہ دوسم اختیار کر لئے اور نصرانیت کی کچھ چیزیں بھی سیکھ لیں دہب یفانی بھی جانتا تھا اہل
 کتاب کا علم تھا لیکن فلاسفہ سے ضعیف قرار دیا ہے،
 اس نے صحابہ کی ایک جماعت کو درک کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے ایسے ہی بہت
 سے صحابہ جیسے ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر اور ابن عباس وغیرہ اس سے روایت کی ہے، عرب اسے
 ثقہ سمجھتے تھے،

امام احمد کہتے ہیں اس کے والد منبہ فلدی تھے، جسے کسریٰ نے یمن شہر بدر کر دیا تھا اور
 مسلمان ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا دہب ایران فتح ہو جانے کے بعد وہاں جاتا تھا،

اس کے اقوال میں سے یہ مجاہد کہ میں نے خدا کی کتابوں میں سے ۷۲ پڑھی ہیں،
تذکرۃ الخفایا میں بھی لکھتے ہیں: وہب الہمدانی کا عالم تھا،
وہب الہمدانی کا عالم تھا ۳۳ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۳ھ یا اس کے ایک سال بعد صنعاء
میں انتقال کیا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ۱۱۳ھ میں انتقال کیا۔

عبداللہ بن سلام

یہ ابو احوارث اسرائیلی ہے، رسول کی مدینہ ہجرت کے بعد مسلمان ہوا، احوار یہودیوں
سے تھا، ابو ہریرہ، انس بن مالک اور دیگر جماعت نے اس سے روایت کیا ہے اسکے بارے میں وہب
بن منہ اسرائیلی نے کہا ہے، وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تھا، کتب اپنے زمانہ کا اعظم تھا ۱۱۳ھ
میں انتقال کیا

مسلمانوں کی عقلوں پر کیسے غالب آئے

ان احوار نے اپنی زیرکی سے عجیب طریقہ سے فائدہ اٹھایا تاکہ اسکے ذریعہ مسلمانوں کی
عقلوں پر مسلط ہو جائیں اور ان کے عقیدہ و معترزم بن جائیں، ان عجیب اسباب کا ایک رخ ہم آپ
کے سامنے پیش کرتے ہیں،

ترمذی نے عبداللہ بن سلام سے ————— جو کہ مسلمان ہونے والے بڑے یہودیوں میں
سے ایک تھا ————— روایت کی ہے کہ تورات کی پہلی سطر میں مرقوم ہے: محمد رسول اللہ اور اسکے

1. *האם יש להוסיף עוד משהו?*
 2. *האם יש להוסיף עוד משהו?*

[illegible]

اناس سے ملاقات کی اور کہا: مجھے تو دیتے رسولؐ کی صفت بتائیے کہا: خدا کی قسم آنحضرتؐ تو دیتے ہیں اپنی بعض اسی صفت تھے تصوف میں تو قرآن میں ہیں، اسے نبیؐ میں نے آپ کو شہادہ، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیدوں کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے تم میرے بندے اور رسولؐ ہو میں نے تمہارا نلم متوکل رکھا ہے تم سخت مزاج اور بد اخلاق ہو زبازاروں میں چلانے والے تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہو بلکہ معاف کر دیتے ہو، اور خدا انہیں دنیا سے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ان کے ذریعہ سب کچھ ہوئی ملت کو راہ راست پر لگائے کہ وہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری کرے: ان کے ذریعہ اندھی آنکھیں، گونگے کان اور ستورہاں کو کھولے گا،

ابن کثیر نے اضافہ کیا ہے کہ: ابن یسار نے کہا کہ پھر میں نے کعب الاحبار سے ملاقات کی اور اس سے کہا یہ تمہاری باتوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اور یہ اختلاف کیوں ہوا جبکہ وہ کعب کا شاگرد ہے،

سیوطی نے اتفاق میں روایت کی ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: تورات میں اے محمدؐ: میں آپ پر نئی توحید نازل کرنے والا ہوں اس سے اندھی آنکھیں، گونگے کان اور ستورہاں کھل جائیں گے،

جو ایسی ہی نے کتاب المغرب میں روایت کی ہے کہ ابن الاعرابی نے کہا: کعب الاحبار سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا: گذشتہ کتابوں میں نبیؐ کے اسماء، محمد، احمد حیاط، یعنی حامی حرم میں قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں روایت کی ہے کہ وہ بکر بن عبد بنہ نے کہا: میں نے کتابیں پڑھی ہیں اور سب میں نبیؐ کو تمام لوگوں سے زیادہ عظیم اور افضل رائے والا پایا ہے، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے تمام کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی

ابتداء سے انتہا تک پیدا ہونے والے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل کے برابر قتل عطا نہیں کی بلکہ دنیا کی برکت میں سے ایک ذرہ کے برابر قتل عطا کی ہے،

کعب اور عمر

جب کعب ہمد عمر میں مدینہ آیا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا تو اپنی اس تدبیر و چالاکی کو بھی کام میں لائے گا جس کی وجہ سے مسلمان ہوا تھا، دین کو فاسد کرنے لگا اور رسول پر جھوٹ باندھنے لگا،

روایت کرنے پر اسے عربی خطاب کے وہیہ نے اکسایا وہ شروع ہی سے اس بات پر کان دھرنے لگے یہ سوچ کر کہ وہ سچا مسلمان ہو گیا ہے، لہذا اس نے جھوٹی روایت میں جتنا سچا بھرا چاہا بھرا، ابن کثیر کہتے ہیں:۔

جب کعب حکومت عرب میں مسلمان ہوا تو اس نے عمر سے حدیث بیان کرنا شروع کر دی اکثر عمر خود بھی اس کی باتوں کو سنتے تھے اور پھر لوگوں کو اس کی بات سننے کی اجازت دیدی اور انہوں نے اس سے ہر ضعیف و قوی بات نقل کر ڈالا،

لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ عمر اس کے محروم فریب اور اسکے باطن کی خرابی سے واقف ہو گئے اور اسے دھمکی دی کہ اگر تم حدیث بیان کرنا بند نہیں کرو گے تو ہمیں جلا وطن کر دوں گا۔

عمر نے ارادے اور حکمت سے اس کی نگرانی کرتے تھے اور اپنے نور بصیرت سے اس کی خبیث اغراض کو جانتے تھے، قصہ مصخرہ میں آپ اس یہودی کی زیر کی اور چالاکی کی انتہا ملاحظہ فرمائیں گے، جو کہ عمر کی نظانت پر بھی غالب آگئی تھی اور پھر خلیفہ خفیہ اور آشکارا طور پر اس کی

رائے پر عمل کرنے لگے یہاں تک قتل کر دیئے گئے تمام قرائن سے یہ بات کچھ میں آتی ہے کہ یہ قتل ایک خفیہ تنظیم کی سازش کے تحت ہوا تھا، کعب اس تنظیم کا رکن اعظم اور اس کا راس و رئیس خورستان کا بادشاہ جزا تھا جو کہ اسیر ہو کر مدینہ آیا تھا اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے ابو نؤفہ کی خدمات حاصل کی تھیں،

قتل عمر میں کعب کا ہاتھ

مسور بن خرمشہ نے بیان کیا ہے کہ جب ابو نؤفہ کو دھمکا کر عراق نے گھر واپس آئے تو ان کے پاس کعب الا جبار آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین آپ تین روز کے اندر قتل کر دینے جائیں گے، عمر نے معلوم کیا نہیں کیسے معلوم ہوا؟ کہا: میں نے توریت میں دیکھا ہے، عمر نے کہا: کیا تم نے توریت میں عمر بن خطاب دیکھا ہے؟ کہنے لگا نہیں مگر آپ کے صفات و عادات دیکھے ہیں آپ کی اجل آنے ہی والی ہے اس سے عمر نے کوئی خوف محسوس نہ کیا، جب دو روز دن ہوا تو کعب عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا دو روز باقی رہ گئے ہیں، جب دو روز دن بھی گزر گیا تو کعب آیا اور کہا: دو دن گزر گئے ہیں ایک روز باقی ہے طبریکہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن ایک رات باقی ہے

صبح ہوئی تو عمر نماز کیلئے گئے لوگوں کی صفوں کو درست کرنے لگے صفیں صحیح کر چکے تو تکبیر کہی ابو نؤفہ و شعبہ خنجر ہاتھ میں لئے ہوئے لوگوں میں گھس گیا، عمر پھر اس سے چھ زخم لگائے ایک زخم زیر ناف لگتا تھا اسی نے ان کی جان لی، ابو نؤفہ ہنا وند کے اسیروں میں سے تھا، ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ کعب عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ شہید میں گئے، آپ کہتے ہیں کیسے جبکہ میں جزیرۃ العرب میں ہوں؟

میں آپ کے سامنے اس کاہن کی خبروں میں سے ایک عجیب خبر نقل کرتا ہوں تاکہ آپ کے دل میں اس سازش میں کعب کے شریک ہونے کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے، خطیب نے ملک سے روایت کی ہے: عربی خطاب ام کلثوم بنت علیؓ کے پاس گئے تو انہیں روتے ہوئے پایا کیا: کیوں رو رہی ہو؟ یہ یہود، وہ کعب الاحبارؓ کہتا ہے کہ، آپ جہنم کے دروازہ پر ہیں، عربیؓ کہا: ماشاء اللہ! اس کے بعد نکلے اور کسی کو کعب الاحبار کے پاس بھیجا، وہ آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین آپ میرے بائیں عقلت سے کلمہ نہ لیجئے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رماہ ذی الحجہ ختم نہیں ہوگا کہ آپ جنت میں پہنچ جائیں گے! عربیؓ نے کہا: یہ کیا کہا؟ ایک مرتبہ جنت میں اور ایک مرتبہ جہنم میں؟ کعب نے کہا: اے امیر المومنین! قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم نے کتاب اللہ میں یہ دیکھا ہے کہ آپ جہنم کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور لوگوں کو اوہر آنے سے منع کر رہے ہیں کہ اس میں نہ گزریں، جب آپ مرجاؤ گے تو لوگ چہر قیامت تک اس میں گریں گے، چنانچہ جب غزنی ہو گئے تو کعب روتے ہوئے دروازہ پر آئے اور کہنے لگے، خدایا قسم اگر امیر المومنین خدا کو قسم دیکر اپنی موت میں تائید کی درخواست کرتے تو وہ ضرور کر دیتا۔ اس کی قسم کی ثابت ہوئی اور ذی الحجہ ۲۲ ہجری کو عمر قتل کر دیئے گئے اور پہلی محرم ۲۷ھ میں دفن ہوئے

یہ علم دلیس اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ابو یوسف کے ہاتھوں عمر کا قتل اسی سازش کا نتیجہ تھا جسکے پیچھے ہرزان کا ہاتھ تھا، عرب کی طرف سے اس کی دل میں اس وقت سے شدید دشمنی و نفرت تھی جب سے انہوں نے اس کے ملک کو تباہ کیا تھا اور ان کی حکومت کو گزرا تھا، اور اس سازش

۱۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۸، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۵۳

۲۔ ان تمام چیزوں کو کتب خدا کی طرف منسوب کر دیا جبکہ کتاب خدا ان سے رہا ہے،

۳۔ طبقات ج ۳، ص ۱۶۶

میں کعب الاحبار کا بہت بڑا کردار تھا اس میں جاہل کے علاوہ کوئی شک نہیں کرے گا،

حدیث استقاء

”تاریخ بیان کرتی ہے کہ عمر کے عہد خلافت میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین پتھر بن گئی یہ واقعہ علم الرماط میں رونما ہوا تھا، کعب الاحبار نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اسکو وسیلہ بنا کر دامن اسلام کو داغدار بنانے کی کوشش کی اور طرسے کہنے لگا: جب بنی اسرائیل قحط میں مبتلا ہوئے تھے تو انبیاء کے خاندان و عوں کے وسیلے سے بارش مانگتے تھے اس سلسلے میں کچھ روایات بھی نقل ہوئی ہیں کہ عمر نے کہا: یہ رسول کے چچا آنحضرت کے والد کے بھائی اور بنی ہاشم کے سردار عباس ہیں، عمر انکے پاس گئے اور لوگ سیراب ہو گئے، اس کہتے ہیں: بارش ہو جانے کے سلسلے میں عمر نے کہا: تم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کو وسیلہ قرار دیتے ہیں میں بھی سیراب کدے ہم اپنے نبی کے چاکو تیری بارگاہ میں وسیلہ قرار دیتے ہیں ہمیں سیراب کدے،

اسیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس بعد کی اپنی اس بات سے اس چیز کے بارے میں دھوکہ دینا چاہا جس پر دین اسلام کی بنیاد استوار ہے۔ اور وہ توجیہ خاص ہے۔ تاکہ عمر کو توئل کے غار میں دھکیل دے جو شرک ہے اور جب عمر اس میں گر پڑیں گے اور وہ توئل اختیار کریں گے تو بعد والے سنت کے طور پر اختیار کریں گے اور اسنت — توئل — کا مردور زمانہ میں عقیدہ اسلام میں بہت بڑا کردار رہا ہے، کعب نے اس کے ذریعہ دین کی بنیاد کو متزلزل کر دیا، لیکن عمر دین و فقہ میں بصیرت کے افق پر فائز تھے اسے سمجھ گئے اور اس گڑھے میں گرے سے

۱۔ اہی سعد و غیر فرقے کھاتے کہ علم الرماط اس میں نوماہ تک بارش نہیں ہوئی تھی زمین پر گرد و اڑی تھی جانور اور لوگ بھوک سے ہاک ہو رہے تھے، طبقات ۱۲/۱۳

دعا کی، لیکن عمر نے صرف استغفار کیا جب واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ اٹھائے رکھ کر دعا کی، کیا دائیں حصہ بائیں جانب اور بائیں حصہ دائیں جانب کیا پھر اپنے ہاتھ پھیلائے اور کافی دعا کی بہت روتے یہاں تک دارِ رحمی تر ہو گئی۔

منہی اور شرح کبیر میں ہے کہ عمر بارش کی دعا مانگنے کیلئے گئے اور صرف استغفار کیا اور کہا میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے۔

جاہظ کہتے ہیں: جب عمر بارش طلب کرنے، عباس کا ہاتھ کپڑے ہوئے مہنر پر گئے تو زیادہ دعا کی تو ان سے کہا گیا آپ نے بارش کی دعا نہیں کی صرف استغفار کیا ہے، عمر نے کہا میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے پھر یہ آیت پڑھی ”استغفر واربعم انہ کان مغفارا“
”یرسل السماء علیکم مدرارا“

جب یہ طریقہ چل نکلیے گا تو لوگ ہمیشہ ایسے ہی خدا سے دعا کیا کریں گے لیکن ہم یقین ہے کہ عمر نے بارش طلب کرنے میں کسی سے تول نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں خدا سے استغفار و دعا کیلئے کسی کو وسیلہ نہیں بنایا جیسا کہ ان صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے جن کی کتاب خدا کی آیات سے تائید ہوتی ہے،

کعب کا مکہ

ملک کو موٹا میں ہے کہ انھیں معلوم ہوا کہ عمر بن خطاب نے عراق جانے کا قصد کیا تو کعب الاحبار نے ان سے عرض کی، اے امیر المؤمنین وہاں نہ جائیے وہاں بہت زیادہ کھر ہے، جن میں اور عاجز

۱۔ طبقات ابن سعد ۳/۲/۱۳

۲۔ ج ۲ ص ۱۹۰

۳۔ ایسان و اثبین ج ۴ ص ۲۶۹، یہ روایت ابن قتیبہ نے اپنی تاریخ میں طبرانی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے،

کروینے والی بیماریاں ہیں۔

کعب اور وہب نے جو اسرائیلیات داخل کئے ہیں

ان دونوں کامنوں نے اسلام میں جو اسرائیلیات داخل کئے ہیں اور ان سے اسلام مشکوک ہوا ہے، دشمن اسلام ان ہی اسرائیلیات سے اسلام پر حجت قائم کرتا ہے ان ہی کے وسیلے سے اسلام درودت افراذ کی راہ مسدود کرتا ہے جو چیزیں ہمارے لئے طعن کا باعث بن گئی ہیں جس سے غلو خلاصی ممکن نہیں ہے ان میں سے کچھ مثال کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، معاویہ نے کعب سے کہا: تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین اپنے گھوڑے کو ٹریا سے باندھتا تھا کعب نے کہا: اگر میں نے یہ کہا: تو خدا بھی یہی کہتا ہے، ہم نے انھیں ہر چیز کا سبب و رشتہ عطا کیا ہے،

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: معاویہ نے کعب کی اس بات کو ٹھکرا دیا تھا، اس انکار میں معاویہ حق پر تھا، معاویہ کعب سے یہ کہتا تھا ہم اسے جھوٹ میں آزماتے ہیں، قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورہ غافر کے ذیل میں خالد بن معدان سے اور اس نے کعب سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: جب خدا نے عرش کو خلق کیا تو عرش نے کہا: خدا نے مجھ سے اعظم کسی کو خلق نہیں کیا ہے اور کعب سے جھوٹ لگا تو خدا نے ایسے اڑدھا کو اس کا طوق بنا دیا کہ ستر ہزار بازو ہیں اور ہر بازو میں ستر ہزار ریشے ہیں اور ہر ریشہ میں ستر ہزار تہرے ہیں اور ہر تہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر روز ان کے منہ سے بارش کے قطروں، درخت کے پتوں،

۱۔ میقات الانسان من وسوئہ، مولف ابن دحلان ص ۸۴۸

۲ ج ۳ ص ۱۰۱

ذرات، دنیا کے ایام اور تمام ملائکہ کی تعداد کے برابر وسیع نکلتی ہے، اندھا عرش پر بیٹا ہوا ہے، اس طرح عرش اڑدھا ہے اور حاکم ہے کیونکہ وہ اس پر دو ہزار بیٹا ہوا ہے اس سے عرش میں نکساری پیدا ہو گئی،

تفسیر میں ہے کہ عبداللہ بن قلابہ اپنا اونٹ تلاش کرنے کے لئے نکلا تو وہ شہاد کی جنت میں پہنچ گیا اور جتنا اس سے اٹھ سکا وہاں سے اٹھ لایا، اس صورتحال کی معاویہ کو خبر ملی تو اس نے اسے بلایا اس نے پورا قصہ سنایا، معاویہ نے کعب کو بلایا اور اس کے بارے میں پوچھا کعب نے کہا: یہ اہم ذات العباد ہے، تمہارے زمانہ میں مقرب ایک سرخ رنگ آدمی کہ جس کی ابرو اور ناک پر چھوٹا سا تل ہے وہ اپنا اونٹ ڈھونڈنے جائے گا اور اس میں پہنچ جائے گا اسکے بعد متوجہ ہوا تو ابن قلابہ کو دیکھ کر کہنے لگا، خدا کی قسم یہی وہ شخص ہے اس کے بعد قیامت تک کوئی شخص اس میں داخل نہ ہوگا، جب کعب اپنی بات مکمل کر چکا تو معاویہ نے اس سے کہا: اے ابوسحاق! مجھے یسایہ داؤد کی کرسی اور اس پر کون ہے اسکے بارے میں خبر دیجئے، پھر کیا تھا کعب نے اپنی داستانوں اور خرافات کا سلسلہ پھیڑ دیا کہ جنہیں ہم یہاں نقل نہیں کر سکتے، تفسیر کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں،

ابوایوب نے غلطہ میں کعب سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: زمین کے ساتوں طبقے ایک تھہر رہیں اور وہ تھہر ایک ملک کی تھہلی پر ہے اور ملک ایک مچھلی کے پر پر ہے مچھلی پانی میں ہے اور پانی ہوا پر تھہرا ہوا ہے، یہ ہوا قیم ہے اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اسکے بیگ عرش سے ملتی ہیں،

دہب بن مندہ سے مروی ہے کہ: عرش کو چار ملائکہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے چار چہرہ ہیں، بیل کا چہرہ، شیر کا چہرہ، گرگس کا چہرہ اور انسان کا چہرہ اور ہر ایک چار پروں کا حامل ہے دو پر چہرہ کے اوپر ہیں ان سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے جو عرش کی جانب دیکھے اور گر پڑے تو اس سے

۱۔ مستقل از تفسیر فرزانہ، طبری، ابوسود، شہرہ ری نے تفسیر طبری کے حاشیہ پر نقل کی ہے ج ۲ ص ۸۷،

سنبھالا جاتا ہے، اس ملک کذابان پر صرف قہقی ملک القوی ہی رہتا ہے۔
 رسولؐ سے زمین کے بارے میں دریافت کیا گیا، کیا سات ہیں؟ فرمایا: ہاں آسمان سات ہیں اور یہ آیت پڑھی: اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلن۔ ایک شخص نے کہا: کیا ہم زمین کے پہلے طبقہ پر ہیں؟ فرمایا: ہاں اور دوسرے طبقہ پر وہ مخلوق ہے، جو صرف اطاعت کرتی ہے مصیبت نہیں کرتی ہے اور تیسرے طبقہ پر بھی مخلوق ہے، چوتھے طبقہ پر چکنا پتھر ہے، پانچویں پر تھوڑا پانی ہے، چھٹے پر کنکریاں ہیں اسی پر ابلیس کا عرش ہے، ساتویں پر لگے ہے اور گئے مچلی پر ہے اور مچلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے اور ہوا ترٹی پر ہے اور ترٹی سے علم کے حد آخر ہے۔

معاویہ نے یہ آیت پڑھی حتی اذا بلغ مغرب الشمس۔ حتی اذا میں حصہ۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ میں حصہ ہے، کعب و دونوں کے بیچ میں چس گیا اس سلسلہ میں انہوں نے اس سے سوال کیا تو کہا: سورج کچھ زمین میں غروب ہوتا ہے، ایک مرتبہ کہا: سورج زیادہ زمین میں غروب ہوتا ہے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس اور عروبن حاص کے درمیان اس میں فی میں حصہ ہے کہ قرأت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، فیصلہ کیلئے کعب کے پاس گئے۔
 ابن خثعمہ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: حذیفہ کو خبر ملی کہ کعب کہتا ہے آسمان کچی کی طرح ایک محور پر گھومتا ہے، حذیفہ نے کہا: کعب جھوٹ بولتا ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے: یکس السموات والارض ان تدور۔

۱۔ کتب التبیۃ فی رد علی اعلیٰ و جلد و ابدع معلیٰ ص ۱۱۱

۲۔ تاریخ ادب الجزائر ص ۱۵۱

۳۔ سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱، طبع حنفی

۴۔ اصابہ فی تہذیب الصحابہ ج ۵ ص ۲۲۳

حافظ ابن حجر نے روایت کی ہے کہ کعب کہتا تھا: آسمان کا وہ دروازہ جس کو مصدقؑ لگا کر کہا جاتا ہے، بیت المقدس کے روبرو ہے اس سے بعض علماء نے شب معراج آنحضرتؐ کو معراج پر جانے سے قبل بیت المقدس جانے کی حکمت بیان کی تاکہ آپ وہاں سے براہ راست عروج کریں۔
ایسے ہی پہاڑ اعتقادات میں اسرائیلیات کو داخل کر دیا ہے، اس خرافات پر اعتراض کے بعد ابن حجر کہتے ہیں: اس میں تامل ہے اس لئے ہر آسمان پر ایک بیت المعمود ہے اور آسمان دنیا پر کعبہ کا شیعہ ہے مناسب یہ تھا مکہ سے عروج کرتے تاکہ بیت المعمود پر کسی تعویذ کجی کے پہنچ جائے کیونکہ آپ بیت المعمود تک ایک آسمان سے دوسرے کو طے کر کے پہنچے تھے۔
کعب نے روایت کی ہے کہ ایک ملک ہے اگر میں چاہوں تو اس کا نام بتا سکتا ہوں، جس دن سے خدا نے اسے پیدا کیا ہے اسی روز سے قیامت تک وہ اہل جنت کیلئے زیور بناتا رہے گا۔ اگر ان میں سے کوئی ہار یا زیور کا ہر سوجاتے تو اس کی جگہ سے سورج کی روشنی ایسے ہی ماند پڑ جائے گی جیسے سورج کے سامنے چاند کی روشنی غائب ہو جاتی ہے،
کعب سے مجھ پر اس چیز کے بارے میں رجوع کرتے تھے کہ جس کو جانتے تھے خصوصاً جب سے اس نے یہ کہا تھا کہ کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ توحید میں مرقوم ہے، ابو عبد الرحمن بن الحسین نیشاپوری نے ذکر کیا ہے کہ عمر نے کعب سے کہا: — اور شعر کا تذکرہ کیا — اے کعب کیا تم نے توحید میں شعر لکھ دیکھا ہے —؟ کعب نے کہا: میں نے توحید میں اسطیعیل کی نسل میں سے ایسی قوم کا ذکر دیکھا ہے کہ ان کے سینوں میں ان کا انجیل ہے، وہ بتاتی بات کہتے ہیں مثال دیتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ عرب ہیں۔
یونید بن جیب نے روایت کی ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے کعب الاحبار سے پوچھا:

۱۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۶،

۲۔ کتاب السنۃ صوفیہ ابن کثیر، ص ۸،

کیا کتاب خدا میں نہیں اس — دریائے نیل کا بھی ذکر ملا ہے — کعب نے کہا: جی ہاں: قسم اس کی جس نے موسیٰ کیلئے دریا کو شگافہ کیا میں نے کتاب خدا میں دیکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر سال اس پر دوبارہ نازل کرتا ہے، جادوی ہوتے وقت فرماتا ہے: خدائے جباری ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ ایسے جباری ہو جاتی ہے جیسے خدائے لکھا ہے اسکے بعد پھر نیل پر وحی کرتا ہے۔

الاسماء والصفات میں یہی بتی نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے خدا کے اس قول کے بارے میں کہا: الذی خلق سبع سموات وارضیٰ خلصنہ سات زمین ہیں اور زمین پر تہارے بنی کی طرح ایک بنی ہے اور تہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے، نوح کی طرح نوح ہے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہے اور موسیٰ کی طرح موسیٰ ہے، یہاں مثال میں موسیٰ کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ سب کچھ کہتے ہیں: یہی بتی کی روایت ہے کیونکہ اسناد کا صحیح ہونا اس کے متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسناد صحیح ہو ایسے شذوذ و علت ہو جو اس کی صحت کو مانع ہوں ابن کثیر اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: کل ارض فی الخلق مثل مانیٰ ہذہ من آدم کا ذکر دبراہیم کا ابراہیم کہہ رہے ہیں اور دو، اور سیسی، آسمان پر ہیں۔ اگر ابن عباس سے صحیح ہے تو اس پر حل کیا جائے گا کہ یہ انہوں نے اسرائیلیات سے لی ہیں،

مکمل سے مروی ہے کہ کعب نے کہا: جاؤ انبیاء زندہ ہیں جو کہ زمین و آسمان کیلئے امان ہیں ان میں دو، خضر و ایاس زمین پر ہیں اور دو، اور سیسی، آسمان پر ہیں۔

تفسیر طبری میں ہے کہ ابن عباس نے کعب سے — سدرۃ المنتہی — کعب سے میں پوچھا تو اس نے کہا: یہ حاملان عرش کے سروں کے اوپر ہے اور خلعت کے علم کی حد آغوش

۱۔ النجم المہرج اص ۳۳

۲۔ فتح الباری ج ۶ ص ۷۳

اسکے ماوراء کاشی کو علم نہیں ہے، اسی لئے اسے سدرۃ المتقی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ حکم انتہائی ہے، یہ تو کعب نے اپنے دوسرے شاگرد سے کہا تھا، لیکن اپنے پہلے شاگرد ابوہریرہ سے کہا تھا: یہ ایک عورت ہے جس کی جڑوں سے، پانی کے دودھ کی شراب کی اور شہد کی ہنریں ہوتی ہیں، یہ درخت ہے، سوار ستر سال اسکے سایہ میں چلے تو بھی اسکے سایہ سے باہر نہیں نکل سکتا اور اس کا پتہ پوری امت کو ڈھانپ سکتا ہے،

حدیث معراج میں ہے کہ جب خدا نے شب و روز میں اپنے بندوں پر پچاس نمازیں واجب کیں تو موسیٰ کے علاوہ انبیاء میں سے کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ اتنی نمازیں کوئی نہیں پڑھ سکتا، تنہا وہی اسے سمجھے اور محمدؐ کو دسویں بار اپنے رب سے درخواست کرنے کیلئے کہا: ایک حدیث میں پانچ بار اور دوسری حدیث میں ہے کہ دوبار تخفیف کرنے کا مطالبہ کرنے کیلئے کہا، تیسری حدیث میں ہے چند بار تخفیف کیلئے مطالبہ کرنے کو کہا، اور جب بھی آنحضرتؐ نمازیں تخفیف کر کے واپس آئے تو موسیٰ دوبارہ کئی کرانے کیلئے خدا کے پاس واپس بھیج دیتے تھے یہاں تک کہ پانچ نمازیں واجب قرار پائیں،

تعب ہے — جب خدا نے مسلمانوں پر نمازیں فرض کی تھیں کہ اس کے بندے انہیں ادا کر سکیں گے یا نہیں — خدا اس سے بزرگ و بڑتر ہے — ایسے ہی محمدؐ بھی کہ جنہیں تمام لوگوں کیلئے رسول منتخب کیا تھا — اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رات کہاں قرار دے — وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس عبادت کو بندے لہا کر سکیں گے یا نہیں انہیں موسیٰ نے آگاہ کیا،

ملاحظہ فرمائیں ایسے ہی ہمارے دین میں اسرائیلیات داخل ہو گئے ہیں اور ہمارے منتقدان میں سرایت کر آئے ہیں اور انہیں جیسا مل ہو رہا ہے اور کوئی اسے فکرا نہیں سکتا اور نہ انہیں کھونا کہہ سکتا ہے بلکہ — افسوس — اس زمانہ میں حشویہ ان کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ خاتم المرسلین کی طرف جھوٹ منسوب ہوتا ہے اور آج تک کعب الاحبار کو سپرد کہتے ہیں، یہاں ہم اتنی ہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں،

کیا جائز ہے

شرعیات اسلامیہ آئی تو اس سے پہلے کی تمام شریعت منسوخ ہو گئیں اگرچہ اصول عقائد اپنی جگہ باقی رہے اور ان میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی کہ جن کے ساتھ خدا نے اپنے تمام انبیاء کو اپنی غلوئی کے پاس بھیجا تھا اور قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کیا کہ اہل کتاب ————— یہود و نصاریٰ ————— نے اپنے ہاتھوں سے کچھ کتابیں لکھ لی ہیں تاکہ انھیں معمولی قیمت پر فروخت کریں،

اسی لئے رسولؐ نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے ایسی چیز قبول کرنے سے منع کیا تھا کہ جو دین خدا اور اس کے احکام و آداب کے خلاف ہو اور جب آپؐ کسی کو ان ————— اہل کتاب ————— سے کوئی چیز نقل کرتے دیکھتے تو بہت غضبناک ہوتے تھے، امام احمد بن حنبلہؒ نے جابر بن عبد اللہؓ انصاری سے روایت کی ہے کہ عربین خطاب ایک کتاب لیکر رسولؐ کے پاس آئے جو کہ انھیں اہل کتاب سے ملتی تھی اور رسولؐ کے سامنے پڑھنے لگے اس سے رسولؐ غضبناک ہوئے اور فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے! کیا اس میں بہت بلند چیزیں ہیں ————— ہاں قسم اس کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میرا اتباع کرتے، دوسری روایت ہے کہ رسولؐ غضبناک ہوئے اور فرمایا: یقیناً میں تمہارے لئے صاف و شفاف چیز لایا ہوں اہل کتاب سے کوئی چیز معلوم نہ کیا کرو وہ تمہیں کسی چیز کی حق کے ساتھ خبر دیں گے تم اسے جھٹلاؤ گے یا باطل کی خبر دیں گے اور تم اس کی تصدیق کرو گے،

بخاری نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اہل کتاب کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب یہ کہا کرو ہم الشہر اور جو اس نے ہم پر نازل کیا ہے اور جو تم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم مسلمان ہیں،

بخاری نے حدیث زہری سے، ابن عباس سے، روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کسی چیز

کے بارے میں اہل کتاب سے سوال نہ کیا کرو اور تمہاری کتاب جو کہ خذلنے رسول اللہ پر نازل کی ہے، وہ سب سے نئی کتاب ہے تم محض اس کی قراءت کرتے ہو اس کی عظمت نہیں سمجھتے ہو،

یہ بات نہیں بتا دی گئی ہے کہ اہل کتاب نے کتاب خدا میں تحریف کی ہے اور اسے بدل دیا ہے، اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، یہ اس لئے کیا ہے تاکہ اسکے ذریعہ پیسہ کمائیں، کیا تمہیں ان سے سوال کرنے سے قرآن نے منع نہیں کیا ہے۔۔۔۔۔؟ خدا کی قسم ہم نے شخصی شخص کو نہیں دیکھا جس نے تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کیا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے،

ابن جریر نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کبھی بھی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے سوال نہ کرو کیونکہ وہ تمہاری ہدایت نہیں کریں گے بلکہ وہ گمراہ ہیں یا تم حق کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی تصدیق کرو گے!

مذکورہ روایات صحیح ہیں، عقل و دین کے موافق ہیں اور محققین کے نزدیک مشہور ہیں، یہ تجس و ہدایتیں جن میں رسول نے اہل کتاب سے کوئی بھی چیز معلوم کرنے سے منع کیا ہے لیکن بعد میں معاملہ الٹ ہی نہیں گیا بلکہ بعض مسلمان یہودیوں کے کنار و انشوروں کے مسلمان ہو جانے سے دھوکہ کھا گئے، بہت سی حدیث و جوہر آگئیں جن کو انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا یہ احادیث ان۔۔۔۔۔ یہودیوں۔۔۔۔۔ سے سوال کرنے کو سباج کرتی ہیں اور جن چیزوں

سے آپ نے ڈرایا تھا انھیں منسوخ کرتی ہیں، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو عاص نے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا ہے: بنی اسرائیل سے روایت کیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

واضح ہے کہ ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو، کعب الاحبار کے شاگرد تھے، روایت میں یہاں تک بیان ہوا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو اہل کتاب کے علوم میں غرق تھا ان میں سے حدیث نقل کرتا

تھا، ابن حجر نے اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمرو جنگ یرموک میں شریک ہوا اور وہاں سے دو اونٹوں کا بار کٹا میں لایا ان ہی سے حدیث بیان کرتا تھا، اس لئے ائمہ تابعین میں سے بہت سے اس سے حدیث لینے میں اجتناب کرتے تھے۔

اجبار یہود سے بعض صحابہ کی روایت

صحابہ اہل کتاب میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر انشاء زیادہ اعتبار کرتے تھے کہ ان کی ہر بات کی تصدیق کرتے تھے اور وہ جو غلط یا باطل تھے ان سے نقل کرتے تھے، رجال حدیث نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ، عبادر الشامہ، یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو اور عبد اللہ ابن عمرو، ابو ہریرہ، معاویہ اور انس وغیرہ کتب الاجار اور ان کے بھائیوں سے روایت کرتے تھے اور ابو ہریرہ سب سے زیادہ کتب پر اعتماد کرتا تھا اور اس سے حدیث نقل کرتا تھا اس کا مطلع تھا، جیسا کہ ابو ہریرہ کی تاریخ سے جو ہم نے اپنی خاص کتاب، شیخ المصنف، میں جن کی ہے، آپ پر یہ بات عیاں ہو سکتی ہے ملاحظہ فرمائیں،

جیسا کہ سیدہ جلیلہ ام کلثوم نے کتب الاجار کیلئے کہا تھا، یہ یہودی، اپنے شیطانی ہتھکڑیوں سے دین میں خرافات و اوهام اور جھوٹ داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا، تفسیر و تاریخ اور حدیث کی کتابیں ان چیزوں سے مملو ہیں، اس سے دین کی صورت ہی بگڑ گئی اور اس میں شک کیا جانے لگا، اس سے ہمیں بہت نقصان پہنچا ہے ان میں سے کچھ چیزیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اگر انہیں بالاستیعاب بیان کریں تو اسکے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے،

صحابہ کو جھٹلاتے ہیں

جیسا کہ آپ جانتے ہیں صحابہ شروع شروع میں کعب پر بہت اعتماد کرتے تھے لیکن کچھ دنوں بعد بعض صحابہ اس کے کذب کو سمجھ گئے اور اس سے اعتبار راہ گھ گیا اور اس کی حدیثوں میں شک کرنے لگے، بلکہ اس کی تکذیب کرنے لگے، بعض صحابہ جیسے ابو ہریرہ اور عبداللہ وغیرہ اس کی تصدیق کرتے رہے اور مرنے دم تک اس سے حدیث نقل کرتے رہے،

عمرؓ نے کعب کو حدیث بیان کرنے سے منع کیا تھا اور اس کے شہر میں واپس صبح کی دھمکی دی تھی اور اس سے کہا تھا: یا تو حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تیریں ارض قرہ پر پہنچا دوں گا، علیؓ فرماتے تھے: یہ کذاب ہے،

بخاری نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حمید بن عبد الرحمن نے معاویہ کو قریش کے ایک قبیلہ سے حدیث بیان کرتے اور کعب کا ذکر کرتے ہوئے سنا: معاویہ نے کہا: اہل کتاب کے ٹھنڈین میں سے یہ سب سے زیادہ سچا ہے، ہم نے اس سے جھوٹ نہیں دیکھا ہے،

ابن ابی خثیمہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے کہا: حذیفہ کو یہ خبر ملی کہ کعب یہ کہتا ہے: آسمان کچی کی طرح ایک محو پر گردش کرتا ہے، حذیفہ نے کہا: کعب جھوٹ بولتا ہے، خداوند عالم تو فرماتا ہے: **و ان اللہ یسک السموات والارض ان تزولا**

اور ابن عباس نے شام سے آنے والے ایک آدمی سے کہا: تم نے کس سے ملاقات کی؟ کہا: کعب سے، ابن عباس نے کہا: اور اس سے کیا سنا ہے، کہا کہتے ہیں: آسمان ایک فرشتہ کے

کندھے پر گھومتا ہے، ابن عباس نے کہا : کب جھوٹ بولتا ہے ، کیا ابھی تک اس نے اپنی ہیرویت نہیں چھوڑی ہے ————— یہ پھر یہ آیت پڑھی : ان اللہ یک السموات والارض
اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں لیکن ہم اتنی ہی پر اکتفا کر کے ہیں ،

عمر اور کعب

جب ماہ ربیع الثانی ۱۹۷۱ء میں ایلیا اور اس کی سرزمین کو غرنے فتح کر لیا اور عربیت المقدس میں داخل ہوئے تو کعب کو بلایا اور اس سے کہا: تمہارے لحاظ سے بھی کس طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔۔۔۔۔؟ کعب الاجار نے کہا: صحفرہ کی طرف رخ کر کے، غرنے اس سے کہا: اے کعب صحفرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یہودیت سے مشابہ ہے، روایت میں ہے کہ: یہودی کے بیٹے یہودیت تمہارے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے، میں اسے صدر مسجد میں رکھوں گا، کیونکہ ہمارے نئے صدر مساجد بہترین جگہ ہے، میں نے تمہیں جو تا اتارتے ہوئے دیکھا: اس نے کہا: مجھے یہ پسند تھا، اسے اپنے قدموں سے مس کرو اور جب بیت المقدس کو وہی کنا سہ کو صاف کیا جانے لگا جنہوں نے روم والوں نے وہاں نصب کیا تھا تو غرنے اپنے پیچھے سے بکیر کی آواز سنا، غزہ ہر چیز میں تقیہ صحیح نہیں سمجھتے تھے ہذا چو کہ یہ کیا ہے۔۔۔۔۔؟ لوگوں نے کہا: کعب نے بکیر کھی ان کے ساتھ لوگوں نے بکیر کھی ہے، غرنے کہا: میرے سامنے جاؤ! کعب نے کہا: اے امیر المومنین آپ نے جو کام آج انجام دیا ہے اسکی خبر پانچ سو سال قبل نبی نے دی تھی!! کہا وہ کیسے۔۔۔۔۔؟ کعب نے کہا: روم نبی اسرائیل کو لوٹنے کا ان پر فتح پانے کا اور انھیں دفن کرے گا اسی طرح وہ شہر پر قابض حاکم رہیں گے یہاں تک

کہ خدا کناہ میں ایک بنی کو بھیجے گا پھر کہا: تیرے اندر کی چیزوں کو فاروق نکال کر پھینکیں گے دوسری روایت میں ہے کہ تیرے پاس ایک طبع شکر کے ساتھ فاروق آئیں گے اور روم والوں سے تیرے باشندوں کے خون کا انتقام لیں گے،

یہ خرافات وہیں جو اس جھوٹے دجال کی من گڑھت ہے،

بیت المقدس کا محضرہ تھمر و عثمان کے زمانہ خلافت میں جب تک شام میں ان کی حکومت رہی کھلا رہا، ایسے ہی حضرت علیؓ کے بعد خلافت میں بھی رہا اگرچہ وہاں آپ کی حکومت نہ تھی ایسے ہی معاویہؓ، اسکے بیٹے اور اسکے پوتے کی بادشاہت میں بھی پتھر کھلا رہا لیکن جب عبدالملک اور عبداللہ ابن زبیر کے درمیان جنگ چھڑی، اور جو ہونا تھا ہوا، تو عبدالملک نے اس پتھر پر قبہ تعمیر کرا دیا اور اس قبہ کی عبدالملک نے خوب شان بڑھائی اور گرمی و سردی کے زمانہ میں اس پر چڑھ ڈولے، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ بیت المقدس آئیں اور ابن زبیر کی طرف نہ جا سکیں لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں، اس وقت سے اس پتھر کی زیادہ تعظیم ہونے لگی جبکہ پہلے مسلمان اسے جانتے بھی نہیں تھے پھر بعض لوگوں نے اس کی عظمت کے بارے میں اسرائیلیات کو نقل کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ بعض نے عبدالملک بن مروان کے پاس کعب الاحبار سے یہ بھی نقل کر دیا کہ، عروہ ابن زبیر وہاں موجود تھا، اللہ تعالیٰ نے عروہؓ، پتھر کے بارے میں فرمایا ہے: تو میرا چھوٹا عرش ہے بعض لوگوں نے تو بیت المقدس اور شام کی بعض سرزمینوں کے فضائل کے سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی ہیں اور اہل کتاب ان سے نقل کرنے والوں سے وہ چیزیں نقل کی ہیں کہ مسلمانوں کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے دین کو ان پر استوار کریں اور جن سے وہ اسرائیلیات نقل ہوئے یہی اللہ میں نمایاں کعب الاحبار ہے اور شامیوں نے اس سے بہ پناہ اسرائیلیات اخذ کئے ہیں،

سبط ابن جوزی کی کتاب مرآۃ الزمان

انہوں نے ان چیزوں میں توقع کیا، جو کعب الاحمد نے رسولؐ سے نقل کی تھیں کیونکہ وہ عارفوں کے زمانہ میں مسلمان ہوا تھا اور وہ دژہ برساتے تھے اور اس سے کہتے تھے: ہم اپنی یہودیت سے معاف رکھ،

بیت المقدس کی فضیلت

کعب کہتے ہیں: خدا نے زمین کی طرف دیکھا: میں تیرے اوپر چلنے والوں اس پر پاؤں نے خود کو پیش کیا، محض وہ پتھر نے انکساری ظاہر کی، خدا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس پر اپنا قدم رکھا،

نیز کہا: حساب و کتاب بیت المقدس میں ہوگا، بیت المقدس میں دفن ہونے والوں پر عذاب نہیں ہوگا،

اسی کا قول ہے آسمان سے بیت المقدس کا فاصلہ اٹھارہ میل ہے یہی حشر و نشر کی سرزمین ہے،

کعب ہی کا کہنا ہے: قیامت اسکے بعد آئے گی جب بیت الخرم، کعبہ بیت المقدس کی زیارت کرنے کا اور پھر دونوں جنت میں جھک جائیں گے جبکہ ان کے ماننے والے ان کے اندر ہوں گے، پھر کہتا ہے: بیت المقدس کے بارے میں، توریت میں، خدا کا قول ہے:

تو میرا اونی عرش ہے تجھ سے میں آسمان کی طرف بلند ہوتا ہوا تیرے نیچے سے میں نے زمین بچائی

پہاڑوں کی بلندی سے تو کچھ بہتا ہے وہ تیرے صدقہ میں ہے۔

کعب الاحبار کے شاگرد ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسولؐ کا ارشاد ہے: ساری نہریں بادل، دریا اور ہوا، بیت المقدس کے پتھر کے نیچے ہیں،

کعب کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے فرمایا: تو میرے شہر ہوں سے میری

جنت صفوت اور میری خداست ہے، تجھ میں بسنے والا میری رحمت میں ہے اور جو تجھ سے نکلا اس پر میرا غضب ہے،

کعب سے روایت ہے کہ: بیت المقدس میں ایک روز گزرنے کی فضیلت ہزار دنوں کی فضیلت کے برابر ہے اور وہاں کے ایک ماہ کی فضیلت ہزار ماہ کی فضیلت کے برابر ہے اور وہاں کے ایک سال کی فضیلت ہزار سال کی فضیلت کے برابر ہے جس نے تیرے اندر وفات پائی گویا اس نے آسمان میں وفات پائی اور جس نے اس کے جوار میں انتقال کیا گویا اس نے بیت المقدس کے اندر انتقال کیا۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: بیت المقدس کے ماننے والے اللہ کے ہمسائے ہیں، اور اللہ کا حق ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں پر عذاب نہ کرے اور جو بیت المقدس میں دفن ہوا وہ قبر کے فشار اور ابتلا سے محفوظ رہا،

حدیث میں ہے: میری امت میں سے ایک گروہ حق کی حمایت کرے گا، ان کی نکتہ کرنے والے انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ خدا اپنا امر نافذ کرے گا، اور وہ لوگ بیت المقدس اور اس کے اطراف میں ہوں گے،

افغانستان کے صوبہ ہرات کے خزاندار اس کے پرنسپل علامہ استاد نعمت اللہ سلوونی نے ہماری کتاب ”حدیث سے دفاع“ پر تقریظ لکھتے ہوئے رقم کیا ہے،

شام کی فضیلت میں مروی احادیث کے بارے میں میں اعتراف ہے کہ ان میں سے اکثر میں اسرائیلیات شامل ہے، اس سلسلہ میں بعض کتب میں روایت ہے کہ جو شخص مسجد اقصیٰ سے حج کو جائیگا خدا اس کو گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کو بخش دے گا،

یہ روایت باوجودیکہ مسجد اقصیٰ کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے، لیکن احادیث کی طرف

بھی کھینچتی ہے، اور فستق و معاصی کے دروازے بھی کھولتی ہے،

اسی طرح یہودیوں نے یہ خرافات بھی اسلام میں داخل کر دی ہیں کہ بعض آسمان چاند کے ہیں بعض زبرجود کے ہیں اور سیارے آسمانوں میں اسی ترتیب سے فٹ میں جو یونانی کتب میں مذکور ہوئی ہے، مثلاً چاند آسمان دنیا میں جڑا ہوا ہے اور عطارد دوسرے آسمان میں فٹ ہے، ایسے ہی ساتوں سیارے مرکز ہیں، اور آسمان کو کوہ قاف کے اوپر رکھا گیا ہے، جو کہ زمین کا احاطہ کرتے ہوئے ہے اور زمین اس گائے کے گنگ پر لگی ہوئے ہے جو پانی میں تیرتی ہوئی پھلی پر قائم ہے، اور ان خرافات کو بعض سیرت و تفسیر کی کتابوں میں درج کر دیا گیا ہے،

یہ سب علماء کی غفلت اور دشمنانِ دین کی دسیہ کاریوں سے ان کی بے اعتنائی کی وجہ

سے ہوا ہے،

مسجد اقصیٰ

صدر اسلام میں مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ کی فضیلت کے بارے میں صحیح حدیثیں ہیں لیکن، جب قبۂ صخرہ بن گیا تو پھر اس قبۂ اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت سے متعلق احادیث بھی سننے آنے لگیں،

ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ: زاد سفر زباندھو! مگر تین مسجدوں، میری اس مسجد، مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کیلئے،

دوسری روایت میں ہے صرف تین مساجد، کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلہا کی طرف سفر کرو،

مالک نے موطا میں، اور سلم نے اپنی کتاب میں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد الحرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے،

انہی سے مروی ہے: مسجد نبوی میں ایک نماز، مسجد اطہم کے علاوہ دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، ایک اور روایت میں ہے ”میری مسجد کی ایک نماز، مسجد اطہم کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے، ابوہریرہ سے مروی ہے، میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد اطہم کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے،

ابن عباس سے مروی ہے: ایک عورت کو ایک مرض لگ گیا اس نے کہا: اگر خدا مجھے شفا عطا کرے گا تو میں ضرور جاکر بیت المقدس میں نماز پڑھوں گی، چنانچہ اسے شفا مل گئی تو اسے سفر کا قصد کیا، اور زوج رسولؐ میمونہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو سلام کیا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو میمونہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ جو تم نے تیار کیا ہے اسے کھاؤ اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھو! کیونکہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، ہاں مسجد کعبہ اس سے مستثنیٰ ہے، اگر مسجد اقصیٰ کے بارے میں وہ احادیث وارد ہوئی ہوتیں تو میمونہ نے اس عورت کو نذر وفا کرنے سے کیوں منع کیا تھا۔ ۹۔

شام کی فضیلت میں یہودیت کا ہاتھ

اس سے قبل ہم یہ بیان کر چکے ہیں اس بات کو شہرت دینے میں یہودیوں کے کاہنوں کا بڑا ہاتھ تھا کہ متفرق شہر تلہم بنی کا ملک یوگا اس کا سبب وہ امر تھا جو ان کے نفوس میں خفی تھا، یہاں ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تلہم کو یہ شہرت و فضیلت اس وقت حاصل ہوئی جب حکومت یسوعؑ کے ہاتھ میں آئی، بنی امیہ کی حکومت نے عادل خلافت کو کاٹ کھانے والی بادشاہت میں تبدیل کیا تھا اور اس کے دور میں اسلامی فرقہ وجود میں آئے کہ جن سے اسلامی حکومت کی طاقت پر اگندہ و متفرق ہو گئی اس کے

زمانہ میں وضع حدیث کا بازار گرم ہوا، ظاہر ہے کہ اس سہرے موقع سے یہودیوں کو فائدہ اٹھانا ہی چاہیے تھا، اور فتنہ کی آگ بھڑکانا ہی چاہتے تھے، لارورورغ و مکر کے جال بچھانا ہی چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے فائدہ اٹھایا، تمام اہل تشیع کی فضیلت میں خوب مبالغہ سے کام لیا، ساری فضیلتیں تشیع میں ہیں اور تمام ضرورہ گزشتہوں میں ہیں،

یہ تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ان کا ہنوں نے کہا ہے کہ عنقریب تشیع رسول کا ملک ہوگا اور معاویہ کا یہ گمان تھا کہ رسول نے اس سے فرمایا ہے کہ عنقریب میرے بعد تمہیں خلافت ملے گی اور اس سے یہ فرمائش کی تھی کہ تم اس مقدس کو اختیار کرنا جہاں ابدل ہیں، اب ہم مسلمانوں اور ان کے دین و حکومت کے خلاف یہودیوں کے چالاک وزیر کے لوگوں کی سازش سے پردہ اٹھاتے ہیں، انہوں نے اس کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ انہوں نے ایک گروہ کو حق پر کامیاب بنادیا جو شام میں ہوگا یہاں تک کہ ہدایہ عیسیٰ بھی شام ہی میں نازل ہونگے،

صحیحین میں روایت ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور جو انہیں ذلیل کریگا اور ان کی مخالفت کرے گا اس سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا، یہاں تک حکم خدا آجائے اور وہ اپنی حالت پر باقی رہیں گے۔ بخاری کہتے ہیں کہ وہ شام میں ہیں،

مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول نے فرمایا: اہل مغرب ہمیشہ حق پر رہیں گے وہاں تک کہ قیامت آجائے گی، احمد وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ شام والے ہیں،

جب اندلس فتح ہو گیا تو لوگوں نے اسے اس حدیث کا حلاق قرار دیا اور ان کے شہر بل پر اس حدیث کا طلاق کرنے لگے، الجمع فی تفسیر اخبار المغرب، میں سعد بن ابی وقاص سے منقول ہے کہ رسول نے فرمایا: اہل مغرب ہمیشہ حق پر رہیں گے، اور انہیں ذلیل کرنے والا انہیں کوئی نقصان

ابو امامہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ بہت مقدس اور اس کا اطراف ہے، نہایت لار ب ج اس سرور،

نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک قیامت آجائے گی۔

کشف الغطاء میں ہے کہ کعب الاحمد نے کہا: اہل شام اللہ کی تلواروں میں سے تلوار ہیں، ان کے ذریعہ اللہ سرکشوں سے انتقام لیتا ہے، شاید یہاں سرکشوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاویہ کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئے تھے اور اسکے مخالف کے تابع تھے اور اسکے مخالف علی رضی اللہ عنہ تھے مروہ بن روم کا کہنا ہے کہ ایک شخص نے کعب الاحبار سے ملاقات کی انھیں سلام کیا تو انہوں نے اسے دعا دی، کعب نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا طلق شام سے ہے، کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں کے لشکر میں سے ہو جن میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا، اس نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل دمشق ہیں، اس نے کہا میں ان میں سے نہیں ہوں، کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی طرف خدا دن بھر میں دوبارہ دیکھتا ہے، اس نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل فلسطین ہیں، اس نے کہا: ہاں میں ان ہی میں سے ہوں، ایک روایت میں ہے کہ کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جن کا ایک شہید ستر ہزار کی شفاعت کرے گا۔ اس نے کہا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل حمص ہیں۔

کعب کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد دئے زمین پر جو دیوار بنائی گئی وہ حران و دمشق کی دیوار تھی پھر بابل کی دیوار بنائی گئی۔

کعب ہی کا کہنا ہے کہ جب لوگوں کی طرف آگ بڑھے گی جب تم اس آگ کے بائیں سے ستر ہزار کی طرف سفر کرنا، ابن عمر کعب کے شاگرد ہیں سے ایک ہیں،

۱۵ ص ۱۵

۱۶ ص ۱۶

۱۷ ص ۱۷

سیوطی کی جامع الصغیر میں ہے :

ثمام خدا کے برگزیدہ شہر مدین سے ہے وہاں ایک برگزیدہ و منتخب بندے ہی جاتے ہیں پس جو ثمام چھوڑ کر دوسرے شہر جاتا ہے اس سے خدا ناراض اور خوشام جاتا ہے اس سے خوش ہو جاتا ہے، خوش قسمت ہے ثمام کہ اس پر دشمن نے اپنی رحمت کے دروازے کھول رکھے ہیں، خدا قیامت کے روز ضرور ثمام کے شہر محسوسے ستتر ہزار لوگوں کو حساب کے بغیر اٹھائے گا اور ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا انھیں ریتوں و حائط کے درمیان سے اٹھائے گا... الخ،

شہر محسوس کی اتنی عظمت ہونا ہی چاہیئے ————— قیامت میں بھی ————— کوئی دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ مدینہ رسول بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کا ہنوں نے ————— کہ جن سے بہت سے کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے شیوخ گئے جاتے ہیں ————— محسوس کی عظمت دی ہے اس سلسلے میں ہمارے پاس جو معلومات ہیں انھیں بیان کر کے بحث کو طول نہیں دینا چاہتے، جو بیان کیا ہے وہی کافی ہے،

اسرائیلیات کے بارے میں محققین کا نظریہ

اسرائیلیات کی بحث کو ختم کرنے سے پہلے، جو کہ میرے اوپر اسلامی فرض ہے، آپ کے سامنے ان کا ہنوں کے بارے میں جنہوں نے اسلام کی نقاب ڈال رکھی تھی، جن کی روایات کا اقتدار نہیں ہے، ائمہ مسلمین میں سے محققین کے بعض اقوال کو پیش کرتے ہیں،

بیت المقدس اور ثمام کے دوسرے علاقوں کے بارے میں جو اسرائیلیات بیان ہوئے ہیں ان کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں :

بعض لوگوں نے بیت المقدس اور ثمام کے دوسرے علاقوں کے فضائل کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اور ان کتابوں میں اہل کتاب سے منقول چیزیں نقل کی ہیں جبکہ مسلمانوں کیلئے یہ جائز

نہیں تھا کروانے دین کی بنیاد ان کی میان کردہ چیزوں پر رکھیں، جن لوگوں نے اسرائیلیات بیان کیا ہے ان میں سے کعب الاحبار کو شمال کے طور پر پیش کیا ہے، شامیوں نے کعب الاحبار سے بہت سے اسرائیلیات نقل کئے ہیں، معاویہ کہتا ہے: ہم نے اہل کتاب میں سے ان محدثین میں کعب جیسا نہیں دیکھا ہے اگرچہ کبھی کبھی ہم نے اس کا جھوٹ بھی پکڑا ہے، اور صحیح حدیث میں رسولؐ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب اہل کتاب تمہارے سامنے کوئی حدیث بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرنا اور نہ تکذیب ہو سکتا ہے کروہ تمہارے سامنے کوئی باطل حدیث بیان کریں اور تم اس کی تصدیق کر بیٹھو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے سامنے کوئی صحیح حدیث بیان کریں اور تم اس کی تکذیب کے ترکب ہو جاؤ۔

تعب ہے محفوظ و مضمون شریعت یہ معصوم امت جو کبھی گمراہی پر چلے نہ ہوگی، جب تابعین میں سے اہم اشخاص جیسے عطاء بن ابی رباح حسن بصری اور ابو عالیہ وغیرہ رسولؐ کی حدیث نقل کرتے ہیں، تو اہل علم ان کے مراسیل پر توقف کرتے ہیں بعض مطلق طور پر رد کرتے ہیں، بعض چند شرائط کے تحت قبول کرتے ہیں آخر میں کہتے ہیں: جیکہ ان راویوں اور رسولؐ کے درمیان ایک شخص یا دو اشخاص یا تین سے زیادہ نہیں ہیں،

آج کل مسلمانوں کی کڑنوں میں جو احادیث پائی جاتی ہیں جنہیں صاحب کتاب نے نقل کیا ہے وہ سب ہیں، اتفاقی طور سے انہیں صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا — تو کعب الاحبار کی انبیاء سے نقل کردہ احادیث کو کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے — پھر کعب اور اس نئی جماعت کے درمیان کم و بیش پڑ سال کا فاصلہ ہے جس سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں اور کعب ثقہ کے بعد ثقہ سے نہیں پتہ ہیں بلکہ وہ زیادہ

اس صحیح حدیث سے خود نبوت ساطع ہے، لیکن کعب الاحبار کے شاگرد عبداللہ بن عمرو بن العاص رسولؐ سے یہ حدیث نقل کرتا ہے، محمدؐ سے نقل کرواؤ ایک ہی آیت، اور بنی اسرائیل سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں ہے پھر حکم نئی مخالفت کرتا ہے آپؐ کو فضیلت کرتا ہے اور اپنے چھوٹے سے حدیث بیان کرتا ہے،

印

۱۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۲۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۳۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۴۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۵۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۶۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۷۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۸۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۹۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔
 ۱۰۔ اے اللہ! میں نے تجھ کو سب سے پہلے
 سجدہ کیا، تو تجھ نے مجھ کو انسان بنا دیا۔

علم کی بہتات کذب کی نفی نہیں کرتی ہے ان لوگوں کی نظریں وہ علم کا دریا تھا، وہ نور سے روایت اور اپنی قوم کی دوسری کتابوں سے روایت کرتا تھا تاکہ اس کی قبولیت ہو جائے اسمیں شک نہیں ہے کہ اپنے اسلام سے قبل وہ یہودیوں کا دکھا ترین عالم تھا اور اپنی روایت کے ذریعہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں ان سب سے زیادہ قوی تھا،

نیز لکھتے ہیں کتب یہودیوں کے ان زندقوں میں سے تھا جنہوں نے دین میں اپنی بات تسلیم کرنا کی غرض سے اسلام و عبادت گزاری کا دھوکہ رچا یا تھا، چنانچہ اس کا حیلہ کارگر ہوا کہ بعض صحابہ تک کو کھا گئے اور اس سے روایت کرنے لگے اور خبر اسناد کے اس کے قول کو ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے یہاں تک کہ بعض تابعین اور ان کے بعد والے یہ گمان کرتے تھے کہ اس کے اقوال کو انہوں نے رسول سے سنا ہے، اور بعض مؤرخین نے ان اقوال کو ان موقوفات میں داخل کر دیا ہے جن پر مرفوع کا حکم نافذ ہوتا ہے جیسا کہ حافظ کشمر نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر تحریر کیا ہے تا

کتب جہوت کا پلندہ تھا مجھے اسکے کذب کا یقین ہے، بلکہ اس کے ایمان کا بھروسہ نہیں ہے تا کتب و دہب دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں تا

ان اسرائیلیات کے بدترین راوی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے اور تبلیغ کرنے والے یہی دونوں تھے، امویوں و مکیوں کے امور، انبیاء، ان کی قوموں، فتنے، قیامت، اور آخرت سے متعلق جتنے احمد کتب تفسیر اور اسلامی تاریخیں تبلیغ گئے وہ سب ان تہ کے بیان کردہ ہیں ضرب المثل شہر ہے کہ ہر راوی میں بنی ثعلب کے نقش قدم ہیں، اس بات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ ان دونوں کے بیان کو اخبار سے بعض صحابہ اور تابعین کو دھوکہ ہوا ہے، جھوٹ کی تصدیق سے کوئی شخص اور نہ معصوم رسول

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۵۷،

۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۴۹۷،

۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۷۸۳،

میں سے کوئی محفوظ نہیں ہے، کیونکہ عصمت صرف تبلیغ رسالت اور اس پر عمل کرنے سے متعلق ہے اور رسل تبلیغ میں مصوم ہیں اور اس چیز پر عمل نہیں کر سکتے جو ان کی شریع کے منافی ہے کیونکہ وہ چیز قیادت کے منافی ہے اور اس سے جنت نہیں قائم ہو سکتی لیکن جب رسولؐ کسی کاذب کی اس امر میں تصدیق کرے گا کہ جو خود رسولؐ یا اسکے عمل سے یا امت کی مصلحت سے متعلق ہوگا تو خدا اپنے رسولؐ کیلئے وضع کردے گا جیسا کہ آنحضرتؐ کی بعض ازواج کی گفتگو سے خدا نے آپؐ کو آگاہ کر دیا تھا، سورۃ تہیم کی ابتدا میں اس کا ذکر موجود ہے، خدا نے اپنے رسولؐ کو خبردار کیا تو بیوی نے پوچھا: قالت من انباء هذا؟ یہ آپؐ کو کس نے بتایا ہے، رسولؐ فرماتے ہیں: مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے یعنی ملک عصمت سے رسولؐ ان کی سازش کو نہیں جانتے تھے بلکہ خدا نے سازش بنا جانے کے بعد وحی کی تھی اسی طرح خدا نے آپؐ کو ان منافقین کی حالت سے باخبر کیا تھا کہ جنہوں نے آپؐ پر جھوٹ باندھا تھا اور جنگ تبوک میں آپؐ کے ساتھ جانے سے مندرت کی تھی، اے رسولؐ! خدا نے آپؐ سے درگور کیا کہ آپؐ نے کیوں انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت دی یہ معلوم کئے بغیر کہ ان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے،

نزد قاتی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں: جو کچھ صحابی سے نقل کیا جاتا ہے اس میں رائے دہی کی گنجائش نہیں ہے، اس پر توقف کرنا چاہئے اس کا وہی حکم ہے جو مرفوع کا ہے اگر یہ احتمال ہو کہ صحابی نے اسے حسن ظن کی بنا پر اہل کتاب سے خبر نقل کی تھی تو یہ نظریہ باطل ہے، اسے ہم اپنے دین میں قائم و اصل نہیں قرار دے سکتے، اور اس کی انہوں نے جو علت بیان کی ہے وہ بھی باطل ہے کیونکہ حسن ظن کا یہاں کوئی موقع محل نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ طبیعت بشریہ ہے کہ وہ ہر اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں جس کے قائل متہم نہ ہو اور خود خبر بھی باطل نہ ہو۔۔۔ کیونکہ جب بعض صحابہ نے کعب اللجاء کے ان مغتربات کی تصدیق کر دی جن کے بارے میں انہیں یہ وہم تھا کہ یہ کعب نے تورات یا انبیاء بنی اسرائیل کی دوسری کتابوں سے نقل کی ہیں تو ان کے بارے میں سوہ ظن نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن جب اسرائیلیت کے یہ خرافات، اسلام سے روکنے لگیں اور زبان و قلم سے ان پر طعن ہونے لگے،

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ان لوگوں سے مروی ہیں کہ جن کے اقوال و آراء نہ دینی نفس پرورد
و شرعی اور خواہ وہ علامہ سلف ہی سے ہوں تو پھر ملحدین اور اسلام و مسلمین کے ان دشمنوں کے مقابل ہمارا کیا
موقف ہونا چاہیے جو دوسرے دیوان کے مبلغ تھے و ہم یہ لکھتے ہیں کہ جب ان اسرائیلی خرافات کے
بعض راوی صحابہ میں سے ہوں تو وہ مرفوع حدیث کے زمرہ میں آجاتی ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہو
جاتا ہے؟ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دواۓ اسلام سے روکنے اور اس پر طعن کیلئے بہت وسیع ہے، اگر
قرون وسطیٰ کے متقدمین میں سے کوئی مذاقانی سے بڑا بھی یہ دواۓ کھوتا تو بھی بند کر دیتے اور اس سے بکتے
علامہ اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرفوع حدیث میں دفائن اتوال کے سلسلہ میں احتمال پیدا ہو جائے
تو وہ اسکو محل قرار دیدیتے ہیں اور اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے،

یہ احتمال اس سے اطلاق ہے کہ موقف کو مرفوع نہ کہا جائے اور اسے شرعی دلیل قرار دیا جائے
مردم فرماتے ہیں: ایک تہائی صدی کہ جس کو ہم نے گفتگو اور تحریر کے ذریعہ شبہات کو دور
کرنے اور ملحدین و دشمنان اسلام وغیرہ سے مناظرہ میں گزارا ہے، کے بعد ہم پر یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ
تفسیر و قصص و تاریخ کی کتابوں میں کتب و وہب کی مرقوم روایات میں صرف ملحدین و مدقین ہی کیلئے
شبہات نہیں ہے بلکہ مثنیں کیلئے بھی بہت سے شبہات ہیں جن کا نقل نظر یہ ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں
کرتے ہیں: کہ جسکو جہود کے رجال جرح و تعدیل نے عادل کہہ دیا، وہ عادل ہے، اگرچہ ان کے بعد والوں
نے انہیں جرح کے ایسے اسباب ظاہر ہوں جو انگوں کیلئے ظاہر نہیں ہوتے تھے،

مردم فرماتے ہیں: ہم نے ان دونوں — کتب و وہب — کی
روایات میں ایسی بہت سی چیزیں دیکھی ہیں کہ جنکے جھوٹ ہونے کا ہمیں پورا یقین ہے کیونکہ یہ جو چیزیں
کرتے ہیں اسے کتب انبیاء میں سے توریت وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اسلئے ہمیں انکے جھوٹے
ہونے کا یقین ہے اسکو اگلے لوگ نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ اہل کتاب کی کتابوں سے مطلع نہیں تھے اور
ان دونوں — کتب و وہب — کی روایات میں نقص نکالنے سے بہت سی اسلامی
کتب خصوصاً کتاب خدا کا تفسیر سے شبہات دفع ہو جائیں گے،

اسی طرح ان دونوں کی روایت کے بارے میں کہتے ہیں: ان میں سے زیادہ تر اسرائیلی خرافات ہیں کہ جس نے تفسیر وغیرہ کی کتاب کی حیثیت برباد کر دی ہے یہ اسلام کا کمزور نقطہ ہے جس سے اسکے دشمن ملحدین اس کے خلاف یہ جہت قائم کرتے ہیں، اسلام بھی دیگر ادیان کے مانند خرافات و اوهام پر مبنی کا دین ہے جبکہ اس میں خرافات نہ تھی، اسلام میں اس سے بڑا شبہ و شک پیدا ہو گیا کہ جب کو کعب نے بنی کی صفت میں توریت سے بیان کیا ہے،

باوجودیکہ ائمہ تحقیقین نے ان دونوں کا ہنول کی روایت میں نقص نکالا ہے، لیکن افسوس تلج بھی ہمارے درمیان ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جبکہ حق پر اٹھا کرتے ہیں اور ان کی روایت کردہ چیز کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی بات پر کان نہیں دھرتے ہیں،

سیاسی فریب

اسلام و مسلمین کے زور جو رازش کی اس کو بخوبی بیان کرنے کی خاطر ہم ذہین و چالاک یہودیوں کے کڑوت کا دوسرا پہلو واضح کرتے ہیں، یہ سیاسی پہلو ہے، یقیناً وہ جنگ میں اسلام کو دینی و سیاسی، لحاظ سے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتے تھے دینی پہلو کو وہ جس طرح کمزور کرتے تھے اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہاں ان کی ایک چھوٹی سی سیاسی چنگاری بھی ہے،

عبداللہ ابن سبا

رفیق الغنیم کہتے ہیں:
فتنہ کا جو بیج اسلامی مملکت کے اطراف اور اس کے مصر و کوثر اور لبرہ، جیسے

مرکزی شہروں میں بویا گیا اس کا سبب عبداللہ بن سہل المعروف بہ ابن سہل کی خفیہ تنظیم تھی۔
عبداللہ ابن سہل حمیر کا یہودی تھا، جو اپنی خفیہ تنظیم کے ساتھ جہد عثمان میں سلمان ہوا تھا یہ دو کلمہ کا نام
دینا چاہتے تھے،

یادنی اعتبار سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا، یا سیاسی لحاظ سے پر اگندہ کرنا،
یہ فتنہ مسلمان ہونے کے بعد پھر یہاں تکیم بن جلد العہدی کے پاس گیا اس نے کچھ لوگوں کو اس کے
پس جمع کر دیا تو اس نے انہیں اپنی تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دی، انہوں نے دعوت قبلہ کو لے
اس کی فعالیت کی ابن عامر کو خبر ہوئی تو اس نے عبداللہ ابن سہل کو بصروتے نکال دیا تو وہ کوفہ چلا گیا لیکن
وہاں سے بھی نکال دیا گیا، تو وہ مصر چلا گیا اور مصر میں مستقر ہو گیا اہل مصر اس کے پاس جمع ہو گئے، اس کے
ساتھ کناز بن بشر، سودان بن حزان، خالد بن ولید وغیرہ تھے، عبداللہ ابن سہل نے ان سے کہا: تعجب
ہے اس شخص پر جو عیسائی رحبت کا قائل ہے لیکن محمد کی رحبت کو جھٹلاتا ہے، اس نے ان کے سامنے محمدؐ
کی رحبت کا نظریہ پیش کیا انہوں نے قبول کر لیا،

ابن سہل کا قول ہے: ہر نبی کا دمی ہوتا ہے اور محمدؐ کے دمی علیؑ ہیں اور محمد کی رحبت
کے جو علیؑ رحبت کریں گے، یہی شیعوں کا عقیدہ ہے، عثمان نے علیؑ کا حق غصب کیا ہے،
عبداللہ ابن سہل کے بارے میں، ڈاکٹر احمد امین اپنی کتاب "فجر الاسلام" میں لکھتے ہیں
اكثر اكرهت كالتبليغ پر ابوذر غفاری کو عبداللہ ابن سہل نے اکسایا تھا اور شہروں میں عثمان کے خلاف
شوشہ شکر کرنے والوں میں اور علیؑ کو خطا ماننے میں یہ شوشہ پیش تھا، اس کی تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے
کہ اس نے اسلام کو تباہ کرنے کے لئے اس نے کچھ عقائد بنائے تھے اور ان کے رواج کیلئے ایک خفیہ تنظیم بنائی
اور اسلام کے پردہ میں اپنی غیبتوں کو چھپایا... اور اپنے وصیت و رحبت والے عقیدہ کو فروغ دیا،
چنانچہ اس کا یہ قول مشہور ہو گیا کہ محمدؐ رحبت کریں گے، کیونکہ اس نے یہ کہا تھا: مجھے اس شخص پر تعجب
ہے جو عیسائی کی رحبت کا یقین رکھتا ہے لیکن محمدؐ کی رحبت کو جھٹلاتا ہے، پھر اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ
علیؑ رحبت کریں گے،

۱۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۲۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۳۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۴۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۵۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۶۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۷۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۸۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۹۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔
 ۱۰۔ اگر کسی شخص نے اپنے مال و ثروت کو بیکار و برباد کر دیا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

دوسرے جزد " علی و نبوہ " میں تحریر کیا ہے ہم اس کا بعض حصہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جنگ صفین کے بارے میں رقم طراز ہیں، ۱۔

جنگ صفین میں مورخین نے سبائیوں اور ابن سودا کے ذکر سے اعراض کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سبائیوں اور ابن سودا کا واقعہ اس وقت اختراع کیا گیا جب شیعیوں اور دوسرے اسلامی فرقوں میں جوال و مباحثہ کا بازار گرم ہوا،

شیعہ مخالف لوگوں نے مذہب شیعہ میں یہودی اصولوں کو داخل کرنے اور شیعوں کو مکر سے متہم کر کے اپنی کامیابی کی کوشش کی، ورنہ اگر ابن سودا کے واقعہ کی کوئی تاریخی حقیقت ہوتی تو قطعی طور پر جنگ صفین ایسی شدید جنگ میں اس کا کردار سامنے آتا، اور یہ طبعی طور پر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا جب امر حکومت کے سلسلے میں اصحاب علیؑ کے درمیان اختلاف ہوا تھا، اس نئی تنظیم کی تشکیل میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا کہ جو صلح کے مخالف تھے اور اس کی طرف مائل ہونے والوں یا اس میں شریک لوگوں کو کافر کہتی تھی،

لیکن ہیں کہیں خوارج کے ساتھ ابن سودا کا ذکر نہیں ملتا ہے تو اس اہمال کی کیا علت ہو سکتی ہے؟ اور جنگ صفین اور حکیم تھوپنے والے لوگوں سے ابن سباء کے الگ رہنے کیلئے ہم کیا علت لاسکتے ہیں میں تو دونوں مسئلوں کیلئے صرف ایک دلیل پیش کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ ابن سودا کا وجود ایک خیال و وہی چن ہے اور اگر اس کا کوئی خارجی وجود تھا بھی تو ایسا خطرناک نہیں تھا جیسا کہ بعض مورخین نے اس کی تصویر کشی کی ہے، اور جیسی عثمان کے زمانہ اور علیؑ کے ابتدائی دور میں اس کی فضاہیت دکھائی ہے بلکہ وہ ایک شخص تھا جس نے شیعوں کے مخالفوں کو شیعوں ہی کی خاطر جمع کیا تھا، خوارج کیلئے جمع نہیں کیا تھا۔،

قارئین کے سامنے اس مکر و تدبیر کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ جس سے اسلامی تاریخ

اپنے خود بھٹ گئی ہے،

کعب اور معاویہ

ایسی کتاب کے گزشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عمر ابن خطاب نے کعب کی حدیث بیان کرنے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ اگر اسرائیلیات سے یا جسے نبی کا قول کچھ کر بیان کریگا تو میں شہر بدر کر دوں گا، عمر نے ایسا اس کی حرکت دیکھنے اور سود قصد سمجھنے کے بعد کیا تھا، اس وقت کعب کو اس دھمکی سے متنبہ نہیں تھا کلمہ کلا حدیث نقل نہیں کر سکتا تھا، لہذا اس نے اپنے ان اعراض کو پورا کرنے کیلئے کہ جن کی وجہ سے وہ مسلمان ہوا تھا خفیہ طریقہ سے کوشش جاری رکھی، اس نے دکھا کہ اس وقت کچھ نہیں کیا جاسکتا جب تک راستہ سے یہ رکاوٹ نہیں ہٹ جاتی جو کہ اس کے اور کے مقصد کے درمیان حائل ہو گئی ہے، کچھ دن نہ گزرے تھے کہ اسے اس سازش میں شرکت کا موقع مل گیا جو کہ عمر کے قتل کیلئے خفیہ تنظیم نے تیار کی تھی لہذا خوب اسے خفاں شعلہ بھڑکائے،

اور جب عمر کے قتل کے لئے زمین ہموار ہو گئی اور ان کے خوف سے خود کو محفوظ رکھنا تو پھر اپنے یہودی محر پھیلانے کیلئے مطلق امتنان ہو گیا، اور ان اسرائیلیات و خرافات کو پھیلانے میں کہ جس سے ان کی صورت ہی بگڑ گئی اس کے بڑے شاگردوں عبداللہ بن عوف اور ابو ہریرہ وغیرہ نے اس کی مدد کی،

اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا اور اسی سے مطمئن نہ ہوا کہ اس کی سن سالائی کرنے میں کوئی زبردستی نہ کرنے والا نہیں ہے، مسلمانوں کو غافل دیکھ رہا ہے، اور گڑھی پوتی چیزوں کو پھیلانے میں اسے حکام کا تعاون حاصل ہے، بلکہ اپنے جھوٹ مکرو فریب کے ذریعہ ہر موقع سے فائدہ اٹھا رہا ہے کہ اپنے خبیث حیلوں سے اسلام کو نقصان پہنچا سکے،

ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں: عثمان کے زمانہ میں فتنے کی آگ بھڑکی

ہوئی تھی اور اسکے شعلے شدید ہو گئے تھے، یہاں تک وہ آگ عثمان کو نگل گئی، اور انہیں ان کے گھر ہی میں قتل کر دیا گیا، اس سکار کاہن اس تلخ موقع سے بھی فائدہ اٹھایا اور موقع ہی غنیمت نہیں سمجھا بلکہ اپنے یہودی مکر سے جہاں تک ہو سکا اس میں حصہ لیا، اس فتنہ میں اس کی شاطرانہ چال یہ تھی کہ اس نے اپنی یہودیت سے یہ چال چلی کہ عثمان کے بعد عنقریب معاویہ کا خلیفہ ہوگا، وکیع نے ائش سے، ابو صالح سے روایت کی ہے کہ عثمان کے بعد :

علیؑ امیر ہوں گے اور لوگ زہیر کیلئے راضی ہیں،

کعب الا جناد نے کہا: نہیں بلکہ شہبذ خمر والا ————— یعنی معاویہ ————— ہوگا، کعب نے دیکھا تھا کہ وہ خمر پر سوار ہوتا ہے، کعب کی اس بات کی معاویہ کو بھی خبر ہو گئی، معاویہ نے کعب کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے ؟ جب علیؑ وزیر اور اصحاب محمدؐ میں سے ہوا بھی موجود ہیں، کعب نے کہا: خلافت تم ہی کو ملے گی ممکن ہے کعب نے یہ بھی کہا ہو کہ میں نے کتاب اول میں ایسے ہی دیکھا ہے !

اس پر معاویہ نے کعب کی بڑی قدر کی اور اپنے لطف و کرم سے مرثا کر دیا تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مہد عثمان میں شام چلا گیا تھا وہاں معاویہ کے سایہ میں زندگی گزار رہی تھی لہذا معاویہ نے اسے اپنا مخلص بنالیا تھا تاکہ اس سے جیسا چاہے اسرائیلیات اور جھوٹی حدیث بیان کرے، اپنی حکومت کے تشکیل اور اپنی تائید میں جو چاہے اس سے روایت نقل کرے،

ابن حجر عسقلانی نے ”اصحابہ“ میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے کعب سے کہا تم شام کی فضیلت میں قصے بیان کیا کرو ط قارئین کیلئے کعب کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے جتنا ہم کر چکے ہیں،

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آج بھی ان اسرائیلیات کی تصدیق و تقدیس کرنے والے پائے

جاتے ہیں، اور جب ہم نے اس کی خامیاں ان پر آشکار کر دیں تو وہ ہمارے سامنے علم کا دھوکا
کرنے لگے خصوصاً اموی تو اس تعصب و حاقت کی بنا پر ہم نے ان پر طعن و تشنیع کی،

معاویہ سے کعب کے تعقیبات اس کے مکر و سازش سے اسلام کو بچنے والے نقصان اور
رسول اللہ کے ابن عم علیؓ کی شریعت سے جنگ کیلئے ان کا ہنوں کا ساری طاقتوں کے جمع کرنے کے بارے
میں یہ مثال تھی، اگر ہم اس کا ہن کی اسلام و مسلمین کے خلاف ہر سازش کو تفصیل سے بیان کریں تو اس کے
لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم اسکے شاگرد اکبر ابو ہریرہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں
، میں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعب کے بارے میں فرمایا ہے:
وہ بڑا کذاب ہے،



حدیث میں مسیحیات

جب اسرائیلیات نے اپنے مفتریات سے آئین اسلام کی مصدقہ بدل دی تو اس دین کو نقصان پہنچانے میں مسیحیات کا حصہ کیوں نہ ہوتا، ان مسیحیات کا سب سے بڑا موجد نیم بن اوس دہری تھا، یہ یمن کے نصاریٰ میں سے تھا، اپنے قبیلہ کے ساتھ شام میں فلسطین کے علاقہ میں رہتا تھا، غزوہ تبوک کے بعد مشہ میں رسول کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ ابو نعیم کہتے ہیں: وہ اپنے زمانہ کا راہب اور اہل فلسطین کا مبدع تھا سب سے پہلے اسی نے چراغ بنایا اور سب سے پہلے کپڑا کاٹا، رسول کی صحبت اختیار کی اور آپ کی رکاب میں جنگ کی، مدینہ میں قیام پذیر رہا اور عہد عثمان میں شلم کی طرف ہجرت کی اور عہد خلافت علی میں مشہ میں انتقال کیا،

روایات بیان کرتا تھا، جاسرہ، دجال، ابلیس، ملک الموت، جنت و جہنم کے قصے بیان کرتا تھا، ایسی روایات سے زمین بھر گئی، جیسا کہ دو توں، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ نے کیا تھا،

تارمین کو اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اسرائیلیات کے بعد اسلام میں مسیحیات دخل

ہو گئے ہیں، کیونکہ اس میں ہر قوم و ملت کی مختلف چیزیں جمع ہو گئی تھیں،
لیکن ان چیزوں کے بیان کی گنجائش نہیں ہے جو کہ دین اسلام میں دوسری اقوام و ملل کی
داخل ہو گئی ہیں، اس کیلئے علیحدہ ایک کتاب کی ضرورت ہے،

حدیث جساسہ

تیسیم الداری نے جن مسیحیات کو رواج دیا، وہ ان میں سے جساسہ، دجال، اور نزول
حضرت عیسیٰ کے قفقہ کو رسولؐ سے بیان نہیں کیا تھا،
حدیث جساسہ کو مسلم نے اپنی کتاب میں متضاد طرق سے نقل کیا ہے، یہی راویں مہاجر
میں سے ضحاک بن نفیس کی بہن فاطمہ بنت قیس کے طریق سے ملاحظہ فرمائیں،
رسولؐ نے لوگوں کو جمع کرنے کے بعد فرمایا: خدا کی قسم میں نے تمہیں کسی شوق و خوف
دلانے کیلئے جمع نہیں کیا ہے، میں نے تو تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تیسیم الداری ایکٹ نصرانی میرے
پاس آیا بیعت کی اور سلمان ہو گیا اس نے مجھ سے بیان کیا: ہم نبیؐ خیم و حزام کے قیدہ کے نیسٹ
آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی پر سوار تھے دریا میں غلٹ ہو گیا ایک ٹانگ دریا کی موج کشتی سے کھلا کی چھوڑا ہے ایک
جزیرہ میں پہنچا دیا، یہاں تک سورج غروب ہو گیا، ہم لوگ جزیرہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک
زیادہ بالوں والا جانور دیکھا ہم نہیں سمجھ پائے کہ اس کا منہ اور دم کدھر ہے، تو کہنے لگے خدا تجھ سے کچھ تو
کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا: میں جساسہ ہوں پھر اس نے دیرین آدمی کی طرف اشارہ
کیا تو ہم لوگ دیر میں داخل ہو گئے تو ہم نے وہاں ایک بڑی یقیم و تخیم اور مضبوط انسان دیکھا اس کے ہاتھ
گردن سے بندھے ہوئے تھے وہ گھٹنوں سے پاؤں تک سوئے ہوئے تھا، جب وہ ان لوگوں

کے حالات سے مطلع ہوا اور یہ کچھ گیا کہ وہ عرب سے آئے ہیں تو اس نے ان سے کچھ سوالات کئے انہوں نے جواب دیئے یہاں تک کہ اس نے ان سے کہا مجھے یہ بتاؤ امیوں کے بنیٰ نے کیا کیا؟ کہا: وہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے گئے، اس نے پوچھا کیا عربوں نے اس سے جنگ کی ہے —؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: عرب کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا —؟ ہم نے بتایا کہ عرب میں سے جو لوگ ان سے نزدیک ہو گئے ہیں، انہوں نے ان کے دلہ جیت لئے ہیں اور انہوں نے بھی ان کی اطاعت کر لی ہے، اس نے کہا: میں تمہیں اپنے ہارے میں بتائے دیتا ہوں، میں مسیح ہوں، امید ہے کہ مقترب مجھے نکلنے کی اجازت ملے گی اور میں نکلوں گا چالیس روز تک میں زمین کی سیر کروں گا مکہ و طیبہ کے علاوہ چالیس دنوں میں ساری بستیوں کو سرنگوں کر دوں گا مکہ و طیبہ میرے لئے محترم ہیں، جب بھی میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونا چاہتا ہوں اسی وقت ایک ملک ہاتھ میں برہنہ تلوار لیکر میرے سامنے آتا ہے اور مجھ سے باز رکھتا ہے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد رسولؐ نے منبر سے اسے برا بھلا کہا: اور فرمایا: یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے یعنی مدینہ ہے، لیکن ابو ہریرہؓ نے اس خبر میں بھی کچھ عجیب و غریب چیزیں شامل کئے بغیر نہ چھوڑا، چنانچہ اس نے کہا: جساہ کے دونوں سنگوں کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ ہے، اس حدیث پر علامہ رشید رضاؒ نے حاشیہ لگایا ہے اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

حدیث جساہ تمیم الداری نے رسولؐ سے بیان کی تھی اسے سلم نے اپنی صحیح میں مرفوعاً ایسے طرق سے نقل کیا ہے کہ اس کے متن میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اس کے متن میں اختلاف کا باعث بعض صحیح روایت ہی میں اور اسے متعدد قصوں پر حل نہیں کیا جاسکتا ہے، پھر رسولؐ کا تمیم الداری سے روایت کرنے » اگر اس کی سند نقص سے محفوظ ہو تو » اس کو حدیث قرار دیتا ہے کہ اس کو بھی اس حدیث سے ملحق کر دیا جائے جو خود رسولؐ

نے بیان فرمائی ہو اور سمجھا جائے کہ اس پر عمل کرنے کی رسولؐ نے اجازت دی ہے۔۔۔۔۔؟
 اس نیا س کاموں کی عمل نہیں ہے، پھر رسولؐ کو غیب کا علم نہیں تھا، آپؐ بھی تمام انسانوں کی
 طرح لوگوں کے کلام کو اگر اس میں شبہ نہیں ہوتا تھا تو صدق پر عمل کرتے تھے، چنانچہ بہت سے لوگوں
 پر آپؐ نے کفار و منافقین کی باتوں کی تصدیق کی ہے جیسے عذیرؓ اور بشرؓ کو اس کا منہ بولنا ثبوت ہے
 ہاں رسولؐ بعض جھوٹے لوگوں کے کذب کو وحی کے ذریعہ یا دوسرے علمی ذرائع سے جانتے تھے، یا اللہ افراد
 کی خبر اور دیگر شہری طرق علم کے ذریعہ جانتے تھے، انبیاءؑ کو دوسرے لوگوں پر جو متنازع کرتے تھے، وہ وحی
 اور جھوٹ سے معصوم ہونا ہے اور وحی صرف دینی امور، تبلیغ، اسکے تحفظ اور اس کے لانے والے کی
 حفاظت کے بارے میں نازل ہوتی تھی اور پھر جھوٹے کی تصدیق کرنا جھوٹ نہیں ہے، اور قاری کے لئے
 اتنا ہی کافی ہے،

اور جب انبیاء و مرسلین کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اس چیز میں جھوٹے کی تصدیق کر سکتے ہیں
 جس سے امر دین میں خلل واقع نہ ہوتا ہو اور نہ اس پر حکم شرعی مترتب ہوتا ہو، اور یہ بات منصب رسالت

۱۔ عربین کے کچھ آدمی مدینہ میں رسولؐ کے پاس آئے اور سلمان ہو گئے، پھر کہنے لگے، اے اللہ کے رسولؐ ہم دودھ
 و غیرہ کھانے کے علاوہ کچھ بھی ہمارے خدا کا اس لئے آٹھ ہے جس سے طبیعت نسا زد تھی ہے، رسولؐ نے انہیں اپنے
 اونٹوں کی چراگاہ بھیجا کہ وہ چراوے کے ساتھ اونٹ چرائیں اور ان کا دودھ پیئیں، چنانچہ چند فک کے بعد ہی وہ سندھ دست ہو
 گئے لیکن اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے اور رسولؐ کے چراوے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو نہالے گئے، رسولؐ کو حادثہ
 کی اطلاع ملی تو آپؐ نے لوگوں کو ان کی تلاش میں بھیجا وہ پکڑ گئے تو ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے اور انہیں ایسا
 ہی چھوڑ دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے، رطل، ذکوان اور بنی لعیان کے کچھ لوگ رسولؐ کے
 پاس آئے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ سلمان ہو گئے، رسولؐ سے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے
 مدد چاہی رسولؐ شترانہ ان کو ان کے ساتھ بھیجا یا جب یہ لوگ بشر معوضہ نامی جگہ پر پہنچے
 انہوں نے دھوکہ دیا اور انہیں قتل کر دیا،

کے منافی نہیں ہے تو کیا علم کو گولہ کیلے اس چیز میں جھوٹے کی تصدیق جائز نہیں ہے کہ جس کے گلاب پر کوئی تفریق بھی نہ ہو؟ اور جو شخص کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے اس کیلے جائز ہے کہ وہ اسے کسی کی طرف نسبت دینے بغیر دوسرے سے نقل و بیان کر سکتا ہے۔

مرحوم رشید رضا حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے اور حضرت مہدی و دجال کے خروج کے بارے میں لکھتے ہیں :-

حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے کے بارے میں صحیحین کو سنن وغیرہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان احادیث میں سے اکثر علامات قیامت کے سلسلے میں ہیں جو کہ دجال سے متعلق احادیث سے مخلوط ہو گئی ہیں،

خصوصاً مہدی اور دجال کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں بہت اختلاف و اضطراب اور تضاد ہے، ان کے مجموعہ کا لب لباب یہ ہے کہ یہودیوں نے ظہور کرنے والا دجال ہے بلکہ سب سے بڑا دجال ہے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے، ظہور کرنے والا یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ مسیح ہے کہ یہودیوں کے منتظر تھے، بہت سے لوگ اسکے دھوکہ میں آجائیں گے اور اس کی زندگی کا آخری دنوں میں عیسیٰ ابن مریم مسیح ظہور کریں گے وہ دمشق کے مشرق میں منارہ، البیضا، نامی جگہ پر نازل ہوں گے اور دجال مسیح سے فلسطین کے نزدیک ملاقات کریں گے اور مسلمانوں و یہود کے درمیان طویل جنگ کے بعد جھوٹے مسیح دجال کو حقیقی اور سچے مسیح عیسیٰ بن مریم قتل کریں گے۔ اکثر نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور وہ صدر اسلام سے آج تک اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس عقیدہ کو مسلمانوں کے درمیان رائج کر دیں اور جن لوگوں نے اس چیز کو تفسیر میں داخل کر کے تفسیر کی اصلی صورت بگاڑنے اور اس کے ذریعہ خرافات کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے ان میں

سے وہ سب ہی منہ اور اس کے بعد کعب الاحبار ہیں،

شیطان ہرنی آدم کو زخم لگاتا ہے

مسیحیات ہی سے وہ حدیث بھی ہے جس کو بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: شیطان آدم کے ہر پیٹے _____ یعنی ہر انسان کو _____ ولادت کے وقت اس کے پلو میں زخم لگاتا ہے، ہاں عیسیٰ ابن مریم کو زخم نہیں لگایا بلکہ حجاب میں شگاف دیا دوسری روایت میں ہے: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ فرماتے ہیں: جو انسان پیدا ہوتا ہے شیطان ولادت کے وقت اس کو چھو تا ہے اور وہ شیطان کے سس کرنے سے چیخے لگتا ہے، ہاں مریم اور اسکے بیٹے کو شیطان نے مس نہیں کیا ہے،

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ہرنی آدم میں شیطان نے اس کی ولادت کے وقت زخم لگایا، سوائے صلیٰ اور ان کی والدہ مریم کے شگاف کے وقت خدائے متعالیٰ حجاب حاصل کر دیا تو حجاب میں شگاف آیا ان کے بدن میں نہیں،

اس حدیث "ہرنی آدم کو شیطان زخم لگاتا ہے" کی رو سے "کہ جسکو جلیل القدر صحابی نے رسولؐ سے سنا ہے" شیطان کے زخم سے صرف عیسیٰ اور ان کی والدہ ہی محفوظ رہیں گے، اور بس یہاں تک کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور خاتم النبیین حضرت محمدؐ بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتے، دیکھئے اور تعجب کیجئے۔

انہوں نے اس پر استغناء نہیں کی بلکہ ان کی روایتوں میں سے یہ بھی ہے کہ رسولؐ بھی شیطان کے شگاف لگانے سے نہیں بچے ہیں مگر جب آپؐ کے قلب کا پہلا آپریشن، جو کہ ملائکہ نے سونے کے آلات سے کیا تھا، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ کا سینہ چاک کر کے سیاہ گلی اور شیطان کا ذور انکالا تھا۔ کامیاب نہ ہوا تو پھر آپؐ کا سینہ چاک کیا گیا، چار پانچ بار آپؐ کا سینہ

شنق کیا گیا، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: پہلا آپریشن اس وقت ہوا جب آپ تین سال کے ہوئے، دوسرا دس سال میں اور تیسرا اس وقت ہوا جب آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے، چوتھا محرل پر جاتے وقت، پانچویں کے بارے میں اختلاف ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ متعدد بار شق صدر کا باعث یہ تھا کہ آپ کے فضائل میں اضافہ کیا جاسکے۔

یہ آپریشن کا مسئلہ اس لئے وجود میں آیا تاکہ بعض بدو توہ سے آپ کو میلے لگے پھانسی والے آپریشن سے مشابہہ کیا جاسکے جبکہ انہوں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا تھا کہ جو ان کی پھانسی کا سبب بنا لیکن وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو پھانسی اس لئے دی گئی تاکہ خدا حضرت آدم اور ان کے بعد قیامت تک ہونے والی ان کی ذریت کے گناہ بخش دے، اور پھر یہ صلیب کا نشان ان سب کے گلے کا بار بن گیا: اور مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ اس بخشش سے اسی کو فائدہ پہونچے گا جو صلیب کا معتقد ہوگا۔

شاید اسی لئے مسلمان اپنے مسیحی بھائیوں سے کہتے ہیں: خدا اس سنگین وسیلہ کے بغیر آدم کی خطا کو کیوں معاف نہیں کریگا، کہ جس سے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دی گئی ہے۔ نیز کہا جاتا ہے: خدا نے اپنے برگزیدہ رسول صلیب کا قلب ان بھائی انبیاء و رسلین کی طرح کیوں نہیں خلق کیا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے، آپ اس سے پاک و پاکیزہ ہیں کہ آپ کے سینہ کا چند بار شق کر کے سیاہ گئی اور شیطانی ڈور اٹکالا جائے،

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں چلے جا رہے ہیں، سودہ حجر میں ارشاد ہے: شیطان نے کہا: پالنے والے جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اسی طرح میں بھی ان کیلئے زمین میں آراستگی کے اسباب فراہم کروں گا اور سب کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے جن کو تو نے خالص بنالیا ہے، فرمایا: یہی میرا سیدھا راستہ ہے میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا علاوہ ان کے جو گمراہ ہوں میں سے تیری پروی کرنے لگیں، حدیث کے ذریعہ قرآن کے فرمان سے کیسے چشم پوشی کی جاسکتی ہے اور

متواتر حدیث کا، جو کہ مضید علم ہے، آحاد کے ذریعہ کیسے مقابلہ کیا جاسکتا۔۔۔۔۔؟ آحاد تو فقط ظن کا فائدہ دیتی ہیں جبکہ یہ احادیث صحیح ہوں۔

شیطان کے شگاف لگانے والی اس حدیث پر زعفرانی نے اپنی کتاب 'مکشاف' میں تنقید کی ہے، اس سلسلے میں فخر الدین راضی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: قاضی نے اس خبر پر تنقید کی ہے اور کہا ہے یہ خبر واحد ہے، دلیل کے خلاف وارد ہوئی ہے، لہذا اس کی تردید کرنا واجب ہے ہمارے چند وجوہ کی بناء پر یہ کہا ہے کہ دلیل کے خلاف وارد ہوئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے، جو شخص غیر مؤثر کو جانتا ہے شیطان اسے شرکی طرف ہوتا ہے، اور بچہ ایسا نہیں ہے،

② اگر شیطان اس شگاف و مہر لگانے پر قادر ہوتا تو وہ صالحین کو ہلاک کرنے اور ان کی حالت تباہ کرنے کیلئے اور زیادہ یہ کام انجام دیتا،

③ حضرت عیسیٰ اور مریم ہی کو کیوں متنبی کیا ہے دیگر انبیاء کو کیوں متنبی نہیں کیا۔۔۔؟

④ مگر اس میں شگاف لگنا تو اس کا اثر باقی رہتا اور انسان ہمیشہ آہ و فغان کرتا رہتا، ایسا نہیں ہے لہذا یہ شگاف و مہر ولا نظریہ باطل ہے،

ہمارے استاد اعلیٰ محمد عبدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہمارے یہ بات ثابت ہے کہ شیطان کا خدا کے مخلص بندوں پر کوئی اختیار نہیں ہے، اور مخلصین میں، انبیاء و مرسلین سب سے افضل میں، اور حضرت عیسیٰ و جناب مریم کے ہمارے جو کہ وارد ہوا ہے کہ انہیں شیطان نے نہیں چھوایا اور رسول کو چھوایا ہے اور ایسے ہی یہ حدیث کہ آپ کے قلب سے شیطان کا ڈورا نکالا گیا ہے تو یہ ظن اور حدیثیں ہیں کیونکہ طریقہ آحاد سے آئی ہیں، اور پھر اس کا موضوع عالم الغیب ہے اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے، اس میں ظن و گمان پر عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حق کے

اثبات میں ظن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہمارے عقائد میں ان احادیث کے مضمون پر ایمان لانے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے،

ابن جریج

ابن جریج رومی متوفی ۱۹۵ھ نے بھی دین اسلام میں اپنے دل کی چھپی ہوئی چیزیں پھیلانی ہیں، بخاری انہیں موقوف نہیں سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں بخاری حق پر تھے، تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی لکھتے ہیں: وہ اصلی رومی تھا، نصرانی الاصل تھا اس کے بارے میں بعض علما نے کہا ہے: وہ حدیث گڑھا تھا اس نے نوحے سے عورتوں سے متوکھا تھا، جو مسیحیات اسلام میں نفوذ کرائے ہیں ان میں سے ایک رسول مکرعش پرنگن کو نبی ہے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحی عرش پر جوار خدا میں تشریف فرما ہیں تو ان پر یہ گراں گزرا کہ محمد عرش پر تشریف فرما کیوں نہیں ہیں، لہذا انہوں نے اس سلسلہ میں ایک روایت گڑھ ڈالی، جسے ہم ابن قیم کی بدائع الفوائد جلد چار کے صفحہ ۳۹ و ۴۰ سے نقل کر رہے ہیں،

قاضی کہتے ہیں مروزی نے فضائل نبی کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں آنحضرت کو عرش پر بٹھانے کو بیان کیا ہے، قاضی کہتے ہیں: یہ ابی داؤد ابی جعفر دمشقی کا بیان بن راہویہ، ابوالہثم الحزلی عبداللہ بن امام احمد مروزی اور شبر الحانی کا قول ہے، پھر پندرہ سے

۱۔ مسیحی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحی صلیب دیئے جانے کے بعد جسم کے ساتھ اٹھائے گئے اور وہاں اپنے باپ کے پاس ہیں، رومانہ کے کیتھولک فرقہ کا جوہری عقیدہ ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا والد جناب مریم کو بھی ان کے جسد کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا ہے، انہیں موت نہیں آئی ہے،

زیادہ ان علماء کے اسامہ بیان کئے ہیں جو اس کے قائل ہیں،
میں یہ ابن قیمؒ نے کہا: یہ ابن جریر طبری کا قول ہے اور ان سب کے امام مجاہد
ہیں یہ ابو الحسن دارقطنی کا قول ہے اس سلسلہ میں ان کے یہ اشارہ بھی ہیں

حدیث اشعاع من احمد	ابن احمد المظنی مسندہ
وجاہہ حدیث باقاعدہ	علی العرشؒ ایضاً فلائجدہ
امرو الحدیث علی وجہہ	ولائد خلوا فیہ مایضدہ
ولائتکر وادانہ قاعدہ	ولائتکر وادانہ یقعدہ

اب ہم آپ کے سامنے ایک مشرق جلد تسبیح کی کتاب العقیدہ والشریعت سے
ایک اقتباس پیش کرتے ہیں،

اس میں عہد قدیم اور عہد جدید سے بہت سے جملے اور راہنیں کے اقوال میں اسی
طرح جعلی اناجیل فلسفہ یونان، ہندو فلسفہ کے علماء کے اقوال بھی اسلام میں حدیث کی طریق
سے لئے گئے ہیں یہاں تک کہ نقطہ ہوندار، ابھی تک حدیث میں اپنی جگہ باقی ہے اور یہ چیز براہ
راست یا غیر مستقیم طریقہ سے خاص اسلام کی ملکیت ہو گئی ہے اسی طرح اسلام میں دینی
قصص کا بھی بہت بڑا ذخیرہ شامل ہو گیا ہے یہاں تک کہ اگر ہم حدیث کے مواد اور یہودیوں
کے دینی ادب کا مطالعہ کریں تو یہ بتا سکتے ہیں کہ دین اسلام کے ادب میں یہ چیز یہودی مصادر
سے آئی ہے،

۱۔ یہ بات ہم نے دوسرے ایڈیشن میں اسی قلم سے نقل کی تھی لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ابن قیمؒ نے ابن جریر طبری
کی طرف اس بات کی نسبت غلط دی ہے کہ جریر طبری کی تاریخ میں آیا ہے کہ حکموا صاحب عجم اللہ بدلتے نقل کیا ہے کہ
جب وہ طبرستان سے بغداد آئے تو ایک قوم نے ان سے تعصب کیا اور خاندانے عرش پر بٹھائے جانے کے بارے
میں پوچھا تو انہوں نے کہا: عرش پر بٹھائے جانے والی حدیث محال ہے، پھر یہ شعر پڑھا: —————

ہم ان تلم چیزوں کی تحقیق نہیں کر سکتے تو کہ مسیحیات سے اسلام میں داخل ہوئی
 ہیں تو لوگ تفصیل کے خواہاں ہیں وہ تفسیر حدیث، تاریخ اور جالہ تسہیر جیسے تشریقین کی
 کتابوں کا مطالعہ کریں اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے ابو ہریرہ کی بیان کردہ وہ
 روایت پیش کرنا چاہتے ہیں تو کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے نزول کے بارے میں بیان کیا ہے،
 کہتے ہیں کہ قیامت کے علامات میں سے آسمان سے حضرت عیسیٰ کا نزول بھی ہے صحیحین
 وغیرہ میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ رسول نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے
 قریب ہے کہ حاکم و عادل کے طور پر تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں
 گے، جزیہ کا حکم دیں گے بندہ کو قتل کر دیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کریں گے اور کوئی نئی شریعت
 لیکر نہیں آئیں گے پھر حکم حضرت مہدی کے سپرد کر دیں گے اور مہدی ان کے اصحاب و اتباع کرنے والوں
 میں سے ایک ہوں گے ان کے تمام اعمال ان اعمال سے مشابہ ہیں جو کہ حضرت مہدی کے بارے میں بیان
 کئے گئے ہیں،

عمل نزول

آپ دمشق کے مشرق میں، منارۃ البیضا کے پاس » دو ملائکہ کے پر ہاتھ رکھے
 ہوئے، نازل ہوں گے، سر جھکائیں گے تو قطرے گریں اور بلند کریں گے تو یوں جیسے موتی چھریں

اذا واتی الی الرحمن و افند

علی رنم لسم فی الف حاسد

علی الابداد من باغ و فاند

کذالک رواہ لیرث من مجلد، ص ۵۵-۵۶

الاحد منزل لاشک عال

فینذہ ویقعدہ کریا

علی عرش یغلف بطیب

لہذا المقام افرو حقا

گئے، تقریباً ظہر کے وقت نازل ہوں گے منبر پر شریف فرما ہوں گے، مسلمان، نصاریٰ اور یہود، سجد میں داخل ہوں گے، دمشق کی مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ عصر کی نماز پڑھیں گے اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دجال کے تعاقب میں نکلیں گے ان کے لئے زمین سمٹ جائے گی، بیت المقدس پہنچیں گے اسے متقل پائیں گے، جس کا دجال نے محاصرہ کر رکھا ہوگا،

طبرانی اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر مسلمان انھیں اپنے نبی کے پاس دفن کر دیں گے، ابن عمرؓ سے رفعہؓ سے روایت ہے کہ عیسیٰ شادی کریں گے دو بیٹے پیدا ہوں گے ایک کا نام موسیٰ اور دوسرے کا نام محمدؑ کہیں گے اور دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے پھر مرجائیں گے اور میری قبر میں میرے پاس دفن ہوں گے چنانچہ میں اوعیسیٰ اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ہی قبر سے انھیں گے ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں ساڑھے ۴۰ سال رہیں گے اور دجال کو قتل کرنے کے بعد مدینہ جائیں گے قبر رسولؐ کی زیارت کریں گے حج کریں گے اور مدینہ میں ان کا انتقال ہوگا، ایسی ہی روایات ہیں جنہیں ہم نے بے فائدہ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،

کہتے ہیں: روایات سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ طلوع فجر کے وقت دمشق کے مشرق منارہ کے پاس نازل ہوں گے لیکن دوسری روایات میں نصف روز کیلئے بیان کیا گیا ہے مگر اہل علم کے نزدیک ایسے مشہور ہے کہ عیسیٰ حضرت مہدیؑ کی اقتدار میں صبح کی نماز پڑھیں گے نہ کہ عصر کی،

مروی روایات کی کثرت

گذشتہ بحث سے آپ اندازہ لگا چکے ہیں کہ حدیث گروہ حصے کے بہت سے اسباب ہیں اور پھر اس کے دروازے صدیوں کھلے رہے جن سے ہر فرد رنگ رنگی حدیثیں نکلتی ہیں جن کے گروہ حصے والے انہیں رسولؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں،

لیکن اس کے علاوہ رسول لگی طرف بے شمار حدیثوں کو منسوب کرنے کا سبب ملل کی کثرت تھی یہاں تک کہ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، دار قطنی لکھتے ہیں: حدیثوں میں صحیح کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کالے بیل کی کھال میں سفید بال۔

اس کثرت میں علامہ کوپریشان کر دیا لہذا وہ گڑھی ہوئی حدیثوں سے پردہ اٹھانے کیلئے اٹھے ان میں سے ابن عسلی، سیوطی، عافانی اور ملا علی قاری وغیرہ زیادہ مشہور ہیں کثرت احادیث کے بارے میں ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں تعجب ہے، اگر ہم اسے مختلف اصناف کے نقشہ کی صورت میں پیش کریں تو تمام اصناف کا نقطہ اتصال عہد رسول ہو گا وہاں سے شروع ہو کر حدیث کا دامن پھیلتا ہی چلا گیا جبکہ ہونا اس کے برعکس چاہیے تھا کیونکہ رسول کے صحابہ آپ کی حدیث کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے، پھر جن صحابہ کی موت سے روایت حدیث میں کمی آتی چاہئے تھی کیونکہ رسول سے روایت کرنے والے کم ہو گئے تھے لیکن ہم بنی عباس کے دور میں بنی امیہ کے عہد سے زیادہ احادیث دیکھتے ہیں،

بنی عباس کے دور میں حدیث کی تلاش میں لگے شہروں شہروں سفر کرتے تھے جس کا اہم سبب حدیث کی ضخامت بڑھانا تھا چنانچہ یہود و نصاریٰ نے بھی احادیث میں بہت چیریں داخل کر دیں نتیجہ میں حدیث تو رات اور اس کے واسطی اور کچھ نصرانی چیمیزوں سے معمور ہو گئی۔

البوہرہ

اگر رسول کی احادیث کو دین میں وہی حیثیت حاصل ہوتی جو قرآن مجید کو حاصل ہے یعنی صرف اسی پر دین کا دار و مدار ہوتا، محض حدیث ہی سے لیا جاسکتا ہے، اور ہر مسلمان پر یہ واجب ہوتا کہ وہ اسے جانیں اور جو کچھ اس میں ہے اسکا اتباع کرے جیسا کہ قرآن کی آیات کا ترجمہ کرتا ہے اور رسول نے بھی اپنے اصحاب کو ان احادیث کو حفظ کرنے کا حکم دیا ہوتا کہ آپ کے بعد نافذ ہیں۔۔۔۔۔ اکثر صحابہ اس کی روایت کرتے اور دین میں ان کا بلند درجہ ہوتا، ایمان میں محکم ہوتے، علم میں ان کا اعلیٰ مرتبہ ہوتا۔۔۔۔۔ کم روایت کرنے والوں کا دین میں زیادہ روایت کرنے والوں سے مرتبہ کم ہوتا ان کے بعد علم و فضل کا درجہ ہوتا، ان ہی کے بعد اعتبار کی نوبت آتی، لیکن ہم اس کے برعکس معاملہ دیکھتے ہیں، جیسا کہ حدیث کی مشہور کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے، سب سے زیادہ بلند مرتبہ، رفیع المنزلت، دین کے علم میں بھاری بھرکم اور اس کو دوسروں سے زیادہ اہمیت دینے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے وہ صحابہ ہیں جن سے براہ راست احکام دین متعلق تھے جنہوں نے اسناد اکبر سے احکام ملتے تھے جیسے خلفاء راشدین عشرہ مبشرہ کہ جن کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ جب دنیا سے گئے تو ان سے راضی تھے یا انہیں جنت کی بشارت دی تھی یا جیسے مہاجرین و انصار میں

سے سربرآوردہ، سمجھا رسولؐ سے کم حدیث نقل کرتے تھے اور شاذہی روایت کرتے تھے بلکہ بعض نے تو رسولؐ سے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی ہے !

بات یہیں ختم نہیں ہوتی ہے کہ جب کو کئی سمجھ لیا جائے بلکہ ہم تو بڑے صحابہ کو حدیث نقل کرنے سے منع کرتے اور اپنے صحابیوں کو اس سے ڈراتے ہوئے دیکھتے ہیں اور احتیاط کی شدت نے انہیں اس منزل تک پہنچا دیا کہ انہوں نے ان احادیث کو نذر آتش کر دیا جو کہ لکھیں تھیں، جیسا کہ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، ایسا ہی چیز طے ہے اس شخص کے پیچیدہ حالات لکھنے پر مجبور کیا کہ جس نے تمام صحابہ سے زیادہ رسولؐ سے حدیثیں نقل کی ہیں، اور روایت میں بھی ان سب سے آگے ہے جبکہ وہ عام صحابہ میں سے تھا ان کے درمیان کئی گت میں نہیں آتا تھا اور وہ ہے ابو ہریرہؓ،

اور اگر مجبور کے ثقہ کے فضل سے حدیث پر کثرت نہ ہوتی تو کہ حدیث کی کتابوں میں سرایت کرائی ہے اور مؤمنین کے دلوں سے اعتبار و تصدیق کو جس نے سلب کر لیا ہے تو ان کی عقل و افکار پر چھا گئی ہے اور جسے انہوں نے اپنا عام دین سمجھ لیا ہے تو وہ مشکلات پیدا نہ ہوتے کہ نہ کئی عقل کی عقل سرگرداں ہیں اور نہ شبہات و خرافات ہوتے جن کو دین کے دامن پر داغ شمار کیا جاتا ہے اور نہ ایسی اسانید ہوتیں کہ جن سے اسرائیلیات و مسیحیات اور دیگر اقوام ملل کا اثبات کیا جاتا ہے اور اگر یہ تمام چیزیں نہ ہوتیں تو ہم اس بحث میں نہ پڑتے اور نہ اس طرف ہمارا خیال و ارادہ کا بچھا ہوتا،

نام میں اختلاف

زمانہ جاہلیت اور مبداء اسلام میں لوگوں نے کسی کے نام کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں کیا ہے جتنا اختلاف ابو ہریرہؓ کے بارے میں کیا ہے، تحقیق کی رو سے کوئی نہیں جانتا کہ ان کے المانے ان کا کیا نام رکھا تھا کہ جس سے لوگ پکاریں۔

نوی لکھتے ہیں: تیس قول میں سے کسی قول کی بنا پر ابو ہریرہ کا نام عبدالرحمن بن مخرتھا، ابن عبداللہ اپنی کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں:

ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے ایسا اختلاف نہ جاہلیت میں تھا نہ عبدالسلام میں ہے، اس اختلاف کی بنا پر اس پر کسی چیز کے بارے میں اعتقاد کو نا صحیح نہیں ہے ان کے نام پر کینیت غالب آگئی ہے گویا کہ یہی نام ہے،

صاحب شکوۃ لکھتے ہیں: لوگوں نے ابو ہریرہ کے نام اور نسب کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے ان کے نام پر ان کی کینیت غالب آگئی گویا کہ ان کا کوئی نام ہی نہیں تھا اور ان کی کینیت اتنی زیادہ مشہور ہوئی کہ اصل نام فراموشی کی نذر ہو گیا کیونکہ اصلی نام کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے،

ہم صرف ان کی کینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، اس کینیت کا خود موصوف نے سبب بیان کیا ہے کہتے ہیں:

میں اپنے خاندان والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، میری ایک چھوٹی سی بٹی تھی رات کو اسے درخت پر چھوڑ دیتا تھا دن میں اپنے ساتھ جاتا تھا، اور اس سے کھیلتا رہتا تھا، اس بنا پر لوگوں نے مجھے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا،

پرورش اور اصل

جس طرح ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اسی طرح وہ ان کی نشأت و پرورش اور اسلام سے قبل ان کی تاریخ کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے ہیں صرف

اتنا ہی جانتے ہیں جتنا خود ابو ہریرہ نے اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی بٹی سے کھیلنے تھے ،
محض فقیر تھے ، پیٹ بھر کھانے پر لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کی اصل کے بارے میں اتنا ہی
معلوم ہے کہ وہ قبیلہ سلیم بن فہم کی شاخ ازد سے پھر دوس سے تھے ،
اس سلسلہ میں خود ان کا قول ہے ، یمیوں کی طرح بلا ، غلسوں کی مانند ہجرت کی اور میں
اپنی خوراک کیلئے نوکری کرتا تھا ،

ابن قتیبہ اپنی کتاب "المعارف" میں ابو ہریرہ کے حالات میں ان کے نام کے بارے میں
اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں : کہ وہ مین کے ایک قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے ، ان کی عبادت
کا ترجمہ اس طرح ہے :
ابو ہریرہ کہتے ہیں :

میں یمیوں کی طرح بلا غلسوں جیسی ہجرت کی پیٹ بھر کھانے پر بسر و بنت غزو ان
کے یہاں نوکری تھا ان کے ساتھ رہتا تھا ، جب ان کا قافلہ اترتا تھا تو میں ان کی خدمت کرتا تھا اور
جب روانہ ہوتا تھا تو میں حدی خواہی کرتا ، انکے اونٹوں کو بھگاتا ، تھا ۔ وہ مجھے اسی بنا پر
ابو ہریرہ کہتی تھیں کہ میں ایک چھوٹی سی بٹی سے کھیلتا تھا ،

ان کا مدینہ آنا اور خیبر جانا

ابو ہریرہ اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد مدینہ آئے رسولؐ اس وقت خروہ خیبر میں
تھے جو کہ مکہ میں واقع ہوا تھا ،

طبقات الکبریٰ میں ابن سعد لکھتے ہیں : جب رسولؐ منہ خیبر میں تھے اس وقت
دوس قبیلہ کے لوگ آئے اند میں ابو ہریرہ بھی تھے رسولؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : غنیمت میں ابو ہریرہ
کو بھی شامل کرو تو انہوں نے شریک کر لیا وہاں سے لوٹنے کے بعد وہ ناداری و غلصہ کی بنا پر اصحاب

صغیریں شامل ہو گئے اور مدینہ میں قیام کے دوران صغیری میں رہے، یہ چیز تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

رسولؐ سے مصاحبت کا سبب

ابو ہریرہؓ رسولؐ سے اپنی مصاحبت کے سبب صداقت و صلاحت کے ساتھ بیان کرتے تھے، اس سلسلہ میں ایسے ہی سچے تھے جیسے اپنی پرورش و نشوونما کے بارے میں صادق تھے، انہوں نے یہ کہا: کہ میں نے رسولؐ کی محبت و ہدایت کیلئے آپؐ کی صحبت اختیار کی تھی جیسا کہ دیگر مسلمانوں نے کیا تھی، وہ کہتے ہیں کہ: انہوں نے اپنا پیٹ بھرنے کیلئے رسولؐ کی صحبت اختیار کی تھی،

احمد اور یحییٰ نے سفیان سے، زہری سے، عبد الرحمن اعرجی سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہ وہ کہتے تھے: میں ایک فقیر آدمی تھا اپنا پیٹ بھرنے کا غرض سے رسولؐ کی مصاحبت اختیار کی ہے،

مسلم کی روایت میں ہے کہ اس نے رسولؐ کی خدمت کرتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ: شکم سیری کی وجہ سے صحبت اختیار کی ہے،

مسلم کی روایت میں ہے کہ: میں ایک فقیر آدمی تھا اپنا پیٹ بھرنے کا خاطر رسولؐ کی خدمت کرتا تھا، مسلم ہی کی روایت میں ہے کہ: میں پیٹ پالنے کے لئے رسولؐ کے ساتھ لگا رہتا تھا، تاریخ میں ثبت ہے کہ وہ بہت پر خور و خشک خوراک تھے، روزِ رسولؐ کے گھر یا کسی صحابی کے گھر کھاتے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ اسی وجہ سے ان سے آنکھ چراتے تھے، بخاری نے ان ہی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں کسی شخص سے کہتا: فلاں آیت سنائیے جبکہ وہ مجھے یاد دہوتی، لیکن اسی طرح اس سے میں کھانا چاہتا تھا،

فقیروں کیلئے سب سے بہترین آدمی جعفر بن ابی طالب تھے وہ ہمیں اپنے گھسے جاتے تھے اور جو حاضر ہوتا کھلاتے تھے،

ترمذی نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ: جب میں جعفر سے کسی چیز کا سوال کرتا تھا وہ جواب نہیں دیتے تھے تو میں اسی طرح ان کے گھر تک پہنچ جاتا تھا اسی نے جعفر ابوہریرہ کی نظر میں نما صاب سے افضل ہیں، یہاں تک کہ جعفر کو انہوں نے ابو بکر، عمر، و علیؓ اور عثمان وغیرہ پر بھی مقدم کر دیا ہے،

ترمذی و حاکم اپنی صحیح اسناد سے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول کے بعد پیادہ چلنے والوں اور سواروں میں کوئی بھی جعفر بن ابی طالب سے افضل نہیں تھا۔

حلوہ کاشیدا

ابوہریرہ کو شیخ المفیرہ، حلوہ کاشیدا، لقب ملا تھا، مفیرہ ایک قسم کا طوطا ہے، علامہ کتاب اور حوا کی توجہ کی بنا پر تمام حلوؤں سے زیادہ اس کو اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ اسے نادر چیز سمجھتے رہے اور اسی کی وجہ سے صدیوں تک ابوہریرہ پر طعن کرتے رہے ابوہریرہ کے بارے میں ان کے بعض اقوال ملاحظہ فرمائیں،

شماعی اپنی کتاب، شمار الطوب فی المضاف والنسب، میں لکھتے ہیں: شیخ المفیرہ: ابوہریرہ، جو کہ اپنے فضل اور رسولؐ سے مخصوص تھے بہت مزاح کرنے والے اور پر خور تھے، مروان بن حکم نے انھیں مدینہ کا حاکم بنادیا تو وہ گدھے کی پیٹھ پر غری کی گھڑی ڈال کر سوار ہوئے

ایک شخص نے دیکھا تو کہنے لگا راستہ سنا ہے چھوڑ دو! امیر آپ یہ ہیں... طب کا دعویٰ کرتے تھے... ثنائی ان کا طب کا کچھ حال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کھانے سے ان کے پیٹ کا درد ختم ہو جاتا، شکم پر پیاسے دو کرتے، پھر کہتے ہیں: ان کو مضیر، حلیم، دلو بہت پسند تھا، چنانچہ معاویہ کے ساتھ، شوق سے کھاتے اور جب نماز کا وقت آتا تو حضرت علیؓ کی اقتدار میں نماز اور جب اس سلسلہ میں ان سے کچھ کہا جاتا تو کہتے: معاویہ کا طوہرے دار و مطہر ہے اور علیؓ کی اقتدار میں نماز میں لطف آتا ہے، اسی لئے انھیں شیخ المضیرہ کہا جاتا تھا، اپنی بات کو ان دو اشعار پر ختم کیلئے جو کہ شاعر ابوہریرہ کی ہجو میں کہے تھے، انھیں قلم انداز کرتے ہیں،

بدیع الزماں بھائی نے اپنے مقامات میں سے ایک میں شیخ المضیرہ کے حالات قلم بند کئے ہیں اور اس میں ابوہریرہ کے محبوب بہت ہی افسوسناک صورت میں بیان کئے ہیں، لکھتے ہیں،

عسلی بن ہشام نے ہم سے بیان کیا کہ: میں بصرہ میں تھا میرے ہمراہ ابو الفتح الاسکندری ایسا فیصح آدمی تھا، فصاحت و بلاغت میں ماہر تھا اس کے ساتھ ہم ایک تاجر کے یہاں دعوت میں گئے تھے ہمارے سامنے حلیم لایا گیا جو تہذیب تھی آسودہ حال تھا، آفات سے بری ہوئے کاغذ تھا، یہی حلیم معاویہ کی خلافت کی گواہی دیتا تھا، ہمارے استاد امام محمد عابدہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت مسلم بن ابی طالبؓ کی سیدت ہو جانے کے بعد معاویہ نے خلافت کا دعویٰ کیا، حضرت علیؓ کی حیات میں اسکو جب زور اور شہوت پرست لوگوں کے علاوہ کوئی بھی خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا اور اگر یہ حلیم جو کہ معاویہ کا کھانا تھا، لوگوں سے اس کی خلافت کی گواہی دیتا اگرچہ شرعی خلافت کے قتلہ زندہ ہی ہوتے، درحقیقت معاویہ کی خلافت کی گواہی یہ حلیم ہی دیتا تھا کیونکہ کھانے والوں کو خلافت کی گواہی دینے پر مجبور کرتا تھا اور امامت و خلافت کے ایک ہی معنی ہیں، چارائے کی اساس میں ہے کہ علیؓ مغلی کے ساتھ آسودہ معاویہ سے بہرہ ہیں، ابونعیم نے، حلیم میں تحریر کیلئے: ابوہریرہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہتے اور کہتے

رہتے ولے ہومیس پریت پر جب میرا سے پرکھ دیتا ہوں تو مجھے سانس نہیں لینے دیتا اور جب اسے
بھوکا رکھتا ہوں تو مجھے برا بھلا کہتا ہے، ابن کثیر نے اپنی کتاب الہدایہ والہایہ میں لکھا ہے: کہ
اس ”پریت“ نے مجھے کمزور کر دیا ہے،

اور ثعالیٰ کی خاص الخاص میں ہے:

ابو ہریرہ کہتے تھے:

میں نے گمراہی میں سے بہتر خوشبو نہیں سونگھی ہے اور کھجور پر پڑے ہوئے مکھن سے زیادہ
اچھا سوا نہیں دیکھا ہے،

ابو ہریرہ نے کھانے کو مروت قرار دے دیا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ مروت کیا ہے؟
کہا: اللہ کا تقویٰ امور کی اصلاح اور صبح و شام کے رنگ برنگ کے کھانے ہوں،
اس موضوع سے متعلق ہم نے بہت سی باتیں چھوڑ دی ہیں کیونکہ بعض سے بعض لوگوں کو
تکلیف ہوگی،

حدیث زرفنا تزد جبا،

ایک روز رسولؐ نے ابو ہریرہ سے فرمایا: کئی روز کے بعد ملاقات کیا کرو کہ اس سے
محبت بڑھتی ہے جبکہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کیلئے بہترین ادب سکھانے والے تھے اور سدا اپنی حکمت سے
سیراب کرتے تھے اور اپنی سیرت سے اپنے اخلاق کو ان کے دل میں ستھر کرتے تھے اور رسولؐ کے لئے یہ
مناسب نہیں تھا کہ وہ بعض لوگوں کو ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور ابو ہریرہ کو اپنے پاس آنے سے
مذکورہ بیچ سے منع کر دیں، دوسرے اپنے بہترین ادب سے نوازیں اور انھیں چھوڑ دیں یقیناً
اس کا سبب یہ رہا ہوگا کہ رسولؐ نے ابو ہریرہ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ تم کل کہاں تھے؟
کہنے لگا میں نے اپنے خاندان کے لوگوں سے ملاقات کی تھی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ابو ہریرہ کئی
روز کے بعد ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے،

ابو حیان نو حید نے اپنی کتاب ”الصدائق والصدیق“ میں تحریر کیا ہے کہ:

ابو ہریرہ کہتے تھے:

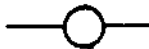
عرب کا یہ کلمہ زرفاً تزد جثاً استعمال ہوتا تھا کہ یہی کلمہ ایک روز رسولؐ نے مجھ سے فرمایا:

مسجدی کہتے ہیں کہ: اس جملہ کو عام پر حل نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے موارد ہیں کہ جہاں اس کا کہنا واجب ہے، کیونکہ ملاقات کرنے والا اس کا مستحق ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ رسولؐ ابو بکر اور علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ سے یہ جملہ نہیں فرماتے ہیں لیکن ابو ہریرہ اس کے مستحق تھے، ان بعض انتباہات کی وجہ سے کہ انھیں الگ رکھنا ضروری تھا،

ابو ہریرہ کے دو انتباہات ذکر کردی کہ جن کی بنا پر مسجدی نے ان پر طعن کیا ہے یہ تھی کہ وہ کھانے کیلئے صحابہ کے گھروں میں پڑے رہتے تھے اسی لئے بعض صحابہ ان سے اعراض کرتے اور ان سے احتراز کرتے تھے، اس لئے رسولؐ نے یہ چاہا کہ انھیں ملاقات کا سلیقہ اور گھروں پر آنے جانے کے آداب سکھادیں لہذا عربی کی ضرب انھیں زرفاً تزد جثاً ان سے بیان کی وہ نہ رسولؐ پریشہ اپنے اصحاب کو اب سکھانے اور حسن خلق سے آراستہ کرنے کے پابند تھے،

ان کا مزاج اور بکواس

ابو ہریرہ کے مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضول و سیوہ وہ باتیں کہتے تھے لوگوں کے پاس جاتے اور انھیں اپنی ہی گفتگو سے سرشار کرتے اور انھیں اپنی طرف مائل کرنے کیلئے عجیب و غریب باتیں سناتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ روایات کی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں، ان کے بارے میں عائشہ کہتی ہیں: وہ بکواس کرنے والا آدمی ہے۔



ان کے ساتھ محفل

لوگ ان کی روایات اور ندرت بیان کا مذاق اڑاتے تھے، چنانچہ ابو رافع سے مرہلہ کے قریش میں سے ایک آدمی حلقہ پہنے اور اس پر غرہ کرتے ہوئے ابو ہریرہ کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ابو ہریرہ تم رسولؐ سے بہت حدیث بیان کرتے ہو، کیا تم میرے حلقہ کے بارے میں بھی رسولؐ سے کچھ سنا ہے۔ ہا کبنے لگے میں نے ابو النعاس سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص اپنے ظہر پر غرہ کر رہا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اس میں دھنسا رہے گا خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید وہ تمہاری توہم یا تمہارے قبیلہ سے تھا۔ اس شخص کے سوال ہی سے واضح ہے کہ اس نے استفہام کیلئے معلوم نہیں کیا تھا بلکہ بدھڑ سے محفل کر رہا تھا کیونکہ اس نے موصوف سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کو رسولؐ کی احادیث یاد ہیں! بلکہ اس نے یہ کہا کہ تم رسولؐ کی بہت حدیث نقل کرتے ہو، حکایت کا سابق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ابو ہریرہ سے تسخر کر رہا تھا۔

ان کی احادیث کی کثرت

رجال حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ ابو ہریرہ نے تمام صحابہ سے زیادہ رسولؐ کی حدیثیں نقل کی ہیں جبکہ رسولؐ کے ساتھ وہ ایک سال اور نو ماہ سے زیادہ نہیں رہے۔

ابو محمد بن حزم نے تحریر کیا ہے کہ مسند بنی بن مغلہ ابو ہریرہؓ کی ۵۳۷۲ حدیثوں پر حاوی ہے اس سند سے بخاری نے ۴۴۶۱ نقل کی ہیں جیسا کہ بخاری نے نقل کیا ہے،
خود ابو ہریرہؓ اپنے متعلق کہتے ہیں: کہ مجھ سے زیادہ اصحاب رسولؐ میں سے کسی نے حدیث بیان نہیں کی ہیں، مگر عبد اللہ بن عمروؓ نے مجھ سے زیادہ بیان کی ہیں کیونکہ وہ لکھ پتے تھے میں لکھا نہیں تھا، اگر ہم ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنہوں نے ابن عمروؓ سے روایت کی ہے تو وہ ابن جوزی کے پاس مسند احمد میں ۷۲۱۲ ملیں گی بخاری نے ان سے سات اور مسلم نے ۲۰ حدیثیں نقل کی ہیں،
ابو ہریرہؓ کو زیادہ روایت کرنے سے عربی خطاب نے ڈرایا اور درے لگائے اور ان سے کہا:

اے ابو ہریرہؓ تم زیادہ روایت کرتے ہو، تم رسولؐ پر تھجھٹ باندھتے ہو پھر انھیں دھمکایا اور ان سے کہا: اگر تم رسولؐ کی طرف سے حدیثیں نقل کرو گے تو تمہیں تمہارے شہر واپس بھیج دوں گا،

ابن مساکن نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے: یا تو تم رسولؐ سے حدیثیں نقل کرنا چھوڑ دو ورنہ تمہیں سرزمین دوس پر پہونچا دوں گا، چنانچہ عمر کی وفات اور ان کے درہ کے ختم ہو جانے کے بعد ابو ہریرہؓ کی احادیث کی کثرت ہو گئی، کیونکہ ان کے بعد ابو ہریرہؓ کو کسی کا خوف نہیں تھا اس سلسلہ میں خود کہتے ہیں: جو حدیثیں میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں اگر انھیں عمر کے زمانہ میں بیان کرتا تو وہ مجھے درے لگاتے ایک روایت میں ہے کہ میرا سر توڑ دیتے،
زہری نے ابو سلمہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: ہم قال رسول اللہؐ نہیں کہہ سکتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے عمر کو اٹھالیا پھر کہا: کیا میں عمر کی حیات میں تم سے ان حدیثوں کو بیان کر سکتا تھا —————؟ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ میری پشت پر دتے پڑنے لگتے کیونکہ عمر یہ کہتے تھے کہ قرآن میں مشغول ہو کہ قرآن کلام خدا ہے،
اس سلسلہ میں فقیہ محدث سید رشید رضا کہتے ہیں: اگر عکراتی لمی زندگی ملتی کہ

ابو ہریرہ ان کے حین حیات مر جاتے تو ہمارے پاس اتنی کثیر تعداد میں حدیث نہ پہنچتی، مشکل احادیث کے بارے میں کہتے ہیں ان میں سے کسی حدیث، پر اصطلح دین کی کسی اصل کا اثبات محقق نہیں ہے۔

روایت کی کثرت کیونکر جائز ہوئی

ابو ہریرہ رسولؐ سے بے پناہ روایت کرنے کو اس حد تک جائز جانتے ہیں جب تک حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کیا جائے کیونکہ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اپنے اس احسان کی ان احادیث کے ذریعہ تائید کی ہے جن کو نبیؐ کی طرف منسوب کیا ہے، ان میں سے بعض طبرانی نے کبیرہ میں ابو ہریرہ سے نقل کی ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: اگر تم حرام کو حلال نہ کرو اور حلال کو حرام نہ گردانا اور معنی سمجھا دو تو کوئی حرج نہیں ہے، نیز کہا: کہ انہوں نے رسولؐ سے سنا: جس شخص نے خدا کی رضا کیلئے حدیث بیان کی تو وہ حدیث میری ہے خواہ میں نے بیان بھی نہ کی ہو، اسے ابن مساکن نے اپنی تاریخ میں نقل کیلئے، طاہری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: جب تمہارے سامنے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی جائے اگر تم اسے نیک سمجھو اور برائی نہ سمجھو تو اس کی تصدیق کرو، خواہ وہ میں نے بیان کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ میں وہی کہتا ہوں جو نیک ہوتا ہے برا نہیں ہوتا، اور جب تمہارے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائے جسے تم برا سمجھو نہ کر نیک تو اسے جھٹلاؤ کیونکہ میں بری بات نہیں کہتا ہوں۔

۱۔ بحوالہ المنار ج ۱ ص ۸۵۱،

۲۔ المنار ج ۹ ص ۱۰۰،

۳۔ المواقف لطاویف ج ۲ ص ۳۳،

یہ اور ایسی ہی دوسری روایات نقل کی گئی ہیں جبکہ رسولؐ نے یہ فرمایا ہے: جس شخص نے مجھ سے وہ چیز نقل کی جس نے نہیں کہی تھی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جب روایت میں تال میل ہونے لگا تو عمر اس حدیث کو بیان کرنے پر مجبور ہوئے،

ابو ہریرہ کی تدلیس

علم حدیث کا قلوبہ کہ ابو ہریرہ حدیث میں تدلیس کرتے تھے اور تدلیس وہ جیسا کہ علم نے اس کی تعریف کی ہے۔ یہ ہے کہ راوی اس شخص سے روایت کرے جسے دیکھا تو ہو لیکن اس سے سنی نہ ہو، یا اس کا ہمصر ہو لیکن اس سے ملاقات نہ کی ہو اور یہ وہم کہہ کہ میں نے شیخ سے یہ روایت سنی ہے، تدلیس کی بہت سی قسمیں ہیں اور تدلیس کی ساری قسمیں مذموم ہیں، علم کی ایک جماعت نے تدلیس کو مکروہ جانا ہے، شعبہ تدلیس کے سب سے زیادہ سخت مخالفت تھے یہاں تک کہ انہوں نے کہا: میرے نزدیک زنا تدلیس سے کم درجہ کی برائی ہے، نیز کہا: تدلیس جھوٹ ہی جیسی ہے، حافظہ سے منقول ہے کہ جس نے جرح کی اور راوی کی تدلیس کو پہچان لیا تو مطلق طور پر اس کی روایت کو رد کر دینا چاہیے اگرچہ وہ حفظ اتصال کے ذریعہ ہی بیان کرے، اور اگرچہ یہ جانتا ہو کہ اس نے ایک ہی مرتبہ تدلیس کی ہے جیسا کہ اس پر ثنائی نے نص کی ہے،

مسلم بن الحجاج نے سمر بن سعد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ سے ڈو! اور حدیث بیانی سے بچو! خدا کی قسم ہم نے ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں اور ہم سے کعب الاحبار کی حدیثیں سناتے ہیں، بعض کو متنا بیان کرتے ہیں رسولؐ کی

۱ شرح المفید سیوطی للشیخ احمد شاہ م ۳۵،

۲ شعبہ بن حجاج امام اہل الحدیث رحمہم بصرہ میں وفات پائی ہے،

7. 4. 1971

[illegible]

۷۹۵

[illegible]

۱۰۴۱

[illegible][illegible]

ابو ہریرہ کو عمر، عثمان، اور حضرت علیؓ نے جھوٹا قرار دیا ہے، اور اسی وجہ سے جیسا کہ مصطفیٰ صادق رافضی نے کہا ہے: ”ابو ہریرہ سب سے پہلے راوی ہیں جو اسلام میں متہم ہوئے اور جب ان سے عائشہ نے کہا: تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو جو تم نے رسولؐ سے نہیں سنی ہے تو انہوں نے ان کو ایسا جواب دیا کہ جس میں کوئی ادب و وقار نہیں ہے کہا: ”جیسا کہ ابن سعد، بخاری اور ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ آپ کو صرف آئینہ اور سرمہ دہلی ہی رسولؐ سے کچھ نہیں سننے دیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ کو سرمہ دہلی اور خضاب رسولؐ کی باتیں سننے سے نہیں روکے، لیکن میں آپ کے مشغلہ سے واقف ہوں،

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھوڑے ہی زمانہ کے بدلوٹ آئے اور گواہی دی کہ عائشہ ان سے زیادہ علم والی ہیں اور انھیں آئینہ و سرمہ دہلی نے خشنود نہیں رکھا ہے، اسلئے کہ جب انہوں نے یہ روایت بیان کی کہ جس نے جنب کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں ہے، تو عائشہ نے جھٹلایا اور کہا: رسولؐ بغیر اختلام کے فجر تک جنب کی حالت میں رہتے تھے اور پھر غسل کر کے روزہ رکھتے تھے اور ابو ہریرہ سے کہلویا کہ آئندہ رسولؐ سے اس حدیث کو نقل نہ کرنا، ان کے سامنے ابو ہریرہ کو سپر انڈاختہ ہونا پڑا اور کہا: وہ مجھ سے اعلم ہیں اور یہ حدیث میں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھی بلکہ فہل بن عباس سے سنی تھی، وہ میت پر بلائے گئے لوگوں کو یہ وہم تھا کہ انہوں نے روایا سے حدیث سنی ہیں، جیسا کہ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں لکھا ہے،

اور ان کے بارے میں حضرت علیؓ کی دعا بالکل ٹھیک ہے فرماتے ہیں:

آگاہ ہو جاؤ یہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے، یا فرمایا: زندہ لوگوں میں رسولؐ پر سب سے زیادہ جھوٹ باندھنے والا ابو ہریرہ ہے، اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ یہ کہتے ہیں کہ

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

حق تعالیٰ کی تعریف و ثناء کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطیبین
وآلہ الطہارین

وآلہ الطہارین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطیبین
وآلہ الطہارین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطیبین
وآلہ الطہارین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطیبین
وآلہ الطہارین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ الطیبین
وآلہ الطہارین

میں ان کے پاس ابو ہریرہ سے منقول ابوصالح کی حدیث لایا تو انہوں نے کہا: ابو ہریرہ سے مجھے حاف رکھو! انہوں نے ان کی بہت سی حدیثیں نظر انداز کی ہیں، ابو جعفر اسکا کافی کہتے ہیں:

ہمارے شیوخ کے نزدیک ابو ہریرہ پسندیدہ نہیں ہیں ان کی روایات بھی قبول نہیں ہیں، عمر نے انہیں مارا تھا اور ان سے کہا تھا: تم بہت حدیث بیان کرتے ہو یقیناً تم رسول پر جھوٹ باندھتے ہو۔

ابن اثیر کہتے ہیں: ابو ہریرہ کی روایت لوگ ان کی کثرت کی بنا پر شک کرتے ہیں کثرت روایت کی بنا پر صحابہ ابو ہریرہ کو جھٹلاتے تھے، کیونکہ کثرت کے ساتھ اختلاف ناگزیر ہے جب قلیل بیان کرنے والا اس سے دو چار نہیں ہوتا ہے، رشید کی مجلس میں مصراۃ کا سلسلہ چھڑ گیا تو اس سلسلہ میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو بعض نے ابو ہریرہ کی حدیث سے جھٹ قائم کی تو بعض نے حدیث کو رد کر دیا اور کہا: ابو ہریرہ جو روایت کرتے ہیں اس میں وہ متہم ہیں، رشید نے بھی اسکی تائید کی۔

ابو ہریرہ کتب الاجبار سے حدیث لیتے ہیں

علامہ حدیث نے، روایت اصحاب عن التابعین یا روایت اکابر عن الاصاغر والے

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۳۶۰،

۲۔ اقل السائر ص ۸۱،

۳۔ مصراۃ اس اونسی یا گائے کو کہتے ہیں کہ جس کا دودھ تھن میں جمع کیا جائے دوبا نہ جائے تاکہ خرید زیادہ دودھ والی بھکر خریدے،

باب میں بیان کیا ہے کہ ابوہریرہ عباد اللہ، معاویہ اور انس وغیرہ نے کعب الاحبار سے جو بظاہر سنا اور باطناً پہنچا، روایت کی ہے، ابوہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ کعب کے فریب میں آگئے تھے، اس پر اعتماد کرتے اس سے اور اس کے بھائیوں سے روایت کرتے تھے جیسا کہ وہ سب سے زیادہ حدیث بیان کرتے تھے، تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کعب الاحبار اپنی چالاکी و زیرکی سے ابوہریرہ پر ان کی سادہ دلی کی بنا پر چھا گیا تھا تاکہ ان پر غالب آجائے اور ان پر چھا جائے اور انہیں جو چاہے کھجاندے تاکہ وہ دین اسلام میں اوہام و خرافات کو جاری کر دے، اس سلسلہ میں کعب عجیب و غریب طریقوں کو بروئے کار لائے،

ذہبی نے طبقات الحفاظ میں — ابوہریرہ کے حالات میں — روایت کی ہے کہ کعب نے ابوہریرہ کے بارے میں کہا: مجھے نوریت کا مطالعہ نہ کرنے والوں میں ابوہریرہ سے بڑا نوریت کا عالم نہیں ملا ہے،

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کاہن کس طرح ابوہریرہ کو آرام کرتا ہے، تاریخ ابوہریرہ سے واضح ہے کہ وہ سادہ و غفلت زدہ آدمی تھے ابوہریرہ کو کیا معلوم کہ توریت میں کیا ہے وہ تو توریت کو نہیں جانتے تھے اور اگر جانتے بھی تھے تو اس کا مطالعہ نہیں کر سکتے کیونکہ توریت عبری زبان میں تھی اور ابوہریرہ عربی بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جاہل محض اور ان پڑھ تھے، پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے، جو چیز آپ کو کعب کی چالاکी کا پتہ دیتی ہے یہ ہے کہ اس نے ابوہریرہ کو اثنا عشر کی کہ وہ اس کاہن کے کلام کو نفس کے ساتھ پیش کرنے لگے اور اس کی باتوں کو رسول کی مرفوع حدیث بنوا دینے لگے،

بزرگ ابوہریرہ سے روایت کتبہ کہ رسول نے فرمایا: قیامت کے دن چاند و سورج جہنم میں ابلتے پھریں گے، حسن نے پوچھا: ان کی کیا خطا ہے؟ کہا: میں نہیں رسول اللہ کی حدیث سنا رہا ہوں تم پوچھتے ہو کہ ان کی کیا خطا ہے؟

یہی چیز انہیں کعب نے بتائی تھی ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ کعب نے

کہا: چاند سورج کو دونی بیلیوں کی صورت میں لایا جائے گا اور تنہم میں لگی دیا جائے گا لعل انہیں
پوچھنے والے انہیں دیکھیں گے نہ،

حاکم نے سند کرک میں ادا ملہوائے، ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول فرمایا:
خوارے بچے باہر از رحمت فرمائی ہے کہ میں اس مرغ کا قصہ بیان کروں جس کے دونوں پیر زمین
پر اور مندار، پوریا، عرش کے نیچے ہے اودودہ کہتا ہے، سو حالک ما انظم شاکم...
یہ بھی کسب بھی کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کا ایک مرغ ہے اس کا شمار عرش کے نیچے
اور نیچے زمین کے نیچے نہیں، چنانچہ حب وہ باگک دیتا ہے تو مد عرنا باگک دیتے ہیں اودودہ کہتا
ہے: سبحان القادر وحی الملک الرحمن لا الہ الا انت وحدہ ۱۰

ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: نمل، حیوان و حیوان اود فرات جنت
کی نہریں ہیں، بالکل بھی چھپرہ کسب نے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے خدا نے دنیا میں جنت کی چار نہریں رکھی
کی ہیں اود وہ ہیں، چنانچہ نمل جنت میں شہد کی نہریں ہے اور فرات جنت میں شرب کی نہریں ہے اور حیوان
جنت میں پانی کی نہریں ہے اور حیوان جنت میں دودھ کی نہریں ہے،

ابن کثیر اپنی تفسیر میں منظر ان میں کیا جو جرح و ما جرح کا قصہ ابوہریرہ کی حدیث میں
ہے اس کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے: احمد نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے با جرح و ما جرح
ہر دودہ دیوا کو منہ ہدا کرے ہیں اود وہاں تک کہ انہیں سورج کی شمع نظر آتا ہے تو وہ گوک جو
ان پر بھی کہتے ہیں: یسٹ جاؤ، وہ اگلے دن پھر دیوار کھودتے ہیں اود پھر موت جاتے ہیں...
اس روایت کو احمد نے کسب سے نقل کیا ہے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت ابوہریرہ نے کعب
بہی کی تھی کیونکہ ان کی کسب کے ساتھ بہت نشست و برخاست تھی وہ انہیں حدیث سناتے
تھے، اسی طرح ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو کہ انہوں

نئے کعب سے لی تھیں، صحیحین میں ابوہریرہ کی حدیث ہے بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے اور یہ چیز تورات میں عہد قدیم میں بیان ہوئی ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا پس انسان اللہ کی صورت پر پیدا ہوا ہے،

ابوہریرہ رسولؐ کی صفت کے بارے میں کہتے ہیں: رسولؐ بد خلق تھے نہ کسی کو برا بھلا کہتے تھے اور نہ بازار میں شور مچاتے تھے اور بالکل ایسی کلام کعب کا ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں،

مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:

رسولؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ نے شب کے دن میں کو پیدا کیا، آوار کے دن اس پہاڑ کو پیدا کیا اور دو شب کو درخت پیدا کئے منگل کے روز کو وہ چنریں پیدا کیں بدھ کے روز نور خلق کیا، جمرات کے دن اس میں چوپائے چلائے اور آخر میں جمعہ کے روز عصر کے بعد جمعہ کے آخری لمحات میں آدم کو خلق کیا،

احمد و نسائی بھی اس حدیث کو اسی طرح ابوہریرہ سے نقل کیا ہے،

بخاری و ابی کثیر وغیرہ نے کہا ہے بے شک یہ حدیث ابوہریرہ نے کعب الاجار سے لی ہے کیونکہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہے قرآن میں ہے، کہ زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اس سے عجیب بات تو یہ ہے کہ ابوہریرہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولؐ سے یہ حدیث سنی اور آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر یہ حدیث بیان کی میں ان لگوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس علم حدیث ہے "وہ اس مشکل کو حل کریں،

ان کے قواعد کے لحاظ سے حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے اور صرف اس بات کی تصریح ہی نہیں کی ہے کہ ابوہریرہ نے رسولؐ سے حدیث سنی، بلکہ یہ گمان بھی کیا ہے کہ رسولؐ نے ابوہریرہ کا ہاتھ

پھر ذکر یہ حدیث سنائی اور ائمہ حدیث نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ کعب الاحبار سے مانوڑ ہے اور قرآن مجید کے خلاف ہے، ایسی روایت کے صریح جھوٹ ہونے اور رسول پر بہتان باندھنے میں کوئی شک نہیں ہے، اس پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ رسول کی اس حدیث جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے؟ کے حکم کے تحت آتی ہے؟ کیا کوئی اس حدیث کے راوی ہی کو خارج کرے گا؟ خدا کی قسم اس حدیث کے بارے میں، جو کہ حقیقت کا انکشاف کرتی ہے، میں ان کے علم کا نیاز مند ہوں، ابوہریرہ کی احادیث کی تصدیق کرنے میں احتیاط واجب ہے ابوہریرہ کو درم کرنے اور ان کی سادہ لوحی سے چالاک کعب الاحبار نے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ دین اسلام میں وہ جو خرافات و زین و زینغ باتیں پھیلاتا جاتا تھا وہ ابوہریرہ کو بھریں چنانچہ جب ابوہریرہ ان کی روایت کرتے تھے تو ابوہریرہ کی تصدیق کرتا تھا اور یہ سب اس لئے تھا کہ ان اسرائیلیات پر زور دیا جاسکے اور انہیں مسلمانوں کے عقول سے قریب کیا جاسکے گویا ابوہریرہ نے اصل روایت کی ہے جبکہ درحقیقت وہ کعب الاحبار کی روایت ہوتی تھی، آپ کے سامنے اس سلسلے میں ایک مثال پیش کر کے اس بحث ان احادیث کے نقل کرنے کو تنگی ابوہریرہ نے رسول سے روایت کی ہیں، کو ختم کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ اسرائیلیات ہیں،

امام احمد ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جنت میں ایک درخت جس کے سایہ میں سوار سوار سال تک چلتا ہے اگر آپ چاہیں تو ظل محدود، پڑھیں،

ابھی ابوہریرہ اس حدیث کو مکمل نہیں کر پائے تھے کہ کعب نے مغلط کی اور کہا: سچ کہتے ہیں: قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ پر توریت اور محمدؐ پر فرقان نازل کیا ہے اگر ایک شخص ناقہ یا چو پائے پر سوار ہو اور پھر اس درخت کے سایہ کو طے کرے تو اس کو تمام کرنے سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے گا، اسے خلع اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے اس کی

شاخیں جنت کے پردوں کے پیچھے ہیں اور جنت کی ہر نہر اس درخت کی جڑ سے نکلی ہے، کعب و ابوہریرہ ایسے خرافات کی نشر و اشاعت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ اس خبر کو وہب بن منبہ نے بھی بیان کیا ہے، شائقین تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں،

اسرائیلیات و ملی فصل میں جو کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں ایسی احادیث بہت زیادہ ہیں جب یہ روایت لگئی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تم میں سے کسی پیپ و خون سے پیٹ بھریا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا جائے، عائشہ کہتی ہیں اس «راوی» کو حدیث یاد نہیں رہی آپؐ نے یہ فرمایا: کہ جو یہ شعر سے بہتر ہے،

دو ظروف کی حفاظت

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ میں نے رسولؐ سے دو ظرف حفظ کئے ہیں ان میں سے ایک تو میں نے خالی کر دیا ہے لیکن اگر دوسرے کو رواج دیتا تو میری گردن مار دی جاتی، یہ روایت اس حدیث کے معارض ہے جس کی تقریباً یکساں الفاظ میں جماعت نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپؐ سے سؤل کیا گیا: کیا آپؐ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں! ہمارے پاس کتاب خدا اور اس فہم کے علاوہ جو کہ مسلمانوں کو عطا کیا گیا ہے اور اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے،

اس طرح ابوہریرہ کی حدیث اس کے برخلاف ہے جو کہ بخاری نے عبدالعزیز بن رفیع

ع۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۱۳ و ۵۱۴

جامعۃ سے مراد احمد بخاری و مسلم اور اصحاب سنن ہیں،

سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں :
 میں نے اور ثناد بن معقل نے ابن عباس سے ملاقات کی ثناد نے ان سے کہا : کیا
 رسولؐ نے کوئی چیز چھوڑی ہے ؟ کچھ نہیں چھوڑا سوائے اس کے جو کہ دو قسموں
 کے درمیان ہے ،

اگر کوئی اور ایسی چیز ہوئی کہ تو رسولؐ نے اپنے خواص میں سے کسی کو عطا کی ہوئی اور تمام
 اصحاب سے مخفی رکھی ہوئی تو اس کے لئے علیؑ سب سے زیادہ سزاوارتھے ، اس لئے کہ آپؐ نے آنحضرتؐ
 کے گھر پرورش پائی ، علیؑ رسولؐ کے چا زاد بھائی تھے ، سب سے پہلے اسلام لائے ، آپؐ کے
 داماد بنے ، سفر و حضر میں آپؐ کے ہمراہ رہے ، جنگ نبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں
 آپؐ کے ساتھ رہے اور اس وقت رسولؐ نے آپؐ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو
 علیؑ نے کہا : کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں کا خلیفہ مقرر فرما رہے ہیں ؟
 آپؐ نے فرمایا : کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کیلئے ہارونؑ
 تھے ؟ ہاں میرے بعد کوئی بنی نہیں ہوگا ۔

بخاری اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ہے ،
 بیشک علیؑ اس کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور اگر علیؑ نہیں تو ابو بکر صدیقؓ
 یا عمر یا ابو عبیدہ یا آپؐ کے خواری و بھوکھی زاد بھائی زبیر یا خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی چھٹی بیوی
 عائشہؓ یا عاتکہؓ یا لم سکھ یا ابن مسعودؓ کے جن کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا : تم اسے سزاوار ہو
 کہ پردے ہٹا دیئے جائیں اور میرے اسرار سے باخبر ہو جاؤ ، ہم وقت رسولؐ کے ساتھ رہے
 تھے جب کوئی بھی آپؐ کے اہل بیت میں سے آپؐ کو نہیں دیکھتا تھا یہ اس وقت بھی ساتھ رہتے
 تھے تمام صحابہ کے درمیان وہ صاحب وساد و سولو کے نام سے مشہور تھے ،

مذکورہ اشخاص تمام لوگوں سے زیادہ اولیٰ تھے کہ رسولؐ ان سے وہ بات بتائیں تو
 تمام اصحاب سے مخفی رکھنا چاہیں کیونکہ ممکن ہے کوئی بات ایسی ہو جسے آپؐ اپنے خواص میں سے

کئی کوتاہیاں، ابوہریرہ کون ہیں کہ رسولؐ انھیں اپنا راز دار بناتے اور اپنے معلم اصحاب و احباب اور اپنے قریبی سے مخفی رکھ کر انھیں راز کی باتیں بتائیں۔

ابوہریرہ میں کوئی ایسی فضیلت نہیں تھی کہ جس سے وہ رسولؐ سے قریب ہوتے اور رسولؐ کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کے کسی طبقہ میں ان کا شمار نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ سابقین و اولین میں سے تھے نہ مہاجر تھے نہ انصار سے ان کا تعلق تھا اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا ہے نہ رسولؐ سے دفاع کرنے والے شعراء میں سے تھے نہ مفتی تھے نہ قاضیاء میں سے تھے نہ ان کی فضیلت میں رسولؐ سے کوئی حدیث نقل ہوئی ہے اسکے بارے میں صرف اتنا نقل ہوا ہے کہ وہ اصحاب معصومین سے تھے۔

ابوہریرہ بنی امیہ کے دوست

ابوہریرہ کی تاریخ سے جو کچھ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس سے آپ یہ سمجھ گئے کہ وہ پیٹ بھرنے کی غرض سے رسولؐ کے صحابی بنے تھے جیسا کہ خود ابوہریرہ نے بارہا اس کا اعتراف کیا ہے، ناداری کی وجہ سے صدمہ کو اپنی پناہ گاہ بنالیا تھا وہاں دیگر افراد کی طرح کھلتے یا رسولؐ یا کسی صحابی کے گھر کھانا کھاتے تھے۔

جس کی یہ حالت ہوگی وہ لا محالہ عام صحابہ میں شامل ہوگا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی رسولؐ اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں ان کی یہی حالت رہی ہاں عثمان کے زمانہ میں وہ گوشہ نشینی سے اٹھ کر ظاہر ہوئے اور مخفی ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے آئے،

۱۔ بخاری وغیرہ جلیل القدر صحابہ کے فضائل کے سلسلے میں فصل تمام کی ہے لیکن ان میں کہیں ابوہریرہ نظر نہیں آتے ہیں،

اور جب حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ چھڑی یا یہ کہے کہ جب ہاتھیوں اور ایسوں میں عکبر آرائی ہوئی اور مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا جبکہ رسول اللہ ابو بکر اور عمر کے زمانہ میں تفرقہ نہیں تھا تو ابو ہریرہ اس طرف گئے جدہ ہران کی طبیعت کا میلان تھا جو ان کے ہوئے نفعانی کے موافق تھا یعنی معاویہ کے پاس چلے گئے کہ وہاں بادشاہت کے اسباب و وسائل عیش و نشاط اور مال و دولت تھی، حضرت علیؑ کی طرف مذہب فقر اور بھوک تھی اور جس شخص نے ابو ہریرہ کی زندگی گنہگار ہو اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اس راستہ سے ہٹ جائے جو علیؑ کی طرف لے جاتا ہے اور معاویہ کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرے تاکہ زمین اور گونا گوں قسم کے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرے اور اس معاویہ کی بخشش و عطا اور امداد سے اپنا مقصد پورا کرے۔

کیونکہ ابو ہریرہ کے فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ کٹش کھا کر گریختے تھے اور لوگ ان کی گردن پر پیر رکھ کر چلے جاتے تھے کیا وہ بنی امیہ کی طویل و عریض اور نیکس کھاؤں سے بچے ہوئے ان کے دستروں کو چھوڑ کر زاہد و فادار حضرت علیؑ کی طرف آسکتے تھے کہ جن کی خوراک سوکھی رہتی تھی۔ یہ طبیعت انسان کیلئے بڑی سخت منزل ہے اس سے تو وہی بچ سکتا ہے جسے خدا محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔

بنی امیہ ابو ہریرہ کے احسانات کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی محبت و خلوص کی قدر کرتے تھے انھیں اپنی بخشش و عطایا اور امداد و لطافت میں غرق کر دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے انکی مغربی مالداروں میں بدل گئی، تنگ زندگی خوشحالی میں فقر ثروت میں بدل گیا جبکہ اس سے قبل وہ ایک کھل سے اپنا جسم چھپاتے تھے۔ اور اب بدترین لباس پہننے لگے،

۱۔ ابو ہریرہ ہی کا قہل ہے، جیسا کہ حلیہ میں بیان ہوا ہے۔ میں نے بنی کھلی آمادی اور آپ کے سامنے بھجادی تو اس پر جوں جوں رہی ہے، یہ کھلی ان کی گردن سے پڑتی تھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بدن چھپاتے تھے۔
۲۔ جو چیز آخری عورت ابو ہریرہ کے فقر و تنگ دستی پر دولت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب عمر نے انھیں کچھ خلاص

جب بنی امیہ کی ابوہریرہ کی مدد و احسان پر نظر پڑی تو انہوں نے پہلی فرمت میں ان کے مددگار بسر بن ارطاة کو مدینہ کا گورنر بنادیا جبکہ پہلے معاویہ نے اسے اہل حجاز کی طرف بھیجا تھا جہاں اسے اہل حجاز، ان کے احوال و اولاد سے کھیل کھیلا، اسی طرح معاویہ کی طرف سے ابوہریرہ نائب مروان مدینہ کا حاکم تھا، پھر ابوہریرہ پر مزید اطفاف و عنایات برٹھے تو اسکے لئے عقیق کا محل تعمیر کیا اور انھیں عقیق و ذوالخلیفہ کی زمین دی گئی اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ امیر عقبہ بن غزوہ ان کی بہن بسرۃ بنت غزوہ سے ان کی شادی کر دی جبکہ مغلی کے زمانہ میں ابوہریرہ پیٹ بھر کھانے پر اس کی خدمت کرتے تھے۔

جب ان کے جھوٹ اور حرص و طمع نے انھیں نجات دلائی تو اس محترم عورت سے بے ادبی اور باجی پن سے بڑھ کر آئے، چنانچہ اس عورت سے شادی کرنے کے بعد کہ جس کا موصوف کے ذہن میں کبھی خطورہ بھی نہیں ہوا ہوگا، کہتے ہیں: بسر و بنت غزوہ کی پیٹ بھر کھانے پر ملازمت کرتا تھا جب وہ سوار ہوتے تھے تو میں انھیں سیراب کرتا تھا اور جب پڑاؤ ڈالتے تو میں ان کی خدمت کرتا تھا اب میں نے اسی مالک سے شادی کر لی ہے اب میں سوار ہوتا ہوں اور جب اترتا ہوں تو وہ میری خدمت کرتی ہے، نیز کہتے تھے: جب وہ کسی اچھی جگہ دیکھتی تو اتر لیتی اور کہتی جب تک تم عصید نہیں بنا کر کھلاؤ گے میں یہاں سے کوچ نہیں کروں گی، اور اب میں اس کی جگہ ہوں "یعنی مالک ہوں" لہذا اس سے کہتا ہوں: جب تک تم مجھے عصید نہیں بنا کر کھلاؤ گی میں ایسے ہی رہوں گا،

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے کہا: میں پیٹ بھر کھانے پر اس کی

قانون جیروں کے آداب کی بنا پر بحرین سے بلایا جو کہ ان کے معزول ہونے کا سبب بنیں، انھیں سڑھ میں بحرین کا گورنر بنایا تھا، اور ان سے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں اس وقت بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا جب تمہارے پیروں میں جوتی بھی نہ تھی،

ملازمت کرتا تھا... اور وہ مجھے یہ زحمت دیتی کہ میں کھڑے ہو کر انھیں سوار کروں اور عزت سے اتاروں، اور جب خلعے اسے میری بیوی بنایا تو میں نے اسے یہی زحمت دی کہ وہ مجھے کھڑی ہو کر سوار کرے اور عزت سے ولود کرے،

ابو ہریرہؓ نے تلوار سے جہاد کے ذریعہ اور اپنے مال سے معاویہ کی مدد نہیں کی تھی، ان کا جہاد صرف یہ تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان ایسی حدیں پھیلائیں جن سے علیؓ اور ان کے انصار کی ہتک ہوتی ہو اور لوگوں کو ان سے علیؓ سے بدظن کریں اور معاویہ اور اس کی حکومت کو عظیم کریں۔

ابو ہریرہؓ نے عثمان و معاویہ اور ان کے قریبی عزیز خاندان ابوالعاص اور عامر بنی لہب کی فضیلت میں حدیثیں بیان کی ہیں، یہ بتاتی ہیں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے: معاویہ کے زمانہ میں ابو ہریرہؓ عثمان کے گھر پہنچے اور ان سے لب کشائی کی اجازت طلب کی انہوں نے اجازت دے دی تو کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ: آپؐ نے فرمایا: غنقریب تم میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے کسی نے عرض کی: تو ہمیں کیا کرنا چاہیے اے اللہ کے رسولؐ؟ کیا چارے بٹے کوئی حکم ہے؟ فرمایا: تم امین اور اسکے اصحاب کی مدد کرنا اس سے عثمان کی طرف اشارہ تھا، اس حدیث کو احمد نے بہت ہی اچھی سند کے ذریعہ نقل کیا ہے، اور جب عثمان نے قرآن کی نسخہ برداری کا کام شروع کیا تو ابو ہریرہؓ ان کے پاس

پہنچے اور کہا:

آپ منزل پر پہنچے اور کامیاب ہوئے میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری قوم میں سے مجھ سے وہ قوم شدید محبت کرے گی تو میرے بعد آئے گی، ایمان لائے گی جب کہ

اسے مجھے نہیں دیکھا ہے، ورق مطلق پر عمل کرے گی یہاں تک کہ مصاحف کو دیکھے گی، راوی کہتا ہے اس بات سے عثمان بہت خوش ہوئے ابوہریرہ کو دس ہزار دینار دے دینے کا حکم دیا۔

یہ حدیث بھی موصوف کے عجائب میں سے ایک ہے، کیوں نہ ہو وہ ابن الوقت تھے جو کچھ انہوں نے معاویہ کی فضیلت میں گڑھا ہے اس میں سے ایک روایت وہ ہے جسکو خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے، رسولؐ نے معاویہ کو ایک تیر دیا اور فرمایا: یہ میرے لواحق ساتھ مجھ سے جنت میں ملاقات کرنا۔

ابن عساکر، ابن عدی، اور خطیب بغدادی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: وحی پر خدا نے تین کو امین بنایا ہے، مجھے، جبرائیل و معاویہ کو دوسری روایت ابوہریرہ ہی سے منقول ہے کہ امین تین ہیں جبریل میں اور معاویہ،

ابوہریرہ نے حسن و جمال میں مشہود عائشہ بنت طلحہ کی طرف دیکھا اور کہا: سبحان اللہ! خدا کی قسم میں نے تم سے حسین جبرہ نہیں دیکھا مگر مہر رسولؐ سے معاویہ کا جبرہ دیکھا، جو تم سے زیادہ حسین ہے،

اس سلسلہ میں اور بہت سی حدیثیں ہیں
نبی امیرؐ کی مدد کرنے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ بنی امیہ کے کاہن نے جس چیز کا بھی مطالبہ کرتے تھے ابوہریرہ اسی پر لوگوں کو اکساتے تھے اور انہیں برا بھلا کہنے سے منع کرتے تھے،

عاج راز کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو ہریرہ نے کہا: آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔ میں نے کہا میں عراقی ہوں، کہنے لگے یہاں ہی خدمت گار آئیں اور تمہارا صدقہ لیں، جب وہ آئیں تو انھیں وہ دیدینا جب اسے رکھنے لگیں تو اس سے دور ہو جانا، اسے اور انہیں چھوڑ دینا خبردار انہیں برا بھلا نہ کہنا اور تم نہ برا بھلا کہنا تو تمہارا اجر ضائع ہو جائے گا اور وہ تمہارا صدقہ بھی لے جائیں گے اور اگر صبر کیا تو وہ قیامت کے روز تمہارے میزان میں آجائے گا۔

حضرت علیؑ کے خلاف ان کی حدیث تراشی

ابو جعفر اسکاٹنی کہتے ہیں: معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو حضرت علیؑ کے خلاف ایسی قبیح حدیث گڑھنے پر مامور کیا کہ جن سے آپ پر طعن و تشنیع کی جاسکے اور لوگ آپ سے بیزار ہو جائیں اور اس کام کی ان کیلئے اجرت مقرر کی چنانچہ اس نے بھی ایسی حدیثیں تراشیں جس سے معاویہ راضی ہو جائے ان کی حدیث گڑھنے والوں میں سے ابو ہریرہ عمرو بن عاص وغیرہ بن شعبہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر بھی تھے،

ابن عس نے روایت کی ہے کہ جب ابو ہریرہ معاویہ کے ساتھ عام الجماعت والے سال عراق پہنچے تو مسجد کوفہ میں آئے جب انہوں نے اپنے استقبال کرنے والوں کا جم غفیر دیکھا تو دوزانوں میں بھاگے اور کہا: اے عراق والو! کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں؟ اور خود کو لوگ میں جلاتا ہوں خدا کی قسم میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ اشعر و اشور مولف ابن قتیبہ ص ۵۷۲، ۲۔ شرح بیح البلاغ ج ۱ ص ۱۳۵۸

۳۔ جس سال امام حسن مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے حکومت سے دست بردار ہوئے اور معاویہ حاکم بنا اگل سال کو عام الجماعت کہتے ہیں وہ حقیقت عام الغرقہ ہے،

ہر بنی کا ایک حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ میں غیر سے ٹوڑ تک ہے اور جس نے میرے حرم میں کوئی گناہ کیا اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے اس میں جرم کیا ہے جب معاویہ نے ان کی یہ بات سنی تو انھیں انعام و اکرام سے نوازا اور مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

واضح ہے کہ حق کے سبھی پرستار مدد و ہم نہیں ہو جاتے ہیں جہاں صحابہ میں ابوہریرہ جیسے بڑے تھے کہ جن پر معاویہ نے تسلط پیدا کر لیا تھا وہاں ان میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی کہ کثرت پر معاویہ کا جادو کا اثر نہیں ہوا تھا اور نہ انھیں اس کا خوف متاثر کر سکا تھا، سفیان ثوری نے عبدالرحمن بن انعام سے انہوں نے عمر بن عبدالغفار سے روایت کیا ہے کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ہاتھ مدینہ آئے تو وہ مشام کے وقت باب کندہ پر بیٹھتے تھے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تھے، اسی آثار میں کوفہ سے ایک جوان آیا اور اس نے کہا: اے ابوہریرہ میں تمہیں خدائی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم علی ابن ابی طالبؑ کیلئے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہاے، اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ؟ کیا: ہاں! جوان نے کہا: تو تم خدائی قسم کھا کر کہو کہ تم نے ان کے دشمن سے دوستی اور اسکے دل سے دشمنی کیا ہے، پھر جوان وہاں سے چلا گیا، جوان کی یہ ضرب بہت کاری تھی،

مسلم نے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا: ابو تراب پر سب و شتم کرنے سے تمہیں کس چیننے منع کیا ہے؟ کہا کیا میں رسولؐ کے وہ تین ارشاد یاد نہیں ہیں جو آپؐ نے علیؑ کیلئے فرمائے ہیں؟ میں کبھی برا نہیں کہوں گا، اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے فرمایا ہوتا تو میرے لئے سرخ لونٹ سے بہتر ہوتا، میں نے رسولؐ کو علیؑ سے اس وقت فرماتے ہوئے سنا جب آپؐ نے کسی غزوہ میں جاتے وقت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا تو علیؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کا خلیفہ بنا رہے ہیں؟ فرمایا: کیا تم اس سے راضی

۱۔ جنگ بک۔

نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے سوا کیلے ہاروں تھے؟ ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور روزِ خیر یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: کل میں اس مرد کو علم دے گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے، خدا اور اس کا رسولؐ بھی اسے دوست رکھتے ہیں، اس سے جس بھی علم حاصل کرنے کی تمنا ہوگی لیکن رسولؐ نے فرمایا: علیؑ کو بلاؤ انھیں لایا گیا تو ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں رسولؐ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور انھیں علمِ رحمت کیا چنانچہ خدا نے انھیں فتحِ یاب کیا اور جب یہ آیت نقل تھا لو انذعوا ابنا منا وابناءکم ... نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ کو فاطمہؑ اور حسنؑ کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔

علیؑ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ رسولؐ نے آپؐ سے فرمایا: تم مجھ سے ہوا و ہوا میں تم سے ہوں، نیز فرمایا: جسکامیں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں، احمد بن حنبل کہتے ہیں: جتنے فضائل اہم تک حضرت علیؑ کے پہنچے ہیں اتنے صحابہ میں سے کسی کے نہیں پہنچے ہیں،

احمد نسائی اور نیشاپوری وغیرہ نے لکھا ہے کہ صحیح سند کے ذریعہ اتنے فضائل کہا کیسے آئے ہیں جتنے علیؑ کے آئے ہیں،

مسلم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے: قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو شگفتہ کیا اور انسانوں کو خلق کیا ہے رسولؐ نے مجھ سے فرمایا تھا: تم سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا منافق ہی تم سے بغض رکھے گا آپ کے مناقب کے سلسلے میں نسائی نے کتاب الخصال تحریر کی ہے،

ابوہریرہ کی سیرت

عمرؓ نے اللہ میں ابوہریرہ کو بخیرین کا حاکم مقرر کیا تھا، پھر انھیں کچھ ایسی خبریں موصول ہوئیں جن سے ایک عادل حاکم کی امانت پر حرف آتا ہے لہذا خلیفہ نے انھیں معزول کر دیا

اور ان کی جگہ عثمان بن ابی العاص ثقفی کو حاکم بنایا اور انھیں بلا کر کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب میں نے تمہیں بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا اس وقت تمہارے بیروں میں جوتی بھی نہ تھی، پھر مجھے یہ خبر ملی کہ تم سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہو، کہنے لگے ہاں۔ پاس ایسی گھوڑیاں ہیں جو چنے کے قریب ہیں اور بخشی ملنے والی ہے، کیا میں نے تمہارے لئے تمہارے خرچ کا پیسہ مقروض کر دیا تھا یہ فضول خرچی ہے اسے ادا کرو، کہا: اس کا آپ کو اختیار نہیں ہے، عمر نے کہا: خدایک قسم میں تمہاری کمزری دھوکہ دہی کا پھر دہ لیکر کھڑے ہوئے اور اتنا مارا کہ بھولہاں کر دیا اور کہا اسے واپس کرو! کہنے لگے میں نے حاصل کیا ہے، عمر نے کہا: کیا تم نے اسے حلال طریقہ سے حاصل کیا ہے اور صحیح راہ میں خرچ کیا ہے کیا بحرین کے دھوکہ دان کے علاقوں سے لوگ تمہارے پاس لائے ہیں نہ کہ ان کے لئے؟ اصل میں تیری ماں نے مجھے گدھے چرانے کیلئے جنا تھا،

دوسری روایت میں خود ابوہریرہ سے مروی ہے کہ عمر نے کہا: اے دشمن خدا اور اے دشمن قرآن تو نے مال خدا میں چوری کی ہے، تم نے دس ہزار کہاں سے جمع کئے تھے، ہم اسی پر اکتفا کر رہے ہیں کہ اس میں پیغام ہے،

وفات ابوہریرہ

اسی سال کی ٹریس ابوہریرہ نے اپنے عقیق کے محل میں انتقال کیا ان کی لاش مدینہ لائی گئی اور بقیع میں دفن کی گئی، ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے غار جنازہ پڑھائی اس وقت وہ مدینہ کے امراؤں کا حاکم تھے، جب ولید نے اپنے چچا معاویہ کو لکھا کہ ابوہریرہ کی اتنا معاویہ نے اس سے کہلویا کہ ان کے ترکہ کا خیال رکھو، ان کے وارثوں کو دس ہزار دہم ادا کرو اور ان کے ساتھ سبکی سے پیش آؤ چنانچہ ابوہریرہ کی موت کے بعد بھی بنی امیہ ان کی مدد کرتے رہے،

جب تاریخ ابوہریرہ کی تحقیق میں ہم یہاں تک پہنچ گئے تو ابوہریرہ کے سلسلہ میں غلط فہمیاں

عالم، محدث، ایدر رشید رضا کے کلمات قلم بند کر دینا بھی مناسب ہے،
 سچھ میں اسلام لائے تین سال کچھ ماہ رسولؐ کی صحبت میں رہے، ان کی اکثر احادیث
 ایسی ہیں جو انہوں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھیں بلکہ صحابہ و تابعین سے سنی تھی، چہرہ کے ٹھنڈے کے قول کے
 مطابق صحابہ روایت میں عادل ہیں لیکن تابعین کی یہ منزل نہیں ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابو ہریرہ
 کعب الاحبار سے سنتے تھے اور ان کی اکثر احادیث مضعف ہیں یعنی انہوں نے رسولؐ سے سنی تھیں، حدیث
 میں ہے کہ خدا نے خاک کو شبنم کے روپ پیدا کیا ہے، غلام نے ثابت کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے یہ حدیث
 کعب الاحبار سے لی ہے،

کہتے ہیں: ابو ہریرہ منا اور اس طریقہ سے حدیث نقل کرتے تھے کیونکہ اکثر حدیثیں
 انہوں نے صحابہ اور ایسے ہی بعض تابعین سے سنی تھیں بالسنی حدیث بیان کرنے سے بہت شکلیں
 پیدا ہو گئی ہیں،

نیز کہتے ہیں:

ابو ہریرہ کثرت سے حدیث نقل کرنے میں منفر د ہیں، بعض احادیث اپنے موضوع
 کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہیں، جیسے حدیث فتن یا رسولؐ کا اپنے بعد روٹا ہونے والی بعض چیزوں
 کی خبر دینا اور اس پر استدلال یہ کہ ان کے متن بھی نامانوس ہیں اگر ابو ہریرہ کی مانند غیر صحابہ میں سے کوئی
 ہوتا تو اسے ان اہل میں شمار کیا جاتا کہ جن کے ذریعہ روایت کا اثبات کیا جاتا ہے جیسا کہ نقادین حدیث
 جرح و تعدیل والوں کے نزدیک مشہور ہے، چنانچہ ہم آج تک لوگوں کو ابو ہریرہ کی احادیث سے بحث
 کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ۛ

ط۔ یہ حدیث آپ پہلے سلاطین کو کہنے میں، مجلہ المنارج ۲۹ ص ۴۳،

ع۔ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس محفل کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے جس نے وہ رسولؐ سے سنی تھی،

ع۔ مجلہ المنارج ۱۹ ص ۹۷،

بخاری نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہؓ کی ۴۴۴ اور ابن عباسؓ کی ۲۱۷ حدیثیں نقل کی ہیں، ان دونوں کی اتنی روایتیں اصول حدیث کے لحاظ سے انھیں منفرد نہیں کرتی ہیں۔ پھر بہت سی حدیثوں میں دونوں شریک ہیں اگر ہم ان احادیث کو شمار کریں جو کہ صرف ابو ہریرہؓ نے شرعی احکام کے بارے میں بیان کی ہیں تو وہ بہت کم ملیں گی، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ابو ہریرہؓ کی یہ روایات نہ ہوتیں تو احکام کی کتابوں میں بہت زیادہ کمی دھوئی ہوتی ہوتی جس چیز سے ان میں نقص ہو سکتا ہے اسے شریعت کے ثابت قواعد اور قطعی اصولوں سے سمجھا جاسکتا ہے، وہ قواعد ہیں: قاعدہ دفع حرج و عسر، اثبات ایسر و ترجیح، قاعدہ اہل برأت الذمہ، اور یہ کہ بری اور ضرر رساں چیزیں حرام اور پاک چیزیں حلال ہیں اور ضرورتوں کے وقت ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔

رشید رضاؒ نے اسرئلیات کے باطل ہونے کے سلسلہ میں کہا: ان کا منبع و سرچشہ کذب و باطل اور وہب دین منہ ہے،

جو چیزیں ہیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام روایات "یا موقوفات" جو ان دونوں کی طرف ملتی ہیں وہ یہ ہے صحابہؓ جو ایک دوسرے سے یا تابعین سے سنتے تھے اسے نقل و روایت کے طور پر بیان نہیں کرتے تھے بلکہ کسی مناسبت پر کسی کی طرف منسوب کئے بغیر بیان کرتے تھے، اکثر تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا بلکہ ابو ہریرہؓ سے بھی جو احادیث مروی ہیں وہ مرفوع ہیں خود ابو ہریرہؓ نے ان کو رسولؐ سے نہیں سنا ہے، لہذا ان سے اکثر منعن یا قال رسول اللہؐ و لا احادیث نقل کی گئی ہیں اور سب سے کم اسی حدیثیں ہیں کہ جن میں یہ کہا کہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ فرما رہے تھے۔ اور کبھی بعض صحابہؓ اور بعض تابعین سے روایت کی جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل میں وہ کعب الاحبارؓ سے مروی ہے یہاں ہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ صحابہؓ کی وہ موقوفات کہ جن میں اجتہاد و رائے کی گنجائش نہیں ہے

۱۔ رشید رضاؒ نے یہ بات نصرانی مسلمان کی رد میں کہی تھی وہ ابو ہریرہؓ پر متفقہ کرتے تھے خود عبارت سے ابو ہریرہؓ سے دفاع کی جاتی ہے،

نہ وہ مرفوع کے برابر ہیں، جیسا کہ محدثین کا قول ہے مگر یہ کہ وہ اسرائیلیات جیسی نہ ہوں۔
یہ تھے ابوہریرہ کے مختصر حالات جن کو ہم نے نافع کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان پر
تقیقہ نہیں کی ہے جبکہ صحیح حالات کی تکمیل تنقید کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نہ جہاں کی تحقیق اس کے بغیر
کامل ہوتی ہے اس سے ہم نہ اس پر چشم پوشی کی ہے کہ بعض لوگ صحابہ کے بارے میں کہتے ہیں وہ
سب عادل ہیں، غلط ہے اس صورت میں ان پر کوئی بھی علم و برہان کے ذریعہ تنقید نہیں کر سکتا ہے
نہ ان کی روایت و شہادت پر کوئی تنقید کر سکتا ہے نہ ان کی سیرت کا تجزیہ کر سکتا ہے، نیز علامہ نے ان کے
بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی بساط سنی جا چکی ہے، گویا عدالت صرف انہیں میں محدود ہے اور گویا کہ
وہ انسانیت کے آخری دبچہ پر فائز ہو چکے تھے قلم انسان کی طرح ان سے وہم و خطا ہوتی تھی نہ
شک و یاسان میں مبتلا ہوتے تھے ہم کذب و بہتان نہیں کہتے،

اگر ہم یہ تسلیم بھی کریں کہ تمام صحابہ ان چیزوں سے معصوم ہیں جو کہ دوسرے بنی نوع انسان
سے سرزد ہوتی ہیں، صحابہ نہ بھولتے ہیں نہ خطا و وہم میں مبتلا ہوتے ہیں نہ غلط فہمی اور سوہ فہم سے
دوچارہ ہوتے ہیں اور نہ صحابہ میں منافق تھے، نہ وہ گناہ کبیرہ و صغیرہ کے مرتکب ہوتے تھے اور جو
ان سے سرزد ہوا تھا وہ نہیں ہوا، اور نہ رسول کی وفات کے بعد ان میں سے کوئی مرتد ہوا اور نہ
ان چیزوں کے مرتکب ہوئے تھے جو کہ صحیح تواریخ میں ان کے بارے میں مرقوم ہیں لیکن:
ابوہریرہ کا قضیہ تمام صحابہ سے مختلف ہے صحابہ کبار اور ان کے بعد والوں نے ابوہریرہ کو
مطعون کیا ہے اور ان کی روایت میں شک کیا ہے جیسا کہ اس سے قبل ہم لکھ چکے ہیں خصوصاً اپنی کتاب
شیخ المفیضہ میں،

مجھے علامہ کلام کا اس سلسلہ میں یہ قول بہت پسند آیا ہے کہ ”عجیب حال ہے ان“
”رجال حدیث“ کا کہ وہ شیخ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں لیکن اس چیز کو نہیں لکھتے
ہیں کہ جس پر دوسرے محدثین نے اس سے اتفاق نہیں کیا ہے، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی وغیرہ
کی قدح کرنے میں علامہ جرح و تعدیل ابوہریرہ کی ایک ایسی حدیث سے احتجاج کرتے ہیں کہ جس

الحمد لله الذي جعل القرآن الكريم منارة للهدى

انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ میری طرف سے ہے

مجلس شورای ملی

اس کے لئے کہ میں نے اسے اپنے لئے لیا ہے، وہ ایک اور چیز سے نہیں بڑھتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

۱- در صورتی که در این مورد، هیچ مدرک و سند معتبری وجود نداشته باشد، باید به مراجع ذیصلاح اعلام شود تا اقدامات لازم را برای پیگیری موضوع اتخاذ نمایند.

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय

مجلس السبعين من اجتماع علماء الأديان في القاهرة

مجلس سیمین در روز شنبه ۱۳۰۴

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥ १ ॥
 ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥ २ ॥

وہی ہے جو کہ اس کے لئے ہے اور وہی ہے جو کہ اس کے لئے ہے

[illegible]

Handwritten text in Arabic script, likely a continuation of the previous page.

[illegible]

چندین سال در آنجا بود و بعد از آن به قزوین آمد و در آنجا نیز چندین سال ماند.

ملک الموت کو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا جناب موسیٰؑ ان کو ایک طمانچہ مار دیا تو وہ واپس اپنے رب کے پاس چلے گئے اور کہا: تو نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا تھا جو مرنا نہیں چاہتا ہے، خدا نے ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی ٹوٹا دی! اور فرمایا پھر موسیٰؑ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بل کی پشت پر ہاتھ رکھیں چنانچہ ان کی منگھٹی میں جتنے بال آجائیں گے اتنے سال تک وہ زندہ رہیں گے، عرض کیا اے اللہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت! عرض کی اب خدا سے میری دعا ہے کہ مجھے رحمتِ جبر کی مقدس زمین سے قریب کر دے، رسولؐ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو کیشبِ احمر و ریت کے لال ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھا سکتا ہوں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی،

تاریخ طبری میں ابو ہریرہؓ سے روای ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس آنے سے قبل ملک الموت لوگوں کے پاس آئے ہوئے نظر آتے تھے لیکن جب سے نکلتے طمانچہ مار کر ان کی آنکھ پھوڑی ہے اس وقت سے خفیہ طور پر آتے ہیں....

اس حدیث سے اسرائیلیات کی بڑائی ہے، طبری نے انہی سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جنت و جہنم میں تکرار ہو گئی جہنم نے کہا: مجھے متکبر بن اور جابرؤں سے سرفراز کیا جائیگا، جنت نے کہا: میرے حصے میں کمزور کچلے ہوئے لوگ آئیں گے، خدا نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے جس بندے پر چاہتا ہوں تیرے ذریعہ رحم کرتا ہوں، اور جہنم سے فرمایا: تو عذاب ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں تیرے ذریعہ عذاب کرتا ہوں، اور دونوں بھرے جائیں گے، لیکن جہنم تو اس وقت تک نہیں بھرے گا جب تک خدا اس میں اپنا پیر نہیں ڈال دے گا اس سے بھر جائے گا بلکہ خُص جائیگا، بخاری نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز دوڑنے والے سوار کیلئے زمین دن کی راہ ہے۔

بخاری اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اور انہوں نے رسول ﷺ سے روایت کی ہے کہ: جب تم میں سے کسی کے ظرف میں مکھی گر جائے تو اسے پوری طرح غوطہ دیکر پھینکنا چاہیے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے،

طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ سے اور انہوں نے رسول ﷺ سے روایت کی ہے کہ: میرے پاس ایک فرشتہ خدا کا پیغام لیکر آیا، پھر اس نے اپنا ایک پیر آسمان پر رکھ دیا جبکہ زمین سے دوسرا نہیں اٹھایا:

ترمذی نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”عجوبہ بہترین کھجور جنت کا پھل ہے اس میں زہر کیلئے شفا ہے،“

حاکم ابن ماجہ نے اپنی حدیث میں صحیح سند سے روایت کی ہے: ظروف کو ڈھانک دو، مشکوں کا دھانڈا بندھ دو، دروازہ بند رکھو، پتوں کو عورتوں سے روک رکھو کیونکہ جن کے ہتھکنڈے پھیلے ہوئے ہیں اور سوتے وقت چراغ بجھا دینا چاہیے کیونکہ چوہا چراغ گر دیتا ہے تو گھروں میں جل جاتے ہیں،

مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کے سایہ میں سو سو سال تک چلتا ہے، ابو ہریرہ کی ایسی ہی بہت حدیثیں ہیں کہ جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں ہم ان کو یہاں جمع نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس کیلئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے،

بڑے صحابہ کیا کہتے ہیں

گذشتہ بحث سے آپ یہ سمجھ گئے کہ ابو ہریرہ نے رسول ﷺ سے ۵۳۷۴ حدیثیں نقل کیں جن میں سے ۴۶۶ کی بخاری نے روایت کی ہے جبکہ ابو ہریرہ ایک سال چند ماہ رسول ﷺ کی صحبت

میں رہے تھے، اب لوگوں کو ملاحظہ فرمائیں جنہوں نے ایمان کی طرف سبقت کی اور جو ابوہریرہ کی بہ نسبت رسولؐ سے زیادہ قریب تھے، ابوہریرہ سے زیادہ دین فہم تھے اور فضیلت و جہاد میں تمام مہاجرین و انصار وغیرہ سے آگے تھے اور رسولؐ کے ساتھ جنہوں نے ایک عمر گزاری تھی انہوں نے رسولؐ سے کم احادیث روایت کی ہیں،

ابو بکر کی روایت

حضرت علیؑ کے بعد ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے، معلم صحابہ کے شیخ تھے مکہ و مدینہ میں رسولؐ کے ہمراہ رہے، عرب کے نسب سے واقف تھے، ملاحظہ فرمائیں انہوں نے کتنی احادیث بیان کی ہیں:

تہذیب میں نوٹھا لکھتے ہیں: صدیق نے رسولؐ سے ۱۲۲ حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے سیرطی نے ۱۰ تاریخ الخلفاء میں اور بخاری میں ۲۲ نقل ہوئی ہیں،

عمر کی روایت

چھ ہشت میں سلمان ہوئے اور رسولؐ کے آخری دم تک ساتھ رہے، وہ خود کہتے ہیں: میں اور انصار میں میرا ایک ہمسایہ رسولؐ کے پاس باری باری جاتے تھے یعنی ایک روز میں اور ایک روز وہاں میں جاتا تو اس روز ہونے والی وحی کی خبر سے سنا تا تھا اور ایسے ہی وہ بھی اپنی نوبت پر خبر لاتا تھا، ان تمام باتوں کے باوجود عمرؓ سے تقریباً پچاس صحیح حدیث نقل ہوئی ہیں جیسا کہ ابن حرم نے اسے ثابت کیا ہے،

حضرت علیؑ کی روایت

آپؑ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا رسولؐ کی انغوش میں تربیت پائی بعثت سے پہلے سے آخری دم تک آپؑ کے ہمراہ رہے، سفر و حضر میں ہمیشہ آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑا، پھر علیؑ آپؑ کے چچا زاد بھائی آپؑ کی بیٹی فاطمہؑ کے شوہر تھے، جنگ تبوک کے علاوہ تمام معرکوں میں آپؑ کے شانہ بشانہ رہے اور جنگ تبوک پر روانگی کے وقت رسولؐ نے آپؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو عرض کی! اے اللہ کے رسولؐ کیا آپؑ نے مجھے عورتوں اور بچوں کا خلیفہ مقرر کیا ہے — ۹ فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کیلئے ہارون تھے؟ بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

یہ وہ امام ہیں جن کے علمی پایہ تک کوئی صحابہ نہیں پہنچا ہے، لیکن سیوطی نے ان کی طرف ۵۸ حدیثوں کی اور ابن حزم کہتے ہیں کہ آپؑ سے منقول چاس حدیثیں صحیح ہیں اور بخاری و مسلم نے تقریباً ان سے ۶۰ حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن عثمان سے بخاری نے نو اور مسلم نے پانچ حدیثیں نقل کی ہیں، زہیر بن العوام سے بخاری نے نو اور مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے، طلحہ بن عبید اللہ سے بخاری نے چار حدیثیں نقل کی ہیں، عبد الرحمن بن عوف سے بخاری نے نو حدیثیں نقل کی ہیں، ابی بن کعب سے کتب میں ساٹھ سے کچھ زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں، زید بن ثابت سے بخاری نے آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں اور یحییٰ بن کاہن پر اتفاق ہے، سلمان فارسی سے بخاری نے چار اور مسلم نے تین احادیث نقل کی ہیں، بہت سے صحابہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے رسولؐ سے کوئی حدیث نقل

نہیں کی ہے ان ہی میں سے عشرہ مبشرہ میں سے ایک سعید بن زید بن نفیل اور لہی عمارہ ہیں ...

چند نمونے

اس سے قبل بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ رسولؐ سے جو حدیثیں نقل ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی عجیب و غریب ہیں، ان میں بخونے کے طود پر چند احادیث ہم یہاں پیش کرتے ہیں بالانتخاب تو ہم انہیں بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کیلئے جلدیں دیکار ہیں،

ابن عباس سے مروی ہے کہ خدا نے سفید موتیوں سے لوح محفوظ کو خلق کیا ہے اور اسے سرخ یا قوت کی دفتیوں میں رکھا ہے، اس کا قلم نوسہ ہے، اس کے کتاب بھی نور ہیں زمین و آسمان کے درمیان کے فاصلہ کے برابر اس کا عرض ہے، ہر فرد اس پر ایک نظر ڈالتا ہے، زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، عزت دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس سلسلہ میں اس کا قول ہے کل یوم ہونی شان،

عبدالرزاق ابن منذر، طبرانی اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے،
فیہنن اور بعض صاحبان سنن و مسانید اور مفسرین نے ابوذر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے ابوذر سے فرمایا تم جانتے ہو کہ سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں! فرمایا: یہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے جاتا ہے اذن چاہتا ہے اسے اذن ملتا ہے یہ قریب ہے وہ سجدہ کر لیں اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا، پھر اجازت چاہتا ہے، لیکن اسے اجازت نہیں ملتی ہے لہذا اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ جیسے چاہو لوٹ جاؤ چنانچہ وہ مغرب سے طلوع ہوتا ہے اس سلسلہ میں خدا کا قول ہے

وانشس تجری مستقرھا ...

مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے:

دردیا میں شیاطین قید ہیں، انہیں سلیمان بن داؤد نے قید کیا تھا قریب ہے کہ وہ نکلے اور لوگوں کے سامنے قرآن پڑھیں،

بخاری نے باب الدار بالجوہ السوء، میں عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت چند عجوہ کھجور کھا لے اس پر اس دن رات تک زہر و سحر اثر نہیں کرے گا، ایک روایت میں ہے کہ جو سلت عجوہ کھجور کھائے گا، اسی طرح مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے،

نسائی کے نزدیک جابر کی حدیث سے یہ ہے کہ عجوہ جنت کا پھل ہے زہر سے پاک ہے،

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب نماز کے لئے نڈی دی جاتی ہے تو اس وقت شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان دینے والوں کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر بڑھتا ہے، اور پھر جب نماز شروع ہو جاتی ہے تو پھر اسی صورت میں فرار کرتا ہے یہاں تک نماز نافلہ ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر پوٹ آتا ہے اور خود انسان اور اسکے نفس کے درمیان خطو کرتا ہے،

اس حدیث کی شرح محقق علل نے اس طرح کی ہے ...
مسلم نے ابوسعیان سے روایت کی ہے کہ اس نے رسولؐ سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ آپ مجھے مین چیزیں عطا کر دیجئے میری بیٹی ام حبیبہ سے نکاح کر لیجئے، میرے بیٹے معاویہ کو کاتب بنا لیجئے اور مجھے حکم دیجئے کہ میں کفار سے اسی طرح قتال کروں جس طرح مسلمانوں سے کیا تھا،

ام حبیبہ جب رسولؐ کی زوجیت میں آئیں اس وقت وہ جنت میں تھے اور ان کا مہر نکاحی نے دیا تھا اور ابوسعیان فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا اور ہجرت و فتح مکہ کے درمیان کئی سال کا فاصلہ ہے،

مگر یہ سجدہ میں گر پڑتا ہے تو شیطان آتا ہے تاکہ اسے سجدہ سے باز رکھ سکے تو وہ اسی کے نیگوں کے درمیان غروب ہو جاتا ہے اور خدا اسکے نیچے اسے جلاتا ہے، طبرانی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ بے شک خدا نے سورج پر نونا لگا کر مقرر کیا ہے جو ہر روز اس پر برف برساتے ہیں اگر وہ برف نہ برساتے تو سورج کی دھوپ جس چیز پر بھی پڑتی اس کو جلا کر خاکہ کر دیتی۔

جبکہ قول مشہور کی بنا پر انس ۳ھ میں مرے ہیں اور یہی اس غلام کی پرورش کر رہے تھے جس کے بارے میں رسولؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ بوڑھا نہیں ہو پائے گا اور قیامت آجائے گی اس کاٹا سے پہلی صدی ختم ہونے سے قبل ہی قیامت پیا ہو جانی چاہیے تھی جیسا کہ حدیث نے نص کی ہے۔

پس عباد کی اسناد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ آپ کو کیا معلوم ہو سکتا ہے ابھی تک وہ غلام بوڑھا ہی نہ ہوا ہو،

جس حدیث میں ملا اعلیٰ لڑتے ہیں

احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ ایک روز رسولؐ خدا ان کی طرف سے گزریے جبکہ آپ پاکیزہ نفس اور ہشاش و بشاش تھے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہا مجھے میرے بے بہترین صورت پر تعلق کیا ہے، فرمایا: اے محمدؐ: میں نے کہا: لبیک و سعیدک! فرمایا: ملا اعلیٰ کس بات پر جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کی میں نہیں جانتا کیا بات ہے کہا: پھر اس نے دو ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھ دیئے تو مجھے سینے میں ان کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور پھر آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں۔

شہرستانی کی روایت ہے کہ میرے رب نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھ سے مصافحہ

کیا اور مقابلہ اور پھر میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے جہاں تک کہ مجھے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔

جنت کا بیل

ابن قیم نے بدائع الفوائد میں رسول ﷺ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن مہینوں کے لئے جنت کے بیل کو ذبح کیا جائے گا جو کہ جنت میں چرتا ہے، اور یہ ان کا کھانا ہوگا، ابن قیم کہتے ہیں یہ حیوان جو کہ جنت میں چرتا ہے جتنی لوگوں کی خوراک بن جائے گا،

رسول ﷺ نے گیارہ بار خدا کو دیکھا

قاضی کہتے ہیں: احمد نے اس بات پر نص کی ہے کہ شب معراج بیداری کی حالت میں دیکھا تھا ان سے حکایت کی گئی کہ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: احادیث اسرار خواب کی حالت سے مراد وہ ہیں تو انہوں نے کہا: یہ جہمیہ کا کلام ہے۔
ابو بکر بخاری کہتے ہیں: رسول ﷺ نے خدا کو گیارہ بار دیکھا ہے نو بار شب معراج میں اس وقت دیکھا تھا جب آنحضرت ﷺ موسیٰ اور اپنے رب کے درمیان آمد و رفت کر رہے تھے اور در مرتبہ کتاب کے ذریعہ۔

عرش کو اٹھانے والے ملک

منتخب کنز العمال میں سن کے بارے میں کچھ اقوال و افعال ہیں:
 انس نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اجازت ہے کہ عرش کو اٹھانے والے ملک کے بارے
 میں خبر دوں اس کا ایک پیر ارض سفلی پر اور دوسرا عرش کی چوٹی پر ہے اور اس کے کان کی جڑ بی و گردن
 کے درمیان ... سال تک پرند کی پرواز ہوتی ہے،
 وہ کہتا ہے: انت الملک بجانک حیث کنت

رعد

ابن عباس سے مروی ہے کہ: رعد ملائکہ میں سے ایک ملک ہے جو کہ بادلوں پر نینا
 ہے، اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن کے ذریعہ بادلوں کو اس طرف لے جاتا ہے جس طرف
 خدا چاہتا ہے۔

ان ہی سے مروی سانپ مسخ شدہ جن ہیں جیسا کہ نبی اسرائیل کے زمانہ میں بندرا اور
 خنزیر مسخ ہو گئے تھے، ان ہی سے منقول ہے سب سے پہلے خدا نے جو چیز خلق کی وہ قلم ہے ایک
 بدنون مچھلی، کو پیدا کیا اور زمین کو اس مچھلی کی پشت پر رکھا۔

۱۔ توالہ سابق ص ۴۵۹

۲۔ ایضاً ص ۴۵۹

ججر اسود

ابن عباس سے مروی ہے کہ: ججر اسود روئے زمین پر خدا کا دایاں ہاتھ ہے اپنی مخلوق میں سے جس سے پتہ آتا ہے اس کے خدیوہ مصافحہ کرتا ہے۔ ایک روایت میں ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ججر اسود جنت سے آیا ہے وہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا، شرک نشانات نے اسے سیاہ کر دیا ہے کہتے ہیں وہ روز قیامت آئے گا تو اس کی زبان اور دو ہونٹ ہونگے اور یہ گواہی دے گا کہ کس نے اسے حق کے ساتھ چھوا ہے۔

یہ حدیث بھی اسرائیلی ہے وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ جس نے اس کے بارے میں کہا ہے: سفید لوگوں کی مانند تھا جسے شرکین نے سیاہ کر دیا ہے۔
جاخط نے اس حدیث کا مذاق اڑایا ہے اور کہا ہے کہ گویا اب مسلمان اسے کر کے سفید کر گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی فضیلت

عطاء بن ابی رباح سے انہوں نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو بادل مشرق میں بھاگ گیا ہوا بند ہو گئی دریاں طوفان آگیا چوپائے چوکنے ہو گئے آسمان سے شیطانوں کو جھکایا گیا اور خدا نے اپنی عزت و جلال

۱۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۴۱،

۲۔ "بیضا" ص ۳۶۸۔

کی قسم کھائی کہ جس چیز پر بھی اس کا نام لیا جائے اس میں برکت دوں گا۔

حاملان عرش میں سے ایک

جابر سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے اجازت عطا ہوئی ہے کہ میں خدا کے ان ملائکہ میں سے جہ کہ حاملان عرش ہیں، ایک کے بارے میں یہ بتاؤں کہ اس کے کان کی جڑی سے گردن تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے ابو داؤد اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے،

جبریل کے پر

اہم احمد نے عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے جبریلؑ کو ان کی صورت میں دیکھان کے چہرہ سپر ہیں ہر پر افق پر چھا جانے والا ہے وہ اپنے پر سے دریا قوت گراتے ہیں اس کے بارے میں خدایا بہتر جانتا ہے، اس کی اسناد قوی ہیں، عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے جبریلؑ کو سبز حلہ میں لباس دیکھا زمین و آسمان کے فاصلہ کو جبریلؑ اپنے بدن سے پر کر دیا تھا، مسلم نے روایت کی ہے،

ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دیگا

بخاری و مسلم نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ بے شک اللہ عزوجل اپنی پنڈلی کھول دیگا

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۱،

بخاری نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ہمارا رب انہی پنڈلی سے پردہ ہٹا دے گا تو ہر مومن و مومنہ سجدہ میں گر پڑیں گے، ابن مسعود کہتے ہیں: خدا اپنی دائیں پنڈلی کھل دے گا تو اس کی پنڈلی کے نور سے زمین چمک اٹھے گی،

جنت کی بکری

سنن ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے منقول ایک حدیث ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: بکری جنت کے چوپایوں میں سے ہے،

خدا کا پیر

صحیحین میں انسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جہنم میں جو بھی ڈالا جائے وہ یہی کہے گا میرا پیت نہیں بھرا ہے، یہاں تک خدائے متعال اس میں اپنا پیر ڈال دے گا تو ایک دوسرے سے سٹ جائے گا۔

جنت کا درخت

بخاری نے ابن سعد سے اور انہوں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: بے شک جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھڑ سوار سو سال تک چلتا ہے لیکن اسے طے نہیں کرتا ہے۔

طوبیٰ جنت میں ایک شجر ہے

احمد بن حبان سے اس کی روایت کی ہے، اور ایک روایت ہے طوبیٰ جنت میں ایک شجر ہے جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور اس میں اپنی روح چھوکی ہے، اس پر زیورات و پوشاک لگتے ہیں اور جنت کے پردہ کے پیچھے سے اس کی شاخیں نظر آتی ہیں، (یہ شکل حدیثیں ہے شامی اس سلسلہ میں آپ کے لئے طحاوی کی کتاب، مشکل التلذذ کا مطالعہ درکار ہے، یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے پھر بھی تلم مشکلات اس میں نہیں ہیں، یہ کتاب ہندوستان میں طبع ہوئی ہے،

حدیث مہدی

جس چیز سے روایات کے مشکلات وجود میں آئے ہیں وہ مختلف احادیث ہیں جو کہ جمہور کے نزدیک سنت کی شہور کتابوں میں مہدی منتظر کے بارے میں بیان ہوئی ہیں ان سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ آخری زمانہ میں مہدی ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل سے پر کریں گے جیسا کہ ظلم سے بھرچکی ہوگی۔

یہ مہدی المنتہی کے نزدیک محمد بن عبد اللہ ہیں ایک روایت میں احمد بن عبد اللہ آیا ہے اور شیعوں امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے وہ آئمہ معصومینؑ میں سے محمد بن الحسن مہدی ہیں، شیعوں میں جنت قائم المنتظر کے لقب سے یاد کرتے ہیں،

کیسا یہ کہتے ہیں کہ مہدی، محمد بن الحنفیہ ہیں اور وہ زندہ ہیں جبل رضوی میں مقیم ہیں ان کے پاس جوش مار کر بہنے والے دو چشمے ہیں ایک میں پانی اور دوسرے میں شہد بہتا ہے

اور ان کے ساتھ چالیس افراد ہیں ،
 مہدی کے نسب کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ علوی و فاطمی حسیں کی نسل سے ہیں ، شیخ
 امامیہ کے نظریہ کی رو سے وہ امام حسینؑ کی نسل سے ہیں ، ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں :
 طول تاریخ میں تمام اہل اسلام کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ آخری زمانہ میں ضرور
 اہلبیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جو کہ دین کی مدد اور عدل کا بول بالا کرے گا مسلمان اس کا پیرو
 کریں گے ، اسلامی مملکت پر اس کی حکومت ہو گی اور اس کا نام مہدی ہوگا ، دجال کا خروج اور
 اسکے بعد کے واقعات قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جو کہ صحیح میں ثابت ہے اور یہ کہ اسکے
 بعد عیساؑ نازل ہونگے اور دجال کو قتل کریں گے اور مہدی کی مدد کریں گے اور ان کی اقتدار میں نماز
 پڑھیں گے اس پر شیعوں نے احادیث سے حجت قائم کرتے ہیں جو کہ ائمہ سے مروی ہیں مگر ان
 نے بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا ہے ، بعض احادیث میں تعارض بھی ہے ،
 جہود کے نزدیک سنت کی مشہور کتب میں مہدی سے متعلق جو احادیث نقل
 ہوئی ہیں ان پر ابن خلدون نے خدشہ وار دیکھا ہے لیکن شیخ خصوصاً امامیہ کے پاس ظہور مہدی
 کے متعلق دلیلیں ہیں وہ اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں اور پھر یہ قوم
 کے پاس سنت و امام ہے ،

مہدی عباسی

کچھ ایسی صریح احادیث بھی موجود ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی عباسی کی
 نسل سے ہونگے ، ان احادیث کی کثرت کی بنا پر ہم صرف ان کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا
 کرتے ہیں ،

مہدی سفیانی

جب ایک علویوں کا مہدی ہے تو دوسرا جاسیوں کا بھی ہے اور پھر اموی ہی مہدی سے کیوں محروم رہیں ایک ان کا بھی ہے اور جب تک حدیث گزرنے کا باب دہ ہے اس وقت تک کوئی بھی چیز اس میں داخل کی جا سکتی ہے خصوصاً جب ان کے ہاتھ میں طاقت و سلطنت ہوتی ہے گزرنے والے ان کی بخشش کی وجہ سے ان کا تقرب ڈھونڈتے ہیں بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے امیوں کا ایک مہدی ہے جسکو سفیانی کہا جاتا ہے، اس کے اخبار کو بیان کر کے ہم بحث کو طول نہیں دینا چاہتے،

خلفاء اثنا عشر

خلفاء اثنا عشر کے سلسلہ میں وارد ہونے والے مضمون میں یہ کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ روایت حدیث میں وضع حدیث کا اثنا اثر ہے اس بحث میں اسی چیز نے ہماری مدد کی ہے، اس کا وارد ہوا چیزیں ہیں ان سے ہماری غرض نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے معتقات سے بحث کا حق ہے،

بہت سی احادیث میں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خلفاء بارہ ہوں گے جو چیزیں مختلف الفاظ میں ملی ہے اسے ہم یہاں بیان کرتے ہیں،
مسلم نے روایت کی ہے: لوگ اس وقت تک اپنی حالت پر رہیں گے جس وقت تک ان میں بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے،
مسلم کی روایت ہے یہ امر اپنی جگہ باقی رہے گا جب تک کہ ان میں بارہ خلیفہ ہوں گے،

بخاری میں جابر بن سمہ سے مروی ہے: امیر بارہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے،

ایک اور روایت میں ہے: اسلام عزیز اس وقت تک باقی ہے جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے،

نیز ابو داؤد نے روایت کی ہے یہ دین اس وقت تک عزیز ہے جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے،

اور ابو حنیفہ کی حدیث میں ہے جو کہ بنی ہاشم، طبرانی نے نقل کیا ہے، میری امت کا امر صالح رہے گا، ابو داؤد نے بھی جابر بن سمہ سے ایسی حدیث نقل کی ہے اتنا اضافہ کیا ہے، جب وہ اپنے گھروں آئے تو قریش ان کے پاس آئے اور کہا: اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: حرج، یعنی فتنہ و خونریزی ہوگی،

ابو داؤد نے اس طرح نقل کی ہے یہ دین اس وقت تک قائم ہے جب تک ان پر بارہ خلفاء کی حکومت ہے اور ان سب پر امت کا اتفاق ہے،

احمد نے اس طرح نقل کی ہے: یہ امر ہمیشہ صالح و صحیح رہے گا، ان ہی کی دوسری روایت میں ہے: یہ امر ہمیشہ پسندیدہ رہے گا اور طبرانی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے، انہیں ان کے دشمنوں کی عداوت نقصان نہیں پہنچا سکے گی،

احمد و زاز نے ابن مسعود کی حدیث سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان سے سوال کیا کہ اس امت پر کتنے خلفاء کی حکومت ہوگی؟ تو انہوں نے کہا: اس سلسلہ میں ہم نے رسولؐ سے دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا وہ نقیہ بنی اسرائیل کی تلواد کے برابر بارہ ہوں گے، طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی روایت کی ہے، جب بنی کعب بن لوی میں سے بارہ بادشاہ ہو جائیں تو انتہا ہو جائے گی اور پھر ایسے ہی قیامت تک سلسلہ جاری رہے گا،

کعب الاجار سے مروی ہے " اس سے بھی مؤخر مروی ہے " ہر جگہ نئی تہذیب کا اثر ہے بارہ مہدی ہوں گے اس کے بعد روح اللہ " عیسیٰ " نازل ہوں گے اور جہاں کو قتل کریں گے، مذکورہ احادیث غلط فہم کو بارہ بتاتی ہیں لیکن ایک اور روایت ابن تہائم حدیثوں کے معارض بھی مروی ہے اور وہ ہے حدیث سفینہ جسے اصحاب سنن نے نقل کیا ہے اور ابن تہائم وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے حدیث ہے، میرے بعد میں سال تک خلافت رہے گی اور پھر بادشاہت ہو جائے گی،

اسی طرح ابو داؤد و ابن مسعود سے روایت کی ہے : ۳۵ یا ۳۶ یا ۳۷ سال تک اسلام کی کچی گھومتی رہے گی اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ان کی راہ ہی ہلاکت ہے اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر سال تک قائم رہے گا۔

ان احادیث کے بارے میں کچھ اقوال

قاضی حاض کہتے ہیں : اس تعلق " بارہ " سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں،
 ① یہ رسول کی حدیث سفینہ کے معارض ہیں کیونکہ اول تو تیس سال تک تو صرف غلط فہمی اور لہو لہام حسن بن علیؑ ہی کی خلافت رہی ہے اور دوسرے خلافت اس مدت سے زیادہ تک پہنچی ہے،
 کشف مشک میں ابن جوزی لکھتے ہیں میں نے اس حدیث کے معنی کے حصول کے لئے بہت تحقیق کی اور اس کا مآخذ تلاش کیا لیکن مقصد پورا نہیں ہو سکا، اس لئے کہ اسکے الفاظ مختلف ہیں مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اس میں رواق نے غلط ملاحظہ کیا ہے،
 لیکن سیوطی نے ان مشکل احادیث کے بارے میں غلام کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ہم قارئین کی خوش طبعی کیلئے اسے یہاں نقل کر رہے ہیں،

اس بنا پر بارہ خلیفہ ہوتے ہیں، خلفاء اربعہ، حسن، معاویہ، امین و سیر، عمر بن عبد
الخریز، یہ آٹھ ہو گئے، احتمال ہے ان میں عباسیوں کے مہدی کو شامل کریں کیونکہ عباسیوں میں
اس "مہدی" کی وہی حیثیت ہے جو کہ بنی امیہ میں عمر بن عبد الخریز کی ہے، دیکھا انتظار رہے ایک
مہدی میں جو کہ اہلبیت محمد سے ہوں گے لیکن دوسرے کا معلوم نہیں ہے، خدا رحم کرے اس شخص
پر جس نے سوطی کے بارے میں کہا ہے: یہ خشک و تر کو چھین کرتے ہیں۔

مہدی کے بارے میں پانچ بحث مکمل کرنے سے قبل یہاں علامہ ترمذی عسکری جو کہ عراق
کے عظیم علماء میں سے ایک ہیں، کی بات نقل کرتے ہیں، جو کہ مہدی کے بارے میں شیوہ امامیہ کے
عقیدے کو بیان کرتی ہے، خدا انہیں سلامت رکھے انہوں نے ایک طویل جواب میں ارشاد
کیا ہے،

شیوہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ زمین جنت خدا سے خالی نہیں رہی اور اسی طرح خالی نہیں
رہے گی اور وہ جنت خدا یا زندہ ہے بنی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے یا اسے اپنے بعد اپنی
شریعت پر بنی معین کرتا اور اس سے اپنی امت کو خبردار کرتا ہے،

اور اثنا عشر کے بارے میں احادیث مروی ہیں جن میں سے آپ نے بھی اپنی کتاب حدیث
محمدیہ سے دفاع میں الخلفاء اثنا عشر عثمان کے تحت چند احادیث نقل کی ہیں، یہ احادیث یہ
بتاتی ہیں جو لوگ رسول کے بعد مردین کے ضامن و ذمہ دار ہیں گے ان کی تعداد بارہ ہے اور یہ بارہ
کا عدد خلفاء راشدین پر منطبق نہیں ہوتا ہے اور نہ امیر مہل اور دوسروں پر صادق آتا ہے اس کے
علاوہ خاصہ کے طریق سے بیگزوں احادیث رسول سے نقل ہوئی ہیں جو کہ اس بات پر نص ہیں اور
بارہوں امام ان کے نزدیک مہدی بن الحسن العسکری ہیں جو کہ ۳۵۴ھ میں پیدا ہو چکے ہیں حضرت
مہدی کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ آپ ابھی تک اسی طرح زندہ ہیں جس طرح حضرت نوح

۹۵۰ سال تک اپنی قوم کے درمیان زندہ رہا اور جس طرح حضرت مسیحؑ کو انہوں نے نہ قتل کیا نہ انہیں سولی دی، امران کے لئے مشیت ہو گیا اور خدا نے انہیں آسمان پر اٹھایا۔۔۔

شعیلوں کا عقیدہ ہے کہ مہدی موجود ہیں اور خدا کی اسی قدرت سے زندہ ہیں کہ جس نے ابراہیمؑ کیلئے مٹی کو پرندہ بنادیا تھا اور آگ کو ان کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث کر دیا تھا اور اس پوری مدت میں ان کا موجود ہونا خدا کی قدرت کی دلیل ہے، شیعوں امامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آپؐ لوگوں کے درمیان موجود ہیں وہ بھی ان کی ایسے ہی مدد کرتے ہیں جس طرح آپس کا کوئی گناہ ہے مگر وہ انہیں پہچان نہیں پاتے ہیں،

اھان کے وجود کے جو فوائد بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے جب علامہ کسی غلطی رائے کو بران کرنے کے نیاز مند ہوتے ہیں تو وہ صحیح راستہ پر گامزن ہوتے ہیں اور اس چیز میں بعض علامہ کی راہنمائی سے صحیح رائے قائم کرتے ہیں۔

لیکن ان کے ظہور کا وقت تو اس پر شیعوں امامیہ کا اجماع ہے کہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا علم صرف خدا ہی کو ہے، آپ کے ظہور کے کچھ علام ہیں ان میں سے بعض حتمی طور پر واقع ہونگے اور بعض کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور مشہور یہ ہے کہ آپؐ مکہ میں ظہور فرمائیں گے آپ کے لشکر کے پہاڑوں کی تعداد اتنی ہی ہوگی جتنی بدر میں رسولؐ کے لشکر کی تھی اور یہ کہ آپؐ زمین کو ہی دھل سے پکریں گے اور واقع کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے اگرچہ گواہوں کی گواہی ان کے خلاف ہوگی، راجح بات کا آپؐ حاکم اسرارہ کے سردار میں غائب ہوئے ہیں تو یہ میں نے کبھی شیعہ سے نہیں سنا ہے کہ مہدی اس میں غائب ہیں آپؐ اس میں موجود ہیں یا اسی سے خروج فرمائیں گے شاید سامرا کے سردار کو دوائے علی نقیؑ حسن مسکریؑ نے عبادت کے لئے مصلیٰ بنالیا تھا ویسے ائمہ اپنے گھروں میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے چنانچہ آج تک وہ ایسے ہی باقی ہے،



دجال

دجال کے بارے میں ابن خلدون نے مہدی والی بحث میں اشارتاً بیان کیا ہے کہ بہت سی احادیث اس بات پر صریح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ دجال کو رسولؐ نے دیکھا ہے اور احتمال ہے کہ دجال کا خروج آپؐ کا زمانہ ہے اور آپؐ نے مسلمانوں کو اس کے شر سے بچایا ہے، اور بعض حدیثیں اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ دجال اس وقت خروج کرے گا جب مسلمان روم و قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور بعض احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی و شہد کی نہریں ہوں گی، جیسا کہ احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور مسلم نے اضافہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ گوشت کا پہاڑ ہوگا۔

نفیم بن حاد نے کعب کے طریق سے روایت کی ہے کہ دجال کو اس کی ماں نے مصر میں قوص نامی جگہ پر جانتھا اور اس پیدائش و خروج میں تیس سال کا فاصلہ ہے، اس کی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دمشق کے باب شرقی پر نازل ہوگا، مشرق سے ظاہر ہوگا اسے خلافت مل جائے گی پھر وہ نہر کے کنارے آئے گا اسے پہنے کا حکم دے گا وہ پہنے لگے گا پھر اسے ٹوٹ جانے کا حکم دے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی پھر اسے خشک ہونے کا حکم دے گا تو وہ خشک ہو جائے گی پھر پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا جانے کا حکم دے گا تو وہ ٹکرا جائیں گے اس کے

بعد ہواؤں کو بادل پھیلانے کا حکم دے گا اور زمین سیراب ہو جائے گی وہ ہر روز دریا میں مین مرتبہ غوطہ لگائے گا لیکن اس کی تھا کو نہیں پہنچ سکے گا اس کا ایک ہاتھ دوسرے سے بٹا ہوگا چنانچہ وہ ہاتھ بڑھا کر سمندر کی تھلاہ سے پانی پھل چاہے نکال لے گا،

خطبہ اوداع میں دجال

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم حجۃ اوداع کے بارے میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ حجۃ اوداع کیلئے، پس آپ نے خدا کی حمد و ثناء کی پھر سید دجال کا ذکر کیا اور کلام کو طول دیا پھر فرمایا: خداوند عالم نے کوئی نئی مبعوث نہیں کیا مگر اس نے اپنی امت کو ڈرایا، نوح اودان کے بعد دوسرے انبیاء نے اس کو ڈرایا اور وہ تم میں فروغ کرے گا، پس اس کی حالت تم پر پوشیدہ نہ رہے اور نہیں ہے تمہارا رب تم پر غفیل رہے گا، تمہارا خدا کا نر نہیں ہے اور اس کی دائیں آنکھ کا نڈی ہے، جان لو کہ خدا نے تم پر ایک دوسرے کا مال و خون ایسے ہی حرام کیا ہے جس طرح یوں تمہارے اس شہر میں اور اس ماہ کی قمرت ہے کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں، پھر تمہیں یاد فرمایا: اے اللہ گواہ رہا افسوس ہے کہ میرے بعد کفر کی طرف پلٹ جاؤ یا ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو،

اس حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں حجۃ اوداع کے خطبے کو صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے سوائے ابن عمر کے دجال کا ذکر نہیں کیا ہے،

شاید ابن حجر یہ بھول گئے کہ ابن عمر بھی کعب الاحبار کے ایک شاگرد ہیں، صحیحین میں انس بن مالک کی حدیث ہے کہ رسول نے دجال کا ذکر:

مگر یہ کہ وہ کا نر ہے اور تمہارا رب کا نر نہیں ہے،
اس اس التقدیس میں فخر رازی لکھتے ہیں،

اس حدیث میں خدشہ ہے کیونکہ اسکے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ اور دجال کے درمیان فرق قائم کیا ہے کہ دجال کا نرا ہے اور خدا کا نرا نہیں ہے اور یہ بعید ہے اور جب خبر واحد ضعف معنی کے اس درجہ پر ہو تو پھر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ کلام مقدم سے مسبوق ہے اگر اس کا ذکر ہوتا تو اشکال ختم ہو جاتا ہے،

دجال کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں وہ سب مرفوع ہیں ان کے ذکر سے ہم حشمت پوشی کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے عقول میں اس عقیدہ کو راسخ کرنے کیلئے انہوں نے رسول سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے دجال کا انکار کیا اس نے کفر کیا۔

دنیا کی عمر

تفسیر آٹوسی میں ہے کہ سیوطی نے ہذا احادیث نقل کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، نیز ذکر کیا ہے کہ اس امت کی مدت ہزار سال سے زیادہ ہوگی لیکن پندرہ سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، اس مدعا پر سیوطی نے اپنے رسالہ کاشف عن بجا وزہ ہذا الامۃ الافہ میں بہت سے آثار و احادیث سے استدلال کیا ہے، اور آٹوسی نے کہا ہے اگر اس صدی کے شروع میں مہدی کا ظہور نہ ہوا تو جن چیزوں میں ہم نے ان کی خبر دی ہے ان کی اہمیت نہیں رہے گی گویا آب انہیں بے اہمیت سمجھیں،

وہ صدی تو گزر چکی جس میں آٹوسی زندگی بسر کرتے تھے وہ متنازعہ تھی اور اس کے بعد چودہویں صدی کے ۸۶ سال گزر چکے ہیں اور مہدی کا ظہور نہیں ہو سکا یقیناً ان چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں رہا جو سیوطی نے بیان کی تھیں۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ ۳۰۰ھ میں دجال ظاہر ہوگا اور اس سلسلہ میں بے فائدہ بحث کو طول دیا ہے اسی طرح ہم نے فقہ اور قیامت کی علامتوں اور حضرت مسیحؑ کے نزول کو بیان کرنے سے اعراض کیا ہے کہ ان سے مسلمانوں کی احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اسی طرح ان چیزوں کو بھی بیان نہیں کیا ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ

نیل و فرات و سیحون و جیحون ساتویں آسمان پر سردہ المستیٰ کی جڑ سے نکلی ہیں، یہ چنریں بخاری
وغیرہ میں موجود ہیں، اور یہ کہ ہر چیز کو رسول اللہ کے نور سے پیدا کیا ہے اور بہت سی عجیب و غریب
حدیثیں بیان ہوئی ہیں،

یہ حضرات ان چیزوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں وہ احادیث کی کتب اور
مقدمہ ابن خلدون ۵۲ ویں فصل کا مطالعہ فرمائیں یہ وہ فصل ہے جسکو مؤلف نے فاطمی امر کے
حکم اور اس سلسلے میں لوگوں نے مسلک کے مطابق لکھی ہے اور اس میں حقیقت کا انکشاف کیا ہے



علامہ قیامت سے متعلق احادیث

علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر میں قیامت کے علامہ و نشانیوں ”جیسے فتن ہو جاں
جسارہ، اور ظہور مہدی وغیرہ“ کے بارے میں احادیث میں ان پر تنقید کی ہے اور ان قیمتی تاج مشک
پہنچے ہیں۔

① بنی کو علم غیب نہیں تھا ”قرآن میں ہے“ میں خود اپنے نفع ضرر کا مالک نہیں ہوں
مگر یہ کہ جو خدا چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھا بیاں جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو
کر نہ جاتی میں تو ایمان لانے والوں کے لئے خدا نے اور بشارت دینے والا ہوں اور دین کی واضح
بات ہے، صرف خدا رسول کو بعض غیب سے آگاہ کر دیتا تھا، اس کی دو قسمیں ہیں ایک صریح
اور دوسری مستطلا۔

② اس میں شک نہیں ہے اکثر احادیث کی منہار روایت ہوئی ہے جیسا کہ واضح ہے اور
اس پر علماء کا اتفاق ہے اور اس پر صحاح کے راویوں کا ایک مختصر حدیث کے الفاظ میں اختلاف شہد
ہے اور بعض احادیث درج ہے، اس بنا پر ہر راوی اس چیز کی روایت کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے

۱۔ تفسیر القرآن الحکیم ج ۹ ص ۵۰۲-۵۰۴۔

اور اکثر اس کے سمجھنے میں خطا واقع ہوتی ہے کیونکہ یہ امور غیبی یا متعجب ہیں اور اکثر اپنی سمجھا ہوئی بات کی اکثر الفاظ سے تفسیر کرتا ہے،

اور جب خدا نے ان غیبی امور پر رسول ص کو مطلع نہیں کیا تھا کہ جن سے رسول تفصیلی طور پر مطلع تھے اور ان میں سے بعض میں اجتہاد کرتے اور سمجھ جاتے اور بعض کو قرآن سے سمجھتے تھے جیسا کہ ابن جوزی و نووی کا قول ہے کہ رسولؐ اپنے ہمصر بن صیاد یہودی کو دجال منظر سمجھتے تھے ایسے ہی اپنے زمانہ میں اس کے ظاہر ہونے کے معتقد تھے تو کیا یہ کوئی تعجب چیز بات ہے کہ یہ حدیث میں تعارض راویوں کے اپنے فہم کے مطابق معنا حدیث بیان کرنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔

اسلام سے کھیلنے والوں، مسلمانوں کو تباہ کرنے والوں کے ملک کو برباد کرنے والے زندیق یہود، فرس اور بدعت کاروں اسی طرح علوی، اموی اور عباسی تعصب رکھنے والوں نے بہت سے احادیث وضع کیں اور بعض مروی احادیث میں اپنی طرف سے بہت سی چیزیں ملا دیں اور اکثر احادیث روایت کے تقوے اور اصلاح کے اظہار کی وجہ سے رائج ہو گئیں بعض احادیث کے جعلی ہونے کا ظم بھی نہ ہو سکا مگر جب اس کے گڑبنے والے خد سے توبہ کی اور اس کا اعتراف کیا تو معلوم ہوا۔

استاد محمد عبدہ بنہ فرمایا کرتے تھے: صحیح اسلام وہ تھا جس پر مذاول اور فتنے سے پہلے کے لوگ ہیں، اور بعض صحابہ و تابعین ہر سلم سے بلکہ ہر سلم ہومن و صادق سے بھی لایا نہیں کرتے ہیں اور اس میں بھی فرق نہیں کرتے کہ یہ حدیث اس نے رسولؐ سے سنی تھی یا کسی اور سے چنانچہ ان سے ایسی حدیث نہیں ملتی کہ جس میں کسی نے کہا ہو حدیثی یا اخباری عن ابیہ...، مجھ سے اس نے یہ حدیث یا خبر رسولؐ سے نقل کر کے میان کی یا قال رسول اللہؐ کہا ہو جیسا کہ دہلے محدثین کرتے تھے یہ ثابت ہے کہ بعض صحابہ ایک دوسرے اور تابعین سے روایت کرتے تھے یہاں تک کہ اب جہاد وغیرہ سے روایت کرتے تھے،

اور اہل سنت کا یہ قاعدہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں لہذا اگر ان میں سے کوئی کا نام بھول گیا تو اس سے سند کی محنت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اکثر کا یہ قاعدہ ہے نہ کہ رائج ہے، رسولؐ کے زمانہ میں منافقین تھے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے، اعراب میں سے جو لوگ آپؐ کے پاس منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے نفاق میں پکے ہیں آپؐ انہیں پہچانتے ہم جانتے ہیں، یہاں لفظ مرد و اعلیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفاق کو انہوں نے حکم فولادی بنا لیا ہے، یہاں تک ان کی پیشانیوں اور باتوں سے بھی اس کا اظہار نہیں ہوتا ہے اور خداوند متعال ان میں سے بعض کے بارے میں فرمایا: اے رسولؐ اگر ہم چاہتے تو ان کا آپؐ سے تعارف کرا دیتے تو آپؐ انہیں ان کی پیشانیوں سے پہچان لیتے اور ان کی باتوں سے پہچان لیں گے، لیکن المیرہ نو کعب الاحبار وغیرہ کی روایت اور وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے روایت کیا ہے جیسے ابو ہریرہ و ابن عباس اور پھر بڑی تفسیر کا کعب اور اس کے شاگرد سے ماخوذ چیزوں سے بھری پڑی ہیں، پھر ان صحابہ میں سے بعض تدلیس کرنے والے ہیں جیسے قتادہ اور بڑے مفسرین میں سے جیسے ابن جریر یہ نصاریٰ میں سے تھے،

ہر حدیث میں یا متن کے لحاظ سے خالی ہے یا روایت کے اعتبار سے خلل ہے یا وہ خلق میں سنن الحدیث کے خلاف ہے یا اصول دین کے برعکس ہے یا اس کے قطعی نصوص حیات کے خلاف ہے، اس لئے حدیث ظن اور ہے یقینی نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پھر اگر کوئی کسی روایت کی تصدیق کرے اور اس میں مذکورہ اشکال نہ ہوں تو اصل یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور اگر مذکورہ اشکال میں سے کسی کو ذرا بھی شک ہو یا شبہ کرنے والوں نے اس میں شبہ کیا ہے یا شک کرنے والوں نے اسے متن میں اشکال کہا ہے تو اسے اس چیز پر عمل کرنا چاہیئے جو کہ ہم نے بیان کی ہے اور روایت کو موثق نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے یہ حدیث اسرائیلیات کی ذریعہ داخل ہوئی ہو یا معانی بیان کرنے میں راوی سے خطا ہو گئی ہو یا ہماری بیان کردہ چیزوں میں سے کوئی راوی اس میں پائی جاتی ہو اور اگر ان میں سے کوئی چیز بھی حدیث میں نہ پائی جائے تو وہ متواتر ہے تو پھر صداقت رسولؐ میں شبہ نہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یقینی طور پر معلوم ہے اور نہ اس کے علاوہ یقینی چیزوں میں

شبہ کرنا صحیح نہیں ہے،
یہ جامع کلام ہم نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ تحقیق حدیث کی طرف لوگوں کی راہنمائی
ہو سکے، نہ کہ قیامت کے عظام سے متعلق احادیث کی جگہ پر اس چیز کی طرف جو کہ رسول ﷺ
کی طرف منسوب ہے،
اس فصل کو ہم بعض متناقض احادیث بیان کر کے ختم کرتے ہیں،



jabir.abbas@yahoo.com

متناقض احادیث

مسلمان نہیں جانتے کہ کس پر عمل کریں

بخاری نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میری صدی والے ہیں پھر ان کے بعد ولے اودان کے بعد ولے ہیں،
عمران کہتے ہیں کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ میں آپؐ کی صدی کے بعد دو تین صدیوں کو شمار کروں پھر تمہارے بعد ولے شاید ہوں گے لیکن ان کی گواہی نہیں سنی جائے گی خیانت کریں گے امین نہیں ہوں گے انھیں ڈرایا جائے گا لیکن وہ اسے اہمیت نہیں دیں گے،
عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: بہترین افراد میری صدی کے ہیں پھر ان کے بعد ولے ہیں پھر ان کے بعد ایک قوم آئے گی کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی امانت داری پر مقدم ہوگی اور امانت داری اس کی شہادت سے سابق ہوگی،
ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

صفت ابنیؑ میں یہ رسولؐ کا قول نقل ہو چکا ہے کہ مجھے نئی آدم کی بہترین صدی میں مسبوت کیا گیا ہے اور احمد کے نزدیک بریدہ کی روایت میں ہے اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں مجھے

مبہوت کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ نبوت اور صحابہ میں سے آخری آدمی کے مرنے کے درمیان کم و بیش ایک سو بیس سال کا فاصلہ ہے اور اگر آپ کی وفات کے بعد کی مدت مہر لوی جائے تو ۹۰ یا ساٹھ ستر سال ہوتے ہیں اور اگر تابعین کے زمانہ کا اعتبار دوسری صدی کے بالکل ابتداء سے کیا جائے تو اس کی مدت ستر یا اسی سال ہے اگر یہ کہا جائے کہ علامہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تابعین میں سے آخری شخص جس کی مدت کو مانا جاتا ہے وہ سترہ تک زندہ رہا ہے اور اس وقت بدعتوں کا حکم کھلا ظہور ہوا، اسی زمانہ میں معتزلہ نے زبان کھولی، فلاسفوں نے سراٹھایا اور علامہ کو یہ کہنے پر مجبور کیا گیا کہ قرآن مخلوق ہے حالات بالکل ہی بدل گئے اور اس وقت سے آج تک اصلاح نہ ہو سکی اور رسول کے اس قول کی صداقت سامنے آگئی کہ پھر وہ کھٹ کھٹا جھوٹ پولیس گے یہاں تک اقوال و افعال اور معتقدات میں بھی جھوٹ مثال ہو جائے گا خدا ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے،

اس حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ صحابہ تابعین سے افضل اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں ابن عبد البر اس حدیث سے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول افضل ہے یا آخر، یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے ایسے طرق ہیں جو کہ اسے محبت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، ابن ابی شیبہ نے عبد الرحمن بن جبر کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: مسیح کو ضرور ایسی اقوام ملیں گی جو تمہاری مثل یا تم سے بہتر ہوں گی اور ہوداؤ دو ترمذی ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کی ہے: ایسے دن آئیں گے جن میں ٹل کرنے والے کا اجر چپاس کے برابر ہو گا کہا گیا: اے اللہ کے رسول ان میں سے یا ہم سے؟

فرمایا: بلکہ تم میں سے آپ نے اس کو مثال میں بیان فرمایا: میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، احمد و دارمی اور طبرانی نے ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عیدہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول یا ہم میں سے کوئی ایک افضل ہے، ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے آپ کے ہم رکاب ہو کر جہاد کیا! فرمایا: تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو مجھ پر ایمان لائے گی حالانکہ اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار

دیا ہے ۔

اس کے بعد ابن عبد البر کا کلام ہے کہ ان کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کے بعد کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو کہ بعض صحابہ سے افضل ہوں گے، قرطبی نے اس کی تصریح کی ہے: لیکن عبد البر نے مطلق طور پر تمام صحابہ کے لئے نہیں کہا ہے بلکہ انہوں نے صریح طور پر بدری اور حدیبیہ والوں کو مستثنیٰ کیا ہے اس سلسلہ میں ابن حجر نے بھی بہت کچھ لکھا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں،

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول مکی صدی ہی میں بہت بڑے بڑے فتنے رونما ہوئے مثلاً فتنہ عثمان اور جو مسلمانوں پر بلائیں نازل ہوئی ہیں، جیسے امویوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اسلام میں قاعدہ شیعہ داخل کر دیا، اس صدی میں رونما ہونے والے واقعات کو تاریخ نے ثبت کیا ہے ہم انہیں بیان کر کے اپنے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے،

اس کے لئے ہم اس صحیح حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو روح رسالت محمدی کے مطابق ہے اور وہ حدیث یہ ہے: میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس میں معلوم کر اس میں اول افضل ہے یا آخر،

متناقض احادیث کی تعلق بہت زیادہ ہے جن سے کتابیں تالیف کی جاسکتی ہیں،

تدوین حدیث

تدوین قرآن

کتابت حدیث کے موضوع سے بحث کرنے سے قبل مناسب ہے کہ تاریخ جمع قرآن اور اس کی کتابت کے بارے میں مختصر بحث کی جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ اس چیز کو رسولؐ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ نے اس کتاب کی کتابت کو کتنی اہمیت دی ہے اور اس کی جمع آوری اور اسکے حفظ میں کتنی جدوجہد کی ہے کہ جس سے انہوں نے اسے کا حقہ انجام دیا یہاں تک کہ طول تاریخ میں لوگوں کے ہاتھوں میں اپنی سچی صورت میں پہنچتی رہی اور اس سے وہ ایسے صحیح نواتر کی مستحق قرار پا گئی کہ جس میں انسان شک نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہو سکتا ہے اور مذہبی اختلافات کے باوجود مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے اس یقین کامل کے ساتھ لیا ہے اور ان میں سے اس میں کسی کو شک نہیں ہے،

اگر رسولؐ نے کتابت حدیث کو اتنی ہی اہمیت دی ہوتی جتنی قرآن کی کتابت کو دی تھی اور آپؐ کے بعد صحابہ بھی اس کی کتابت کا اتنا ہی اہتمام کرتے تو یقیناً کل احادیث رسولؐ نقلی اور معنوی نواتر کے ساتھ آتیں اور پھر اس کی صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ کی تقسیم نہ ہوتی اور ان ہمارے

نام نہ ہوتا جو کہ رسولؐ اور صحابہ کے زمانہ میں معروف نہیں تھے بلکہ بعد میں ایجاد کئے گئے ہیں اور اس سے حدیث کی حقیقت کے بارے میں ہونے والا اختلاف ختم ہو جاتا اور حدیث کی صحت سے بحث کا بار علمائے کندھوں پر نہ رہتا اور نہ علوم حدیث کے موضوع کی کتاب نویسی کی ضرورت نہ ہوتی اور نہ ہی عدالت و ضبط اور جرح و تعدیل کے لحاظ سے روایت کے حالات سے بحث کی جاتی اور فقہاء دین ایک ہی راستہ پر چلتے اور اس کی اصل کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوتا مگر فہم و ادراک میں کیونکہ سب کی کل سلیس قرآن کی طرح متواتر ہوتیں تو پھر وہ اس چیز پر عمل نہ کرتے جس کو ظن غالب کا نام دیا ہے اسی سے اختلاف کے دروازے کھلے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں میں درار پیدا ہوتی ہے اور اسی نے امت کو اس طرح مذاہب و فرق میں تقسیم کر دیا ہے کہ آج تک وہ متحد نہیں ہو سکے ہیں اور ایسے ہی رہیں گے اور احادیث علماء نحو اور رجال لغت و بلاغت کا اہم مصاد قرار پائیں،

ہمد رسولؐ میں قرآن کی کتابت کی کیا کیفیت تھی؟

جب رسولؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپؐ فوراً کاتبوں کو حکم دیتے تھے کہ اسے میرے نطق ہی کے ساتھ ظلم بند کرو آپؐ قرآن کو لاد کرنے میں اتنا اتہام کرتے تھے کہ وہ ایسے ہی پہنچے جیسے آپؐ پر نازل ہوئی ہے، آپؐ دقت سے زبان کو حرکت دیتے جب وحی حاصل کرتے تاکہ اس کا کوئی لفظ چھوٹ نہ جائے، چنانچہ بخاری وغیرہ نے اس آیت ”لا تحرك بلسانک...“ کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے رسولؐ تنزیل کا شدت سے اتہام کرتے تھے اور زبان و لبوں پر اسے جاری رکھتے تاکہ کچھ چھوٹ نہ جائے آپؐ اسے حفظ کرنا چاہتے تھے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی آپؐ غلبت میں تلاوت قرآن کیلئے زبان کو حرکت نہ دیجئے اس کے جمع کرنے اور پڑھنے کی ذمہ داری ہماری ہے اور فرماتا ہے کہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اسے آپؐ کے سینے میں جمع کریں اور پھر اسے پڑھوائیں اور اسے اس وقت

پڑھوائیں گے جب آپ پر نازل کریں گے اسی کا اتباع کرو، اسے سناؤ اور خاموشی کے ساتھ پھر اس کے بیان کرنے کی بھی ہماری ذمہ داری ہے یہی آپ کی زبان سے بیان کرائیں گے۔۔۔

رسولؐ خدا اپنے اصحاب کو قرآن کے حفظ و ضبط کرنے پر ابھارتے تھے اور شب و روز اس کی تلاوت کی مداومت کی تشویق کرتے تھے اسی طرح قرآن کو نمازیں اور خیر اسکے پڑھنے پر ابھارتے تھے اسی لئے حفاظ کی کثرت تھی اور ان میں سے بعض تو خود ہی یا رسولؐ کے حکم سے نازل ہونے والی آیات کو لکھ لیا کرتے تھے، ان میں سے بعض کو تھوڑا قرآن حفظ تھا کچھ کو زیادہ حفظ تھا اور چند کو پورا قرآن حفظ تھا،

کاتبان وحی

کاتبان وحی، جیسا کہ علامہ نے بیان کیا ہے، "ظفار ابوبہ اور سعید بن العاص وغیرہ تھے اسی طرح علامہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں زید بن ثابت زیادہ لکھنے والے اور مشہور تھے اگرچہ مکہ میں بنی سکیلے سب سے پہلے قریش میں سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے لکھا تھا یہ حدیثیں کافر ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے روز پھر مسلمان ہو گیا تھا اور مدینہ میں سب سے پہلے ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے لکھا تھا،

زبیر بن العولم اور جہم بن الصلت اموال مدقہ کو لکھتے اور حذیفہ کجوروی کا تختہ لکھتے تھے، ہنیرہ بن شیبہ اور حصین بن غیرہ معاملات اور فرض وغیرہ رقم کرتے تھے،

جمع قرآن اور اس کا سبب

رسولؐ نے فضا کی جگہ قرآن کی جہیز میں جمع نہیں تھا، بعد رسولؐ میں سینوں میں تھا

متفرق چیزوں میں مرقوم تھا، اور جب ابو بکر غلیظہ ہوئے اور مرتدین سے گھمسان کی جنگ ہوئی تو اس میں بہت سے صحابہ قتل ہو گئے تو صحابہ کی موت سے عمر کو قرآن کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو وہ ابو بکر کے پاس گئے اور ان سے کہا: یا مامک جنگ میں بہت سے صحابہ رسول اکرم آگئے ہیں مجھے خوف ہے کہ وہ سب ہی نہ کام آجائیں جبکہ وہ حاملان قرآن ہیں کہیں قرآن ضائع یا فراموشی کی نظر نہ ہو جائے اگر اسے جمع کر لیا جائے یا لکھ لیا جائے تو کیسا ہے؟ پہلے تو ابو بکر اسے تشویش میں پڑ گئے لیکن دونوں کے تبادلہ خیال کے بعد ایک شخص کے ذریعہ زید بن ثابت کو بلوایا اور ان سے کہا: مجھے عمر نے ایک چیز کی دعوت دی میں نے انکار کر دیا تم کاتب وحی ہو اگر تم ساتھ دو تو میں تم دونوں کا اتباع کروں اسی طرح اس کام کیلئے زید بھی تیار نہ ہوئے اور کہا: اس کام کو ہم پر اس کے جس کو رسولؐ نے نہ کیا؟ عمر نے کہا: اور تم اس کام کو انجام دیتے تو پھر کیا نقصان تھا؟ پس خط نے اس کے لئے میرا سبب کشادہ کر دیا اُمیرِ مدینہ نے ہو گئی جو عمر کی تھی،

پھر پورے قرآن کو کھجور کی لکڑیوں، پتھروں، چمڑے کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا گیا،

اس کام کو ابو بکر نے زید کے سپرد کیا تھا کیونکہ وہ کاتبان وحی میں سے تھے اور قرآن کے حافظ تھے اور جمع کرنے میں قرآن کے متفرق صحن کو یک جا کرنا تھا تاکہ یہ صحن ایک مصحف ہو جائے،

قرآن کی جمع آوری کا ارادہ

جب قرآن کی جمع آوری اور اس کی تدوین پر اتفاق ہو گیا تو عمر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور کہا:

جس نے رسولؐ سے قرآن کی کوئی آیت اخذ کی ہے وہ اسے پیش کرے، ابو بکر نے غرارہ زید سے کہا: تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص بھی قرآن کی کوئی آیت دو گواہوں کے

ساتھ پیش کر سائے کھ لو اور آپ جانتے ہیں کہ عیسیٰ سے رسول مکی کوئی حدیث بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہین نہیں کہتے تھے کہ ہم دونوں نے بھی یہ حدیث رسول سے سنا ہے پھر انہوں نے بلال کے ذریعہ کام کیا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں یہ مذاکرے کر جس کے پاس ایسا کلمہ ہو کہ چہر کتاب خدا میں سے کچھ لکھا ہو وہ اسے جامع مسجد میں لیکر آئے اور کتابوں کے سپرد کر دے۔

ابو شامہ کہتے ہیں: اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ عین وہی چیز لکھی جائے جو رسول کے سامنے لکھی جا چکی تھی اس سلسلہ میں وہ صرف حفظ پر اکتفا نہیں کرتے تھے، اسی لئے سورہ توبہ کے آخری حصے کے بارے میں زید نے کہا تھا: مجھے یہ اس صورت کے علاوہ نہیں دیتا یہ ہوا یعنی مکتوب نہیں ملا کیونکہ زید حفظی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ مکتوب کی شرط تھی۔

ابن وجہ نے اپنی موطا میں مالک سے، ابن شہاب، ابن سالم، ابن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو بکر نے کاغذ پر قرآن جمع کیا تھا، اس طرح ابو بکر وہ پہلے شخص ہیں جس نے صفحہ میں قرآن جمع کیا ہے اور یہ پہلا جمع شدہ ہے۔

یہ تھی وہ چیز جو اس مختصر کتاب میں ہم نے قرآن کی کتابت کے موضوع پر پیش کی اس کی تفصیل سے ہم نے اعراض کیا ہے اور صرف وہی چیز بیان کی ہے جو اس اہم موضوع کے بارے میں آئی ہے کہ جس کے بارے میں بہت سی روایتیں موجود ہیں، اس سلسلے میں روایات کا کلام مختلف ہے لیکن یہ ہمارا مقصد ہے اور موضوع ہے،

جو غار یا یہ چاہتا ہے کہ ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے جو کہ اس سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں تو وہ مسووی کی کتاب الاتقان، جزائری کی کتاب التبیان، اور علامہ محقق سید ابوالقاسم الموسوی الخوئی کی البیان فی تفسیر القرآن کے جز اول کا مطالعہ کریں،

اس اہم موضوع کو صرف یہی کتاب واضح کر دے گی کیونکہ جلیل القدر مؤلف نے کما حقہ تحقیق کی ہے اور تفصیلی طور پر بحث کی ہے، دوسری کئی ایسی کتابیں ملے گی ہر سال کیلئے اس کا مطالعہ

ضروری ہے تاکہ اس سے علم و معرفت حاصل ہو سکے ،

ایک عجیب بات جو حیرت انگیز ہے

نہایت عجیب امور میں سے ایک جو کہ حیرت انگیز ہے وہ یہ بات ہے کہ جن لوگوں کے سپرد قرآن کی تحفہ آوری اور اس کی کتابت کا کام کیا گیا تھا ان کے ساتھ ملائے علی رضی اللہ عنہ کا نام عہد ابوبکر و عہد عثمان میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان لوگوں کا نام بیان کیا ہے جو کہ علم و فقہ میں آپ سے کہیں پیچھے تھے، تو کیا اس سلسلے میں علیؑ کوئی نیک کام انجام نہیں دے سکتے تھے؟ یا ان پر اعتماد نہیں تھا؟ یا سب ان لوگوں میں سے تھے جن سے مشورہ کرنا یا اس کام میں شریک کرنا صحیح نہیں تھا؟

عقل و منطق تو اس بات کا اقتضا کرتی ہیں کہ سب سے پہلے یہ ہم حضرت علیؑ کے سپرد کی جاتی اس میں شریک ہونے والوں میں آپ سب سے اعظم تھے اس لئے کہ آپ ایسے صفات کے حامل تھے کہ جو صحابہ میں سے کسی کو سپر نہیں ہوئے تھے، رسولؐ نے اپنی آنکھوں کے سامنے آپ کی تربیت کی تھی اور طویل زمانہ تک آپ کے سایہ عاطفت میں رہے اور وحی اول روز سے اس کا سلسلہ ختم ہونے تک کو آپ نے مشاہدہ کیا ہے اور ان سے کوئی آیت نہیں چھوٹی ہے ،

جب اس اہم کام کی انھیں دعوت نہیں دی جائے تو پھر کسے دی جائے گی ؟

دوبارہ عہد عثمان میں

جو مصحف عہد ابوبکر میں لکھا گیا تھا وہ ان ہی کے پاس رہا اور جب انہوں نے اپنی راہ لی تو پھر عمرؓ کی خلافت تک ان کے پاس رہا، مرنے سے پہلے انہوں نے اپنی بیٹی حفصہ کے سپرد کر دیا، ان سے

عثمان نے طلب کیا تاکہ اس سے ان مصاحف کی تطبیق کی جائے جو ان کے عہد میں لکھے گئے تھے،

عہد عثمان میں قرآن کی کتابت

عمر کا انتقال ہوا اور عثمان کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آئی اور مسلمانوں کے امر میں انقلاب پیدا ہو گیا، یہاں تک قرأت قرآن میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، ابن ابی داؤد نے اہل قلابہ سے مصاحف میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

عہد عثمان میں ایک معلم ایک شخص کی قرأت کی تعلیم دیتا تو دوسرا دوسرے کی قرأت سکھاتا تھا ایک مرتبہ دو غلاموں میں آپس میں ملاقات ہوئی ان کے درمیان قرأت کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا تو وہ معلمین کے پاس گئے انہوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا، قضیہ کی عثمان کو خبر ملی تو انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: تم میرے پاس رہ کر اختلاف کرتے ہو تو دور دراز کے شہروں میں اور زیادہ اختلاف ہو گا، بخاری نے اس سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان عثمان کے پاس پہنچے یہ اہل ثلمہ کے ساتھ آرمینہ کو فتح کرنے اور اہل عراق کے ساتھ اند بائجان کو فتح کرنے کے لئے جنگ کر رہے تھے، حذیفہ قرأت میں ان کے اختلاف سے ڈرے اور عثمان سے کہا: اے امیر المؤمنین اس امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی مانند کتاب میں اختلاف کرے، حذیفہ نے یہ بیان کیا کہ میں نے حص کے لوگوں کو دیکھا ہے وہ گمان یہ کرتے ہیں کہ ان کی قرأت دوسروں سے بہتر ہے اور انہوں نے مقدار سے قرآن لیا ہے اور میں نے اہل دمشق کو دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ ان کی قرأت دوسروں سے بہتر ہے وہ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں، میں نے اہل کوفہ کو دیکھا ہے وہ بھی ایسی ہی بات کہتے ہیں وہ ابو موسیٰ کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں اور ان کے مصحف کو باب القلوب کہتے ہیں،

اور عمارہ بن مغیرہ کی روایت میں ہے جس کو ابن جحر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے

حذیفہ غزوہ سے موٹے تو اپنے گھر جانے سے قبل عثمان کے پاس پہنچے اور کہا: اے امیر المومنین لوگوں کی خبر لیجے رکھا: کیا ہوا؟ حذیفہ نے کہا: میں آرمینہ کی جنگ میں تھا وہاں شام والے ابوبکر و عتبہ کی قرات کے مطابق قرآن پڑھ رہے تھے اس طرح کہ اہل عراق اس سے قہقہے نہیں پس اہل عراق عبداللہ ابن مسعود کی قرات پڑھتے ہیں اور اس طرح کہ اہل شام نے وہ چیز سنی بھی نہیں ہے اس سے ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں، جب پورے قضیہ کی عثمان کو خبر ملی اور انہوں نے حالات بگڑتے دیکھے تو ایک شخص کو حصہ بنت عمر کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ ہمارے پاس صحف بھیج دو ہم مختلف مصاحف میں اس کی نسخہ برداری کریں گے اسکے بعد واپس آپ کے پاس بھیج دیں گے، چنانچہ حصہ نے ان کے پاس بھیج دیا، عثمان نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام نے مصاحف میں اس کی نسخہ برداری کی اور عثمان نے قریش کے تین قبیلوں سے کہا جب تمہارے اور زید بن ثابت کے درمیان قرآن کی کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں تحریر کرنا کیونکہ قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب قرآن کے وہ متعدد نسخے تیار کر چکے تو عثمان نے وہ مصحف حصہ کو ٹوٹا دیا اور ان میں سے ہر جگہ ایک ایک مصحف بھیج دیا اور یہ حکم دیدیا کہ اس مصحف کے علاوہ ہر صحیفہ مصحف کو جلا دیا جائے، حافظہ ان جہز لکھتے ہیں کہ یہ کام ۳۵ھ کے اواخر یا ۳۶ھ کے اوائل میں انجام پایا تھا،

ابوبکر و عثمان کے جمع کرنے میں فرق

ابن ابیہن وغیرہ کا قول ہے: ابوبکر و عثمان کے جمع کردہ میں ایک فرق ہے، ابوبکر نے اس خوف سے جمع کیا تھا کہ کہیں حافظوں کے ضائع ہونے سے قرآن ضائع نہ ہو جائے کیونکہ وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا جسے رسولؐ نے انھیں تعلیم دیا تھا اسکے مطابق ابوبکر نے اس کے سوروں کی آیات

کو مصاحف میں جمع کیا اور عثمانؓ اس وقت جمع کیا تھا جب قرأت کے سلسلہ میں اختلاف کی کثرت ہو گئی تھی اور ہر ایک اپنی اپنی زبان میں پڑھنے لگا تھا، اس سے ایک دوسرے کو خطا وار ٹھہرانے لگے تھے، انہیں تشویش لاحق ہوئی مگر کہیں اس سلسلے میں بات نہ بدھ جائے لہذا انہوں نے ان مصاحف کو ایک مصحف میں لکھ دیا جس میں اس کے تمام سووے جمع کئے اور تمام زبانوں کو قریش کی زبان میں سمیٹ دیا اس دلیل کے ساتھ کہ قرآن الہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، اگرچہ پہلے اس کی قریش کی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں قرأت ہوتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ ابتداء میں مسرور حرج پیش نہ آئے عثمان نے سوچا اب کی ضرورت نہیں ہے لہذا ایک زبان محدود کر دیا،

عثمان نے دینا بھر میں کتنے مصاحف بھیجے

ان مصاحف کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے جن کے لکھنے کا عثمان نے حکم دیا تھا مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ تھے ان میں سے چار دوسرے شہروں میں بھیج دیے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا،

یہ اس کا لب لباب ہے جو کہ ہم نے اس بحث سے متعلق جمع کیا ہے، یہاں پیش کرنا ہم نے مناسب سمجھا ہو سکتا ہے خطائے متعال اس بحث کی نشرو اشاعت کے اسباب فراہم کر دے کہ جو کہ ہم نے اس اہم سے متعلق الگ کتاب کے فراہم کیا ہے، مسلمان خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں،

لمحہ بھر

یہاں میں لمحہ بھر کے لئے منظر کر اس حیرت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو کہ

بحث میں نقل ہونے والی احادیث اور ان کے بے پناہ تناقض سے مجھ پر طاری ہوئی ہے، ایک خبر میں ہے: اس جمع کے سلسلے میں عمر نے ابوبکر سے درخواست کی تھی، دوسری خبر میں ہے: قرآن عہد ابوبکر میں جمع نہیں ہوا بلکہ یہ کام عمر نے اہل علم دیا ہے، تیسری روایت میں ہے: عمر قرآن کے جمع ہونے سے پہلے ہی قتل ہو گئے تھے، عثمان نے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا ہے اور بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ تناقض موجود ہے یہاں ان کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے،

مگر ہم ان مشہور احادیث کو نقل کرتے ہیں جو بخاری نے نقل کیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جمع قرآن کے لئے عمر اس وقت مقرر ہوئے ابوبکر کے پاس گئے جب انہوں نے پیامہ کی جنگ میں قتل و خونریزی دیکھی، اس میں سیکڑوں حافظان قرآن مجاہد قتل ہو گئے تھے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو قرآن ضائع اور فراموش ہو جائے گا۔

مگر ہم اس خبر کو لیتے تو اس سے یہ واضح ہوتا کہ اس عہد میں صرف مجاہد حافظ قرآن تھے اگر وہ مر جائے یا قتل ہو جاتے تو قرآن ضائع اور فراموش ہو جاتا کوئی دوسرا ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے طول تاریخ میں قرآن کی حفاظت کی جاسکتی کیونکہ مجاہد ہی اس کا مادہ و کاتب تھے،

اس سے قبل علامہ نے مؤثق احادیث میں یہ بیان کیا ہے جس سے نقل مطمئن ہوتی ہے اور مسلم اس کی تائید کرتا ہے اور وہ کہ رسول قرآن کی ہر آیت کو اس کے نزول ہی کے وقت چڑے کے کٹے پتھر اور درخت کی چھال وغیرہ پر لکھ لیتے تھے اس کام کے لئے آپ نے کاتب مقرر کئے تھے کہ جنکے اسماء تاریخ میں محفوظ ہیں تو رسول کا جمع کیا ہوا وہ نسخہ کہاں گیا کہ جس میں کھٹک نہیں کر سکتا اور نہ انسان کو شبہ ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی حفاظت کی خدانے اپنے اس کلام میں ذمہ داری لی ہے

”انما نحن نزلنا الذكر وانما له حافظون“ اور خدا کے اس قول میں ”ان علینا جعہ وقرآن“

یہ قیمتی نسخہ جو کہ قرآن کی صحیح و حقیقی تصویر کا حامل ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اگر موجود ہوتا تو وہ اس مستغنی ہو جاتے جو کہ مشقت کے بعد حاصل ہوا تھا اور ہر زمانہ اور شہر میں وہی نسخہ قرآن کا مرجع اول ہوتا، عثمان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لکھوائے ہوئے مصاحف کو

شہرہوں میں تقسیم کرنے سے پہلے اس نسخہ سے مطابقت کرتے، انہوں نے قرآن مجید کی کتابت اور حفظ میں اتنی زیادہ تحقیق و تدقیق سے کلم لیا ہے جیسا کہ ہم پہلے سامان کر چکے ہیں، کہ کوئی اس میں شک نہیں کر سکتا ہے اور نہ کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عظیم امر کے بارے میں چند چیزیں پیدا ہوئیں کہ جنکو انہوں نے مشکلات کا نام دیا ہے ہم یہاں ان میں بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ کوئی یہ افتراض نہ کر سکے کہ ہم نے کسی چیز سے غفلت کی ہے کہ روایت وغیرہ میں سے جس کا جاننا ہماری کتاب کے قارئین کیلئے ضروری تھا کیونکہ ہر جگہ بنی ثعلبہ کا اثر ہے،

علامہ طاہر الخازنی اپنی کتاب "التبایہ" میں تو اتر قرآن ضروری ہونے اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہاں تو اتر قرآن کے ضروری ہونے کے بارے میں چند مشکلیں ہیں ہم یہاں انہیں ان کے جواب کے ساتھ سپرد قلم کر رہے ہیں،

پہلی شکل

ابن مسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا انکار کرتے تھے اسی کے ساتھ اس کے ان سے نقل ہونے کی بہت سے علامتیں تردید کی ہے، نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کا جز ہیں اور جوان کا منکر ہے وہ کا فر ہے اور ابن مسعود سے نقل ہونے والا قول باطل ہے، صحیح نہیں ہے، ابن حزم اپنی کتاب "کتاب الفتح الملعون" میں لکھتے ہیں یہ ابن مسعود پر جھوٹ باندھا گیا، جھٹی ہے، ان سے قرأت عام صحیح طور پر نقل ہوئی ہے اور اس قرأت میں معوذتین موجود ہیں، شرح بخاری میں ابن جریر لکھتے ہیں: ابن مسعود سے صحیح طور پر اس کی تردید نقل ہو چکی ہے

احمد اور ابن حیان نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے پھر اس سلسلہ کی ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد کہ جن کا منہج یہ ہے کہ ابن مسعود اپنے مصاحف میں معوذتین لکھتے ہیں جس نے یہ کہا ہے کہ یہ ابن مسعود پر جھوٹ باندھا گیا ہے تو یہ باطل ہے اور ان صحیح روایات پر اعتراض کیا ہے جو مستند نہیں ہے اور کہا ہے کہ وہ قابل قبول نہیں ہیں، مشکل قرآن میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں: ابن مسعود کا گمان ہے کہ معوذتین قرآن کا جز نہیں ہیں کہ انہوں نے رسول کو دکھا تھا کہ رسول ان کا حسین کے لئے تعویذ بناتے تھے، سودہ اپنے ظن ہی پر قائم رہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس سلسلے میں واقع تک پہنچ گئے تھے اور مہاجرین انصار سے غلطی ہوئی تھی، وہی یہ بات کہ انہوں نے اپنے مصحف میں انہیں نقل نہیں کیا ہے تو یہ ان کے گمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ "معوذتین" معاذ اللہ قرآن نہیں ہیں، لیکن ان کا یہ مسلک ہے کہ شک نہیان اور کئی زیادتی کے خوف سے قرآن دو تختیوں کے درمیان لکھا اور جمع کیا گیا تھا اور انکا یہ خیال ہے کہ پورا قرآن سورہ حمد میں سمٹا ہوا ہے اور سورہ حمد کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہے، لیکن ابن مسعود کے بارے میں ابی بن کعب سے جو یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے مصحف میں "الخلع والنخذ" نلم کے دوسرے مزید لکھ رکھے تھے اور ان ہی کو قنوت میں پڑھتے تھے اس سے شکل کھڑی ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونسئیک علیک الخیر ولا نکفرک ونخلع ونشترک من غیرک، اللھم ایاک نعبد و ایاک نستعین ونسجد و ایاک نستعین ونخذ ونشئ عذابک و نرجو رحمتک ان عذابک باکفار ملحق "۔

قاضی نے "الانتصار" میں اس کا ذکر کیا ہے: کہتے ہیں:

جو قنوت مروی ہے: اے ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں لکھا ہے لیکن اس کے قرآن ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ ایک قسم کی دغا ہے، اور اگر وہ قرآن ہوتا تو قرآن کی طریقہ سے نقل ہوتا اور اس کے صحیح ہونے کا علم حاصل ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قنوت کا بعض حصہ قرآن رہا ہو جو ضعیف ہو گیا ہو اور دماغ کیلئے مباح کر دیا گیا ہو اور اس کلام میں مخلوط ہو گیا ہو جو قرآن نہیں ہے،

ابلی ہی کعب سے مروی ہے کہ یہ انہوں نے اپنے مصحف میں لکھا ہے اور اپنے اس مصحف میں کبھی وہ قرآن کے علاوہ دعا و تاول قرآن لکھ لیتے تھے،

دوسری مشکل

زید بن ثابت سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے مصحف میں حج قرآن کے بارے میں کہا: سب سے پہلے عبد الوہابؓ میں حج قرآن کی حج آوری کی گئی، میں نے قرآن کا تتبع کیا، اسے ٹکڑوں، اکثاف و دخت کی چھالوں اور ٹوکوں کے سینوں سے حج کیا یہاں تک کہ اگر مجھے سورہ توبہ کی دو آیتیں بل خذیہ کے پاس ملیں تو ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ملیں تھیں۔ بعد جاکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما منتم حرہیں طیکم۔ ان ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب ہم نے قرآن کو مختلف نسخوں میں لکھا تو سورہ احزاب کی ایک آیت نہ ملی جس کی میں نے رسول کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ کسی کے پاس نہ مل سکی مگر خزیدہ انصاری کے پاس مل گئی کہ جن کی شہادت کو رسول نے دو آدمیوں کی شہادت سے گواہی دے کر برابر قرار دیا ہے۔ من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ۔ یہ واقعہ دوسری بار حج کرنے کا ہے جو کہ عبد عثمانؓ میں انجام پایا تھا، اگرچہ مشکین کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مذکورہ خبر اگرچہ صحیحین میں نقل ہوئی ہے لیکن صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا اقتضایہ ہے کہ مذکورہ تیوں آیات بغیر تواتر کے ثبت ہوئی ہیں اور یہ مذکورہ دلیل کے اقتضائے خلاف ہے، بعض کہتے ہیں مذکورہ خبر کا اقتضایہ نہیں ہے کہ مذکورہ بغیر تواتر کے ثبت ہوئی ہیں، ممکن ہے زید نے اپنے اس کلام کہ میرغ فلاں کے علاوہ دوسرے کے پاس نہیں پائی ہیں اسے یہ مراد لی ہو کہ میں نے کسی اور کے پاس مکتوب صورت میں نہیں پائی ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیات کسی اور کے حافظ میں بھی نہیں تھیں بعض کا قول ہے کہ مذکورہ دلیل کا مفہوم صرف یہ ہے کہ قرآن ظلم اور طریقہ سے نقل ہوا ہے اور علم کبھی تواتر کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے کبھی اخبار آحاد سے بھی علم حاصل ہوتا

ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خبر کے ساتھ مفید علم قرآن ہوں، اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں: بعید نہیں ہے کہ قرآن نواتر کے بغیر بھی نقل ہوا ہو جیسا کہ مذکور قرآن آیات نقل ہوئی ہیں کیونکہ اصل مقصد علم کا حصول ہے خواہ وہ کسی طریقہ سے ہو اور وہ مذکورہ پہلے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، یہ قول قوی اور متین ہے اس پر ایسا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ہے جو کہ افراط و تفریط کرنے والے پر ہوتا ہے،

تیسری شکل

بخاری نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے انس بن مالک سے پوچھا: عہد رسول میں کس شخص نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ کہا چار اشخاص اور ابو زید نے، ابی بن کعب، ہمام بن حیل، زید بن ثابت نے اور وہ چاروں انصار میں سے تھے، میں نے معلوم کیا کہ ابو زید کون ہے؟ کہا: احمد اور ثابت کے طریق سے انس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے وفات پائی تو اس وقت صرف چار اشخاص، ابوذر دار، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید، نے قرآن جمع کیا، اس سے قتادہ کی حدیث کی دو طرح سے مخالفت ہوتی ہے، ایک تو صریح طور پر قرآن کی جمع آمدی کے کام کو چار اشخاص میں منقسم کر گیا ہے اور دوسرے ابی بن کعب کی جگہ ابوذر دار کا نام ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے حصر کا انکار کیا ہے، اور ماضی کہتے ہیں: انس کے قول کا لازم یہ نہیں ہے کہ قرآن کو صرف ان چار آدمیوں کے علاوہ کسی نے جمع نہیں کیا ہے، ممکن ہے حقیقت میں ایسا ہی ہو لیکن انس کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان چار کے علاوہ کسی نے قرآن جمع کیا ہو ورنہ صحابہ کی اتنی کثرت اور شہروں میں ان کے متفرق ہونے کے ساتھ جمع کرنے والوں کا کیسے احصاء کیا جاسکتا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب کسی نے ہر ایک سے انفرادی طور پر ملاقات کی ہو اور ہر ایک نے اسے بتایا ہو کہ اس نے عہد رسولؐ میں مکمل طور پر قرآن نہیں جمع کیا تھا، عاذاً ایسا نہیں ہوتا ہے۔

نہائی نے صحیح سند کے ذریعہ عبد اللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے قرآن جمع کیا، اور شرب اس کی تلاوت کرتا تھا، رسول کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ہر مہینے میں اس کی تلاوت کیا کرو،

ابن ابی داؤد نے سند حسن کے ذریعہ محمد بن کعب انقرظی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول کے عہد میں انصار میں سے پانچ اشخاص، معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، بلال بن کعب ابو دردادہ اور ابو ایوب انصاری نے قرآن جمع کیا تھا،

اسلام علی نے اس کی دونوں حدیثوں پر جو کہ مختلف ہونے کے باوجود صحیح ہیں، ابن ابی اقرظی کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں، متباین ہونے کے باوجود صحیح نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ ان میں سے ایک صحیح ہے، یہ بھی کا مقصد ہے کہ ابو دردادہ کے بجائے بلال بن کعب صحیح ہے، داؤدی کہتے ہیں: میں نے ابو داؤد کا ذکر نہیں دیکھا ہے پہلی روایت صحیح ہے دوسری روایت رواۃ نے منہ نقل کی ہے، اور اس میں تو ہم سے حصر کا اضافہ کیا ہے اور اسامہ بھول گئے لہذا بلال بن کعب کے نام کو بلال دردادہ کے نام سے بدل دیا، جو شخص بالسنی روایت میں غور کرے گا وہ اسے بعید نہیں سمجھے گا، روایت کا اثر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک منزل تک پہنچتا ہے ہاں تک آپ یہ سمجھیں گے کہ قرآن میں نقص اور اعراب کی غلطی ہے جیسا کہ سنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے اگر ہم چاہیں تو ان سب کو بہا پیش کرتے لیکن اس سے بحث طویل ہو جائے گی لیکن انہوں نے قرآن میں نقص کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اس سے ہم دو مثالیں نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور انہیں ہم سنت کی عام کتب سے نقل نہیں کی ہیں بلکہ بخاری و مسلم نے ان کی روایت کی ہے،

بخاری وغیرہ نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے منبر سے کہا: بے شک اللہ نے محمد کو حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل کی اس میں آیت رجم بھی نازل کی تھی اور آنحضرتؐ نے عیسٰی بڑھالی سمجھائی اور حفظ کرائی تھی، رسولؐ رجم کرتے تھے اور آپ کے بعد ہم بھی رجم کرتے تھے، مجھے ڈر ہے کہ اگر زیادہ زمانہ گزر گیا تو کہیں کوئی یہ نہ کہے: ہم نے تو قرآن میں

آیت رجم نہیں دیکھی اور اس طرح خدا کے نازل کردہ فریضہ سے گمراہ ہو جائے اور کتاب خدا کی رو سے مردود عورتوں میں سے جو بھی زنا کرے اسے سنگسار کرنا واجب ہے، اس کے بعد ہم اس چیز کو پڑھتے تھے جو کہ کتاب خدا میں پڑھی جاتی ہے، اپنے آباء سے اعراض نہ کرو کیونکہ تمہیں اپنے آباء سے اعراض کرنے سے منع کیا گیا ہے،

مسلم نے ابو الاسود سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو ہریرہ اشعری کو اہل بصرہ کے قاریوں کے پاس بھیجا گیا تو ان کے پاس تین سو قاریوں نے قرآن کی تلاوت کیا، ابو موسیٰ نے کہا: تم اہل بصرہ کے بہترین افراد اور ان کے قاری ہو، تمہیں بڑی امید فریب نہ دیں کہ تمہارے قلوب ایسے ہی سخت ہو جائیں گے جیسے تم سے پہلے والوں کے ہو گئے تھے، ہم ایک سورہ پڑھا کرتے تھے جسے طویل اور شدت میں ہم سورہ توبہ سے تشبیہ دیا کرتے تھے، ہم نے اسے بھلا دیا مگر یہ کہ اس کا کچھ تنقید اور یہ کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اگر ابن آدم کے لئے مال کی دو دھوپا ہوتی تو وہ تیسری دلدی کی طرح کرتا، ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتا مگر خاک سے اسی طرح ایک اور سورہ کی تلاوت کرتے اور اسے سجات میں کسے کسی سورہ سے تشبیہ دیتے تھے اسے بھی ہم نے فراموش کر دیا مگر یہ یاد رہ گیا ہے: **و یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، فکتب شہادۃ فی افئدنا کلم** فسألون عنہا یوم القیامۃ۔

روز قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جو ہم نے بیان کیا ہے، اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ روایت کے تعامل کو سمجھنے کیلئے کافی ہے یہاں تک کہ اس نے کتاب اول کتاب خدا میں بھی اپنا اثر دکھایا ہے، ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ روایت جو کہ قرآن میں نقص کو بیان کرتی ہے اور ایسے مطاعن بیان کرتی ہے جیکہ خداوند عالم کا قتل ہے، انا نحن نزلنا الذکر وانا نحن اعظون ... ہم دونوں میں سے کسی صحیح تسلیم کریں؟

یہ عجیب چیز ہے ضروری ہے کہ صاحبان عقل اس میں غور کریں،

تدوین حدیث

تدوین حدیث کی کیفیت

ابتداء میں جب انہوں نے تدوین حدیث کا کام شروع کیا تو اسے اسی صورت پر تدوین کیا جس میں ان تک پہنچی تھی، ان میں سے ہر ایک نے اسے جمع کیا جو کہ روایت نے اسانید کے ساتھ جمع کیا تھا، اسکے بعد ان روایت کے حالات کی تحقیق کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس کی روایت قبول اور کس کی رد کی جائے،

اگرچہ اس سلسلے میں انہوں نے بہت جاں فشانی کی تھی لیکن اصلی غرض تک نہیں پہنچ سکے اور نہ اس منزل یقین پر فائز ہو سکے کہ جس سے نفس کو سکون اور دل کو یہ اطمینان مل جائے اور اس سلسلے میں تک کی گنجائش نہ رہے کہ انہوں نے جو چیز تدوین کی ہے وہ وہی ہے جو رسولؐ نے فرمایا تھا، اور پھر وہ نفوس کے اندر چھپی ہوئی باتوں اور اس کے باطن کو کیسے دیکھ سکتے تھے کہ جس سے اس کی حقیقت سے مطلع ہو جاتے،

اسی لئے ان کی تمام کتابوں میں وہ چیزیں منقول ہوئی ہیں کہ جنہیں رسولؐ کی متواتر و معتبر حدیث کہا جاسکے بلکہ اس کے برعکس ایسی حدیث بھی نظر آتی ہے جو کہ روایت کی نظر میں صحیح ہے اور مرفوعہ

نہیں ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہوتی، ایسی حدیثوں سے کوئی بھی کتاب خالی نہیں ہے یہاں تک وہ بھی جنہیں صحاح کہا جاتا ہے اور وہ ہیں بخاری و مسلم کیونکہ یہ کتابیں بھی اس تنقید کے تیرے نہیں بچ سکی ہیں کہ جن کا رخ احادیث کی کتب ائمہ حدیث علماء اصول و کلام کی طرف تھا آئندہ باتیں آپ کے لئے اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آشکار ہو جائیں گی،

گذشتہ فصل میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عبد البکر میں صحابہ نے حیات رسولؐ میں جو قرآن لکھا تھا اور جن لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا اسے ایک جگہ جمع کر دیا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت اہتمام کیا تھا، لیکن رسولؐ کی احادیث کو نہ انہوں نے لکھا تھا اور نہ انہیں جمع کیا تھا، عبد رسولؐ میں حدیثیں اس طرح نہیں لکھی جاتی تھیں جیسے قرآن لکھا جاتا تھا پھر رسولؐ نے حدیث نوکیسا سے منع کیا تھا، سینوں میں محفوظ تھیں اسی لئے وہ انہیں بالروایت بیان کرتے تھے لیکن جن الفاظ میں رسولؐ سے سنائی تھیں، اگر وہ ان کے ذہن میں باقی رہی ہوں تو ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور اگر ہوا بھی ہے تو مختصر احادیث میں، یا جب اصل حدیث بھول گئے تو اس کے معنی بیان کر دیئے گئے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اور اس میں انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا کیونکہ ان کے نزدیک مقصود حدیث مجیسا کہ خود ان کا قول ہے، ”منیٰ ہے، برخلاف قرآن مجید کے کیونکہ اس کے الفاظ کا اعجاز میں دخل ہے لہذا اس کے کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدلنا جائز نہیں ہے اگرچہ دوسرا لفظ اس کے مرادف ہو یا کیوں نہ ہو کہ اس مرادف زمانہ سے قرآن کے لفظ کے فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے لہذا اسے رشتہ تحریر میں لانا واجب ہے حفظ کافی نہیں ہے، اس کا اعجاز قائم ہے لہذا اس کے الفاظ کی تالیف میں کوئی حرج نہیں ہے،

امام خطابی اپنی کتاب ”اعجاز القرآن“ میں لکھتے ہیں درج ذیل تین چیزوں سے کلام باقی رہتا ہے، لفظ حاصل، معنی قائم اور دونوں کے ملانے والا ناظم، شیخ البکر بن عقال الصقلی اپنی کتاب ”فوائد میں ابن شکوال کی روایت کی بنا پر لکھتے

ہیں :

صحابہ رسولؐ کے سنن کو مصحف میں جمع کرتے تھے جیسا کہ قرآن جمع کیا ہے کیونکہ سنن کی اشاعت ہوئی اور اس کا صحیح حد فطرتاً ہی بہ نسبت مخفی رہا، چنانچہ اس کے اہل نے اس کے نقل کرنے کو اس کے حفظ کرنے والوں پر چھوڑ دیا اور قرآن کو اس طرح انہوں نے نہیں چھوڑا تھا، سنن کے الفاظ کی درجہ بندی سے محفوظ نہیں ہیں جیسا کہ خدانے اپنی کتاب اس بدیع نظم کے ذریعہ محفوظ رکھا کہ جس نے غلو کو اس کا جواب لانے سے عاجز کر دیا، چنانچہ قرآن کی جمع آوری میں ان کا اجماع ہے اور سنن کے حروف اور ہجو ہجو رسولؐ کے کلام کے نقل کرنے کے سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہے لہذا جو چیز ان کے درمیان مختلف فیہ ہے اس کی تدوین صحیح نہیں ہوئی،

ایسے ہی روایت حدیث کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے حافظ نے اس سلسلے میں جو کچھ راجد کیا ہے وہ کیا صحابہ کے پورے زمانہ میں اور تابعین کے ابتدائی عہد میں نہ حدیث لکھی گئی اور نہ اس کی تدوین ہوئی اور تابعین کے آخری زمانہ میں ”جیسا کہ علامہ کا قول ہے“ اس کی تدوین ہوئی، ہر وہی لکھتے ہیں صحابہ حدیث لکھتے تھے نہ تابعین وہ اسے نقلی طور پر بیان کرتے اور حافظ سے حاصل کرتے تھے مگر کتاب الصدقات اور وہ مختصر حین سے معتق انتہائی تحقیق کے بعد واقع ہوئے کہ علامہ کی تیزی سے موت حدیث کے فقدان کا خوف ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر حزی کو حکم دیا اور لکھا: تمہیں جو حدیث یا سنت ملے اسے قلم بند کرو،

مالک موطا میں فرماتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا:

دیکھو! تمہیں جو بھی رسولؐ کی حدیث و سنن ملے اسے میرے لئے قلم بند کرو کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علامہ کی موت کا خوف ہے اور انھیں ابوبکر کو تاکید کی میرے لئے وہ سب کچھ لکھ لیا جو کہ عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریؓ یہ عائشہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کی شاگرد تھیں، کے پاس ہے،

عمر بن عبد العزیز کی حکومت کا زمانہ، پہلی صدی ہجری کے بالکل آخر میں تھا، خیال کیا جاتا ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہوا تو ابن حزم نے کتابت حدیث سے دست کشی اختیار کر لی تھی خصوصاً جب عمر بن عبد العزیز کے بعد اس میں یزید بن عبد الملک ولی بنا اور انہیں معزول کر دیا تو اس وقت ابو کر ابن حزم خود ادا ان کے ساتھ لکھنے والے اس کام سے منصرف ہو گئے تھے اور تدوین حدیث کی تحریک میں ہشام بن عبد الملک کے خلیفہ بنے ۱۵۰ھ تک میں سستی اور چھراؤ آگیا، پھر اس سلسلے میں ابن شہاب الزہری، بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں تدوین حدیث پر مجبور کیا گیا کیونکہ وہ حدیث لکھنے سے کراہت کرتے تھے۔ بعد میں واضح ہو جائیگا، لیکن یہ کراہت نہ صرف دیر پائانت ہوئی بلکہ رضایں بدل گئی اور ابن شہاب ہشام کا مقرب ترین آدمی بن گیا اسکے ساتھ چلے گیا اور ہشام انھیں اپنے بچوں کا معلم مقرر کر دیا یہاں تک ہشام سے ایک سال قبل انتقال ہوا اور ہشام نے ۱۵۵ھ میں دینار سے کوچ کیا، اس کی موت سے بنی امیہ کی خلافت کی چوبیس ہل گئیں اور اس میں زلزل پیدا ہو گیا۔

اس کے بعد تدوین کا کام زہری کے بعد ولے طبقہ نے عباسیوں کی ترغیب سے شروع کیا:

ابن شہاب زہری کو حدیث کا پہلا تدوین کرنے والا قرار دیا گیا ہے اس کا سبب شاید یہ ہے کہ اس سے بنی امیہ نے کام لیا تھا، تذکرۃ الحفاظ میں آیا ہے کہ خالد بن معدان انھیں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی وہ حدیث لکھتے تھے اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن حدیث کی کتابوں میں ان تصنیفات کا ذکر نہیں ہے ابن سعدان نے سنہ ۱۵۵ھ میں انتقال کیا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے؟ جب یہ معلوم ہو چکا کہ صحابہ اور ان کے بعد ولے طبقہ، تابعین کے زمانہ میں آثار رسولؐ کتابوں میں مدون نہیں تھے اور نہ مرتب تھے کیونکہ انھیں آثار نویسی سے منع کیا گیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں مرقوم ہے پھر تابعین کے آخری زمانہ

میں آئندہ بنی ہوئی تدوین اور احادیث کے باب باب کرنے کی تحریک شروع کی جبکہ اس وقت علماء شہروں میں پھیل چکے تھے اور خوارج و روافض کی بدعتیں شروع ہو چکی تھیں...

بخاری اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رسولؐ کے کسی بھی صحابی کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد نہیں ہیں مگر عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ یاد ہیں کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، لیکن صحیفہ میں پانی جانے والی حدیثوں کو محدثین تسلیم نہیں کرتے اور نہ انھیں صحیح روایت کا عالم ملتے ہیں مگر یہ کہ انہوں نے یہ حدیث کی ہو کہ انہوں نے اس کے بیان کرنے والے سے یہ سنا ہے، محدثین اسے وجاہد کہتے ہیں،

علامہ شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق: جس چیز نے تدوین حدیث کی ضرورت کا احساس پیدا کیا وہ حدیث کی روایت کا عام ہونا اور بعض راویوں کا کم ثقہ ہونا اور رسولؐ سے نقل ہونے والی حدیث میں مذہبی اور سیاسی اسباب کی بنا پر رجحوت شامل ہو جانا تھا، لیکن سنن کی پہلی تدوین صحیح منی میں منظرِ اہل مدینہ سے ہوئی ہے۔

انہوں نے زبردستی حدیث کی تدوین کی

جب انہیں حدیث کی تدوین کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے اسے باکراہت قبول کیا تھا کیونکہ ان سے پہلے صحابہ نے حدیث کی تدوین نہیں کی تھی اس لئے تدوین حدیث کو گناہ سمجھتے تھے، مفسر نے زہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم علم لکھنے سے کراہت کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو اس پر حکام نے مجبور کیا تو ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس سے کسی بھی مسلمان کو منع نہ کریں۔ زہری کہتے ہیں: مجھ سے بادشاہوں نے لکھنے کا حکم دیا تو میں نے لکھ دیا مجھ کو خدا سے

شروع آئی کہ اسے بادشاہ لکھیں اور میں دوسروں کے لئے نہ لکھوں یا
اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کی ساری کوششیں قرآن لکھنے میں صرف ہوئی
تھیں لیکن حدیث کو وہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک دوسرے سے روایتاً نقل کرتے تھے،

عہد بنی امیر کی تدوین

علماء نے بنی امیر کے عہد کو منظم و صحیح تصنیف کا عہد نہیں جانا ہے کیونکہ انہیں زمانہ
کی کوئی جامع اور باب والی کتاب نہیں ملتی ہے ان کے زمانہ کے جو آثار علماء کو ملے ہیں وہ مجموعے ہیں
جن میں کسی ایک علم سے بحث نہیں ہوئی ہے بلکہ ان میں حدیث، فقہ، نحو، لغت، اور اخبار وغیرہ
درج ہیں،

استاد احمد سکندی اپنی کتاب تاریخ آداب اللغات العربیہ میں لکھتے ہیں: بنی امیر کا زمانہ ختم
ہو گیا اور اس میں نحو کے قواعد، بعض احادیث اور تفسیر کے بارے میں بعض فقیہ صحابہ کے اقوال کے
علاوہ کچھ تدوین نہ ہو سکا، روایت ہے کہ خالد بن زید فلک و کیمیا کے بارے میں ایک کتاب لکھی
ہے اور معاویہ نے صفاء سے عبید بن ساریہ کو بلایا، اس نے اس کی تواشیں پر کتاب "الملوک و
الانخبار الماضیہ" لکھی، اس موضوع پر وہب بن منہ، زہری اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی کتاب
لکھی ہے مگر یہ تمام چیزیں تاریخ علوم اور اس کی تصنیف کے محققین کو مطمئن نہیں کر سکیں اور انہوں
نے بنی امیر کے عہد کو تصنیف کا عہد تسلیم نہیں کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی جامع باب اور مفصل
کتاب نہیں تحریر ہوئی جو کچھ تصنیف ہوا وہ مجموعے ہیں نہ

۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ مولفہ ابن عبد البر ج ۱ ص ۷۷۔

۲۔ تاریخ آداب اللغات العربیہ مولفہ اسکندی ص ۷۲۔

احیاء العلوم میں غزالی لکھتے ہیں: کتب و تصانیف نئی چنریں ہیں صحابہ اور تابعین کے ابتدائی زمانہ میں ان کا نام و نشان بھی نہیں تھا بلکہ مسند کے بعد اور علم صحابہ و بزرگ تابعین کے انتقال اور سعید بن مسیب "متوفی ۱۷۰ھ" اور حسن "متوفی ۱۸۰ھ" اور منتخب تابعین کے بعد وجود رکھائی ہیں، اولین مسلمان تو حدیث لکھنے تصنیف کتب سے کراہیت کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حفظ قرآن اور اس میں غور و فکر کو چھوڑ کر اسی میں مشغول ہو جائیں، وہ کہتے تھے ایسے ہی حفظ کو جس طرح ہم حفظ کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تدوین حدیث کا سلسلہ بنی امیہ کے آخری زمانہ میں شروع ہوا، اس کا طریقہ غیر مرتب تھا جو ملتا تھا اسے جمع کیا جاتا تھا، ابواب و فصول میں منقسم نہیں تھا، شاید تدوین کا یہ کلام اس پہنچ پر جاری رہا، ان کے زمانہ میں علمی مجالس میں اس کی تدوین نہیں ہوتی تھی کیونکہ کسی مخصوص علم سے مختص نہیں تھے، ایک مجلس متعدد علوم پر مشتمل ہوتی تھی عطاء کہتے ہیں: میں ابن عباس کی مجلس سے زیادہ بہتر باتشان مجلس نہیں دیکھی اور نہ ہی ان سے بڑا فقیہ اور بارعب آدمی دیکھا ہے قرآن والے ان سے سوال کرتے، اہل عرب ان سے پوچھتے، شعراء ان سے دریافت کرتے اور ہر ایک انہیں اس فن کا ماہر پاتا، عمر بن دینار کہتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس جیسی مجلس نہیں دیکھی کہ ان میں ہر اچھالی، حلال و حرام، تفسیر قرآن و شہادہ عربیت ہے یہ تھا تدوین کا اولین طریقہ لیکن ان کی ہم نگر ایسی کوئی کتاب نہیں پہنچی ہے،

بنی عباس کے زمانہ میں

سکندری لکھتے ہیں:

نبی عباس کے زمانہ میں علماء صحف میں مرقوم چیزوں کی اصلاح اور سینوں میں محفوظ اشیاء کی تدوین اور اس کی ترتیب و تبویب اور اس سے کتاب کی تصنیف کی طرف مائل ہوئے، اس زمانہ میں تصنیف کی طرف علماء کے مائل ہونے کے قوی اسباب میں سے ایک اس کام پر خلیفہ ابو جعفر منصور کا ابھارنا تھا اور ائمہ فقہاء کو حدیث و فقہ کی جمع آوری کی رغبت دینا تھا منصور نے یہ نکل کے باوجود اس سلسلے میں بہت پیسہ خرچ کیا، علماء کا کہنا ہے کہ اس نے اسلامی علوم کو حکم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے سران و فارس کے علماء مترجمین کو فارسی اور یونانی سے طب، سیاست، حکمت، ہیئت، نجوم، آداب اور منطق وغیرہ کا عربی میں ترجمہ کرنے پر ابھارا اس لحاظ سے وہ پہلا حاکم تھا جس نے دیگر زبانوں سے عربی میں ترجمہ کر لیا مگر حدیث کی تدوین و جمع آوری پر اس کی خاص توجہ تھی، اسکے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ: کیا دنیا کی کوئی لذت ایسی ہے جس سے وہ آستانہ ہو؟ کہا: ایک خصلت ماتی رہ گئی ہے، میں قحبہ خانہ میں بیٹھا ہوں اور میرے پاس حدیث کا مجمع ہو اس وقت اسے مالک بن انس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ موٹا لکھیں،

صوفی کہتے ہیں: منصور حدیث و انساب کا سب سے بڑا عالم تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ منصور کے زمانہ میں رجال حدیث کی کثرت تھی اور اس میں بھی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ علماء آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنجیدہ ہو گئے تھے اور اس کی تدوین و جمع آوری کی طرف راغب تھے، چنانچہ عربیہ عبدالعزیز نے کہا ہے: بادشاہ کی مثال بازار کی سی ہے جہاں ہر شخص اپنی چیز کو پیش کرتا ہے اگر نیک ہے تو اپنی نیکیوں کو لاتا ہے اگر فاجر ہے تو اپنے فجور کے ساتھ آتا ہے، ابن تغری بردی ^{۱۲۸ھ} کے حوادث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ذہبی کہتے ہیں: علماء اسلام نے ^{۱۲۸ھ} میں حدیث فقہ اور تفسیر کی تدوین کا کام شروع کیا مکہ میں ابن جریر ^{۱۲۸ھ} نے کچھ کتابیں تصنیف کیں،

۱۔ تاریخ آداب اللہ العربیہ مؤلف سکندی ص ۱،

۲۔ یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریر

سعید بن ابی عروبہ «متوفی ۱۵۸ھ» نے تصنیف کی اور حمار بن سلمہ «متوفی ۱۶۷ھ» وغیرہ نے بصرہ میں تصنیف کی اور کوفہ میں ابو حنیفہ نے فقہ ورائے میں تصنیف کی ۱۵۸ھ میں انتقال کیا، اور اسی نے شام میں تصنیف کی «۱۵۶ یا ۱۵۷ھ میں انتقال کیا» مدینہ میں مالک نے موطا لکھی، «۱۶۸ھ میں انتقال کیا» ابن اسحاق نے مغازی لکھی «۱۵۱ھ میں انتقال کیا» یمن میں مہمر نے تصنیف کی «۱۵۳ھ میں انتقال کیا» کوفہ میں سفیان ثوری نے کتاب الجامع لکھی «۱۶۱ھ میں انتقال کیا» مختصر تذکرہ بعد شام غازی کا یہیں لکھی «۱۵۸ھ میں انتقال کیا» لیث بن سعد نے تصنیف کی «۱۵۱ھ» اور عبد اللہ بن لہید، بھرانہ مالک «۱۶۸ھ» قاضی ابو یوسف، یعقوب «۱۸۲ھ» اور ابن وہب «۱۶۷ھ» میں علم کے باب بندی اور تدوین کا کثرت ہو گئی اور عربی تاریخ اور لغت کی تاریخ ترتیب ہو گئیں اس سے قبل تمام علماء جو کہ روایت میں ائمہ تھے انہوں نے حافظہ سے بیان کرتے تھے اور غیر ترتیب صحیفہ سے روایت کرتے تھے۔

اور چونکہ ان سب کا ایک ہی زمانہ ہے لہذا قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پہلے کس نے تدوین کی بعض نے کہا ہے: سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ نے تصنیف کی ہے کچھ کہتے ہیں: ابن جریر نے لکھی ہے، چند کہتے ہیں کہ ربیع بن صبح مقدم ہیں بعض کہتے ہیں: حاد بن سلمہ سابق ہیں، اور ابن حجر کہتے ہیں: سب سے پہلے جس نے اسے جمع کیا وہ ربیع بن صبح اور سعید بن ابی عروبہ ہیں یہاں تک کہ تیسرا بڑے لوگوں کا طبقہ اٹھ کھڑا ہوا انہوں نے احکام کی تدوین کی مالک نے موطا لکھی اور اس میں اہل چانکی حدیث جمع کی اور اس میں صحابہ کے اقوال اور تابعین وغیرہ کے فتوے مخلوط کر دیئے اور حافظ ابن حجر و عراقی لکھتے ہیں: ان سب کا ایک زمانہ تھا: نہیں معلوم کون سابق تھا ان کے بعد ان کے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے انہیں کے طریقہ پر کام کیا یہاں تک بعض ائمہ نے یہ مناسب سمجھا کہ حدیث رسول کو علیحدہ جمع کیا جائے اور یہ سب پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسرے کے اوائل میں ہوا ہے اگرچہ ان مجموعوں میں سے موطا مالک کے علاوہ ہمارے

پاس کوئی کتاب نہیں پہنچی ہے، اسی طرح اس زمانہ میں جو تدوین ہوئی ہے اس میں صحابہ کے اقوال تابعین اور ان کے بعد والوں کے فتوے مخلوط ہو گئے ہیں جیسا کہ ابن حجر نے کہا ہے اس پر دو ابتدائی صدیوں پر غل ہوتا رہا ہے، یہ ہے تدوین کا دوسرا طریقہ،

پہلی دو صدیوں کے بعد

پہلی دو صدیوں کے بعد تدوین حدیث کا دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا اور وہ یہ کہ رسول کی حدیث کو جدا گانہ طور پر جمع کیا جائے کہ پہلے اس میں غیر حدیث چیز بھی مخلوط ہو گئی تھی لہذا عبداللہ بن موسیٰ غسی کو ۲۱۲ھ میں سند لکھی پھر سدد بن مسرہ بصرہ نے ۲۲۸ھ میں سند لکھی ۲۸ھ میں حمید بن غفرہ نے سند تحریر کی،

اس کے بعد ان کے راہ پر امام احمد ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ ۲۳۷ھ وغیرہ کا مزن ہوئے لیکن اگر ان مسانید میں صرف حدیث جمع کی گئی ہو تو اور ان میں حدیث کے علاوہ صحابہ وغیرہ کے اقوال مخلوط نہ ہوتے، ان میں وہ غلط صحیح جمع ہے جو اس زمانہ میں روایت کے سیلاب میں بہہ آیا ہے اس زمانہ تک حدیث کی تقیم نہیں پہچانی گئی تھی جو کہ صحیح، حسن اور ضعیف کی صورت میں ہوتی ہے اور اسی لئے ان مسانید کو سنن کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا ہے اور نہ مطلق طور سے ان سے احتجاج کیا جاسکتا ہے، عنقریب ہم ان مسانید اور مشہور کتابوں کے درمیان ان کی منزلت سے بحث کریں گے،

تدوین کا کام اسی پہنچ پر جاری رہا یہاں تک کہ بخاری کا طبقہ ظاہر ہوا اس نے تدوین کا دوسرا طریقہ اختیار کیا، تدوین ایسا جدید مرحلہ میں داخل ہوئی یہ نتیجہ کا دور ہے،



تاخیر سے ندوین کا نتیجہ

جب رسولؐ کی احادیث کی آپ کے مہدی میں ندوین نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی آپ کے صحابہ نے اسے قرآن کی طرح قلم بند کیا تھا تو ہر کج فکر کیلئے رسولؐ سے روایت کا باب وسیع ہو گیا چنانچہ جو چاہا روایت کے پیرایہ میں پیش کر دیا،

اگر صدر اسلام کے مسلمان یا ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے جو کہ حقیقت میں ایک طبقہ کے افراد تھے اور عدل و کمال و سیرت میں مساوی تھے اگر روایت ان ہی میں محدود ہوتی کہ جن پر صحیح معنوں میں صحابہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں روایت کی جانے والی چیزوں کو رشتہ تحریر میں لایا گیا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہی چیزیں نقل ہوتیں جو رسولؐ نے فرمائی تھیں ان میں کمی ہوتی نہ زیادتی اور ساری احادیث صحیح آتی ان میں شک نہ ہوتا اور پھر امت بھی انہیں راضی برضا تسلیم کرتی جیسا کہ اس سے پہلے اس نے قرآن کو قبول کیا تھا اور سلف سے خلف تک اپنے اصلی لفظ و معانی کے ساتھ پہنچتیں اور اس میں مسلم و غیر مسلم کوئی اختلاف نہ کرتا امت اس کی روشنی میں راہ طے کرتی اور اس کی ہدایت سے استفادہ کرتی مذاہب و فرق میں تقسیم نہ ہوتی جیسا کہ خدائے متعال اپنی کتاب میں فرماتا ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ اندازی نہ کرو۔ بے شک جن لوگوں نے دین میں اختلاف کیا اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں ان سے آپ کا سروکار نہیں ہے لیکن ہر زمانہ میں لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، اور بشر کی طبیعتیں بدلتی نہیں ہیں اور زمان کے غرائز میں تغیر ہوتا ہے، خواہشوں میں تبدیلی نہیں آتی ہے اور صحابہ و تابعین بھی انسان ہی تھے مصوم بھی نہیں تھے، یہی اللہ کی خلقت میں اس کی سنت ہے اور اس کی سنت میں نہیں تبدیلی نہیں ملے گی،

آپ کے پیروکار جان لےنا کافی ہے کہ رسولؐ کا ایسی انتقال ہی ہوا تھا اور صحابہ کے درمیان آپ کی تدفین سے پہلے ہی اختلافات شروع ہو گئے پھر رسولؐ کے بہت سے صحابہ مرتد ہو گئے

تھے اگر ابو بکر کی مستقل مزاجی اور عمر کی خود راہی نہ ہوتی اور اصحاب خیاران کی مدد نہ کرتے تو اسلام کا پورا جہد سے اکھڑ جاتا۔

اسی نے ابو بکرؓ اور اعلیٰ جیسے بزرگ صحابہ بڑے بڑے صحابہ کی روایت کردہ حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ وہ ایک گواہ لانا جو یہ گواہی دیتا کہ اس راوی کے ساتھ اس نے بھی یہ حدیث رسولؐ سے سنی تھی یا بیان کرنے والا صحابی یہ قسم کھانا کہ اس نے رسولؐ سے یہ حدیث سنی ہے اگر وہ سب خطا اور جھوٹ سے بری ہوتے جیسا کہ علماء کہتے ہیں، تو اصحاب کبار کے زمانہ میں ہر روایت کرنے والے کی روایت قبول کی جاتی، جبکہ دین اپنے عنوان پر تھا اور نشانیاں ظاہر تھیں اور ابھی تک ان کے قلوب میں نور نبوت جلوہ گر تھا،

جو شخص تاریخ اسلام کی کائنات تحقیق کرنا چاہتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قبل از اسلام عرب کے حالات کا باعموم اور زمانہ جاہلیت میں بنی ہاشم بنی امیہ کے حالات کا بالخصوص مطالعہ کرے اور پھر ان کا زمانہ اسلام میں دیکھے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے صحابہ کے درمیان کی نزاع، علیؓ و معاویہ کے درمیان ہونے والی جنگ ان دونوں کے لشکر میں اکثر صحابہ تھے اور پھر امویوں اور عباسیوں کے درمیان اسی طرح رسولؐ اور یہود کے مابین کے حالات اور دیگر اہل ادیان کے دلوں میں کیا بغض و عناد تھا، مذکورہ تمام باتیں محقق کی نظروں کے سامنے ہونی چاہئیں،

حقیقت ہے کہ جو شخص صحیح تاریخ اسلام سے واقف ہونا چاہتا ہے اگر وہ مذکورہ تمام چیزوں پر حاوی ہے تو اس پر بعید ترین آفاق روشن ہو جائیں گے، ایسے انوار اس کے سامنے جلوہ گر ہوں گے جو اس کے حوادث کی صحیح تحلیل اور نتائج صحیح تحلیل کرنے کی ہدایت کریں گے کیونکہ تمام چیزوں کا تاریخ اسلام کی تشکیل میں اور داستان و اساطیر میں سے جو تفسیر قرآن میں اور احادیث میں داخل کر دیا گیا ہے اس کا بہت بڑا اثر ہے،

تاریخ آپ کو بتائے گی کہ رسولؐ ابھی اپنے رفیق اعلیٰ سے ملحق بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنی ہاشم سے جو بنی امیہ کے دلوں میں دشمنی تھی اس کا اظہار ہونے لگا اس زمانہ میں انہوں نے اسلام

اعلیٰ حضرت کے لئے ایک روحانی و دینی بڑا اثر تھا اس لئے اس میں دینی بنیادوں پر
 دوسری دنیاوی بنیادوں کی ضرورت نہ تھی اور ان میں وہ اپنی دینی بنیادوں پر قائم رہے اور ان میں
 عقیدہ کلمہ کو اس لئے نہیں لکھا کہ وہ دینی بنیادوں پر قائم رہے اور ان میں وہ اپنی دینی بنیادوں پر
 قائم رہے اور ان میں وہ اپنی دینی بنیادوں پر قائم رہے اور ان میں وہ اپنی دینی بنیادوں پر قائم رہے

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں انہوں نے لوگوں کے درمیان جھوٹ اور جعلی حدیث پھیلاتا شروع کر دی تھی اور رسولؐ سے روایت کرنے میں لوگوں کی اتنی جرأت بڑھ گئی تھی کہ بقول ابن عباس کے ”وہ ہر نرم و سخت اور مطیع و معرکش پر سوار ہو گئے تھے،

قرآن وہ ہے کہ جس کے لئے رسولؐ نے کاتب معین کئے تھے جو کہ وحی کی ساعت ہی میں اسے لکھ لیتے تھے اور دوبارہ عبدالوکر میں لکھا گیا پھر بہت سے صحابہ حفظ کرتے تھے اور دوسری طرف خانے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، ارشاد ہے ”انہن نزلنا الذکر وانا لہیٰ قاطن“ پھر بھی قرآن کی قرات کے سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے اور اختلاف رسولؐ کی وفات کو بیس سال گزرنے سے پہلے ہی واقع ہو گیا تھا اور اتنا شدید تھا کہ عثمان مصحف میں صحیح صودت میں قرآن کی نسخہ برداری کرانے اور انھیں شہروں میں بھیجنے کے لئے مجبور ہوئے اور یہ حکم دیا مختلف قرات والے قرآن کو نذر آتش کر دیا جائے جب قرآن کا یہ حال ہوا تو حدیث کا کیا حال ہو گا جو کہ عہد رسولؐ میں لکھی گئی تھی اور زمانہ ابوبکرؓ میں اور نہ عصر عثمانؓ میں وہ تدوین کی قید سے آزاد تھے، مختلف خواہشوں نے چھپا رکھا تھا مختلف اغراض کو ان کے ذریعہ پورا کرتے تھے۔

انھیں وجوہ کی بنا پر صحیح احادیث کی معرفت دشوار تھی اور رواۃ کی فمیریوں کی معرفت کی تحقیق اس سے بھی دشوار تھی اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واضح ہو گا کہ تاخیر سے حدیث کی تدوین میں بہت زیادہ نقصان ہے کیونکہ اس سے روایت کا دامن وسیع ہو گا اور صحیح حدیثوں میں جعلی حدیث مل جائے گی اور عرصہ دراز تک صحیح و جعلی حدیث کو جدا نہیں کیا جاسکے گا،

تدوین حدیث شیعوں کی نظر میں

تدوین حدیث کے بارے میں آپ اہلسنت کا نظریہ ملاحظہ کر چکے ہیں بحث کی تکمیل کے لئے

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ تدوین حدیث کی تاریخ کو شیعوں کے نقطہ نظر سے پیش کریں تاکہ ہر طریقہ سے بحث کا مکمل ہو جائے،

شیعوں کا مسلک ہے کہ سب سے پہلے جس نے حدیث کا جمع آوری کی اور اس کی بیوی کی وہ رسولؐ کے غلام ابورافع تھے۔ ان کی کتاب السنن، احکام اور قصایا ہیں، نیز شیعہ کہتے ہیں: حدیث کی جمع آوری اور اس کی باب بندی میں کوئی بھی ان پر مقدم نہیں ہے۔

عظیم علم محمد بن آل کاشف الغطاء بخنی اپنی کتاب والمطالعات والمراجعات لمرورہ میں لکھتے ہیں: جس نے سب سے پہلے حدیث کی تدوین کی وہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے کاتب اور آپؐ کے بیت المال کے خازن امین ابی رافع ہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ سب سے پہلے خود امیر المومنینؑ نے حدیث کی تدوین کی تھی جیسا کہ محققین میں مذکورہ خبر صحیفہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے،

علم حدیث کی ابتدا

یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اگر رسولؐ کی احادیث کو آپؐ کی زبان سے نکلنے وقت ہی فلم بند کر لیا جاتا اور ہر زمانہ میں اس نوشتہ کی حفاظت کی جاتی تو لوگ اسے قرآن کی طرح قبول کرتے نہ اس کی صحت کی بحث میں پڑتے اور نہ اس کی حقیقت کی چھان بین کرتے مگر رسالت کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی اور نہ اصحاب کے زمانہ میں، بلکہ وہ روایت کے ذریعہ سے آئی ہے اسی نے علمائے

ابورافع رسولؐ کے غلام تھے ان کا نام اسلم تھا پہلے وہ عباس بن عبد المطلب کے غلام تھے انہوں نے رسولؐ کو حکم دیا تھا، انہوں نے ہی رسولؐ کے لئے کھڑی کا بنوایا، رسولؐ نے اپنی کنیز سلمیٰ کا ابورافع سے نکاح کر دیا تھا ان سے علیؑ کے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع پیدا ہوئے،

۱۔ الشہود و فتون اسلام ص ۲۶، ۲۸، مولفہ سید حسن صدر مطبع المرقن صدر اسلام لاہور۔

اس کی تحقیق ضروری سمجھی تاکہ صحیح اور حلی و گڑھی ہوئی حدیث کو پہچان لیا جائے،

علم حدیث کا موجد

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اصطلاح کے سلسلے میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد ابو حنیفہ نے تصنیف کی اور الحدیث الفاصل بین الراوی والواعی، تحریر کی لیکن وہ مقام چنیز کا احاطہ نہ کر سکے پھر حکم ابو عبد اللہ نیشاپوری متوفی ۳۸۵ھ نے قلم اٹھایا مگر وہ مرتب و درست نہ کر سکے ان دونوں کے بعد ابو نعیم اصفہانی آئے انہوں نے اپنی کتاب میں کچھ چیزیں جمع کیں اور بہت سی تحقیق کیلئے بچھوڑ گئے۔ پھر خطیب بغدادی ۴۲۳ھ آئے انہوں نے اپنی مشہور کتاب کی تالیف کی اور اسکے فنون کو سنو لا لہذا لوگوں نے اسی پر عمل کیا اور ان ہی کے راستے پر گامزن ہوئے چنانچہ ان میں سے بعض مختصر کتاب رقم کی جیسے نووی نے تقریب کسی نے منظم کیا جیسے عراقی ۸۰۶ھ

علم حدیث کا مطلب

ابن خلدون اپنے مقدمہ کی ”علوم حدیث“ والی فصل میں لکھتے ہیں: علم حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسانید میں غور کیا جائے اور ان احادیث کی معرفت حاصل کی جائے جو تمام شرائط اور کامل سند کے ساتھ آئی ہیں اور جن پر عمل کرنا واجب ہے اور اخبار رسول میں

۱۔ تدوین الراوی ص ۱

۲۔ متوفی ۳۶۰ھ راجح مز فوس کے شہرہا میں سے ایک شہر ہے ان کی کتاب الحدیث الفاصل بین الراوی والواعی،

کا ایک نسخہ مصر کے دارالکتب میں موجود ہے، ص ۱۲۸

سے جس کے صادق ہونے کا ظن غالب ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے تو اس طریقہ میں اجتہاد ہونا چاہیئے جس سے وہ ظن حاصل ہوتا ہے اور طریق عادل و ضابطہ روایت حدیث کی معرفت ہے۔۔۔
خطبہ مسلم کی شرح میں نووی لکھتے ہیں :

علم حدیث کا مقصد متون کے معانی اور علم الاسناد کی تحقیق ہے اور معلل و علت حدیث کے معانی و ضعیفی سے عبارت ہے جو کہ بظاہر سالم ہونے کے باوجود حدیث کے ضعیف ہونے کا اقتضاء کرتی ہیں : کبھی متن میں جھول و اضطراب ہوتا ہے اور کبھی اسناد میں، علم حدیث کا مقصد صرف سنا، سنانا اور لکھ لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد غور کرنا، اہل معرفت سے رجوع کرنا محققین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔

سند اور متن حدیث

سند کے معنی لغت میں دیوار وغیرہ سے ٹیک لگانے اور اعتماد کرنے کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں متن حدیث کے طریق کو سند کہتے ہیں اسے سند اس لئے کہا گیا ہے کہ حفاظ صحت حدیث وغیرہ میں اسی طریق پر اعتماد کرتے ہیں، کبھی طریق کو وجہ بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ”بذلہ الحدیث لا یعرف الا من ہذا الوجہ“ اور متن کے معنی لغت میں ریڑھ کی ہڈی اور زمین سے لگ کر بلند ہونے والی چیز کے ہیں، لیکن عربوں میں متن اس چیز کو کہتے ہیں جس پر سند منتهی ہوتی ہے اس کی مثال یحییٰ کا یہ قول ہے : ”اخرنا مالک من نافع من عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ قال : لا یبع بعھکم علی ریع بعض“ پس سند حدیث روایت ہیں اور متن حدیث لا یبع بعھکم ہے۔۔۔

حدیث کس سے لی جائے

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ صرف اس حدیث کو قبول کیا جائے جس کے روایت

عدالت و ضبط کی صفت سے متصف ہیں اور عدالت روایت میں رکن اعظم ہے،
 لیکن صرف عدالت کافی نہیں ہے عدالت کی صفت کے سلسلے میں علمائے کرام درمیان شدید
 اختلاف ہے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عدالت رسم کی معرفت دشوار ہے چہ جائیکہ حد کی، اس سلسلے
 میں بہت بحث کی ہے اس کے متعلق انہوں نے جو کچھ کہا ہے اسکو بیان کر کے ہم اپنے کلام کو طول نہیں
 دینا چاہتے روایت میں ضابطہ کی انہوں نے یہ تعریف کی ہے کہ ضابطہ وہ ہے جس سے روایت میں
 بہت کم غلطی ہوتی ہے اور غیر ضابطہ وہ ہے جس سے زیادہ غلطی ٹہرتی ہے خواہ ایسا استدلال کی وجہ سے
 ہو یا جدوجہد میں کوتاہی کے سبب، علمائے ضابطہ کیلئے بہت سے صفات وضع کئے ہیں انہیں ہم
 نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ عدالت و ضبط میں سے ہر ایک بلند میاں زادہ پست مراتب میں اور بعض
 کی ترکیب سے حدیث کے قوی و ضعیف مراتب حاصل ہوتے ہیں ۱۔
 ثقہ وہ ہے جس میں عدالت و ضبط دونوں صفتیں جمع ہیں اور ہر وہ چیز کہ جس کی حافظ
 نے روایت کی ہے صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ بعض موقعوں پر اس سے لغزش ہو گئی ہو اور ایسے ہی
 یہ بھی کہہ نہیں سکتے کہ جو بھی غیر حافظ نے بیان کی ہے وہ غلط ہے کیونکہ بہت سے موقعوں پر اس کی
 بات صحیح ہوتی ہے اور عاقل وہ ہے جو دونوں کی صحیح بات کو قبول کرتا ہے،

خبر اور اس کی قسمیں

جیسا کہ علامہ نے تعریف کی ہے حدیث جارت ہے رسول کے اقوال و افعال سے واضح

۱۔ درحقیقت و عداوی ضابطہ ہے جو سنی ہوئی چیز کو ہو بہو بیان کرے اس میں رد و بدل نہ کرے جسے سنا ہے اسے نقل
 و منہ بیان کرے،

۲۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: غلطی سے اکثر لوگ محفوظ نہیں ہیں بلکہ صحابہ سے بھی بعض کبھی غلطی ہو جاتی تھی،

۳۔ تو جبہ النظر میں ہے،

ہے کہ جس نے ان اقوال کو بطریق حسنِ تدبیر نہ کیا ہو ان کے ادراک کیلئے اس کے پاس خبر کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، علماء نے خبر کی قسمیں بیان کی ہیں اور انہوں نے حدیث کیلئے جو کہ خبر کی ایک قسم ہے مخصوص بحث قرار دی ہے،

علماء کلام و اصول نے خبر کی دو قسمیں کی ہیں: متواتر اور آحاد، متواتر وہ ہے جسے ایک جماعت نے بیان کیا ہو اور جماعت کے افراد اتنے زیادہ ہوں کہ حادثات جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو اور بنفسہ مفید علم ہو کیونکہ وہ قطعی طور پر صحیح ہے اور عقائد میں بغیر توقف کے اس پر عمل کرنا جائز ہے، خبر آحاد کہ جسکو خبر واحد بھی کہتے ہیں وہ ہے کہ جس کے راوی تعداد میں متواتر راویوں کی تعداد کو نہ پہنچیں راوی خواہ ایک ہو یا دو یا تین یا چار یا پانچ، اتنی تعداد ہو کہ جس کا خبر متواتر میں دخل ہے بلکہ یہ مفید ظن ہے، اس سے ظن حاصل ہوتا ہے اور عبادات و معاملات میں اس پر عمل کیا جاتا ہے لیکن عقائد میں نہیں،

نوی نے مسلم کی شرح میں تحریر کیا ہے: خبر کی دو قسمیں ہیں متواتر و آحاد،

متواتر وہ ہے کہ جس کے راوی اتنے ہوں کہ ان جیسوں کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو اس کا اول و آخر اور وسط برابر ہوں، راوی جس سے خبر دیں گان کے سہارے سے نہیں اور ان کے قول سے علم حاصل ہوتا ہو۔ ہا راوی نظریہ ہے جو کہ محققین کا ہے، اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ متواتر کے لئے تعداد معین نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہی خبر دینے والوں کیلئے اسلام اور عدالت کی شرط ہے، خبر واحد وہ ہے کہ جس میں متواتر کی شرطیں نہ پائی جائیں خواہ اسکے کم راوی ہوں یا زیادہ۔ خبر واحد صحیح بھی ہوتی ہے اور غیر صحیح بھی حدیث کی غام کتابوں میں آحاد کی قسم موجود ہے۔

متواتر و آحاد کا حکم

اگر خبر متواتر ہے تو قطعاً مفید علم ہے اور اگر آحاد ہے تو قطعاً مفید علم نہیں ہے ہاں کبھی

۱۔ توجہ (نظر میں)۔

اخبار آحاد میں بھی ایسی چیز ہوتی ہے جس سے نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔
 جبکہ قول ہے: اخبار آحاد قطعاً مفید علم ہے جبکہ وہ بخاری و مسلم میں بیان ہوئی ہوں
 اور اگر امت ان دونوں کو قبول کرتی ہے تو پھر ان "بخاری و مسلم" میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں
 ان پر عمل کرنا بہتر ہے کیونکہ امت کو ہر اس خبر کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جسکے صادق ہونے کا ظن غالب
 ہو، اس سے یہ سمجھ میں نہ آتا کہ جو کچھ دونوں میں ہے وہ نفس الامر میں قطعی طور پر موجود ہیں، جیسے قاضی اس
 بات پر مامور ہے کہ وہ اس شخص کی گواہی "یر فیصلہ کرے جو بظاہر عادل ہے حالانکہ یہ احتمال ہے کہ اس
 نے واقع ہونے والے وہم کی وجہ سے واقع کے خلاف گواہی دی ہو اگرچہ وہ نفس الامر میں عادل ہے یا
 اس جھوٹ کی وجہ سے جو اس سے لوگوں کے سامنے صادر نہیں ہوتا ہے، یہ تھا جبہور کا نظریہ،
 اور اخبار آحاد کے بارے میں بہت سے علمائے کبار نے کہا ہے آحاد پر عمل کیا جاتا ہے اور شہادت
 نہیں لی جاتی ہے کہ اسے رسولؐ نے بیان کیا تھا،
 ابن عبدالبر ادا اس کی جماعت نے کہا ہے: یہ قول جبہور کے اہل علم و فہم کے ہاں میں
 سے بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ قرینہ بھی ہو تو بھی مفید علم نہیں ہے،
 رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: خبر واحد صرف مفید ظن ہے،
 اور کتب معالم اصول الدین میں لکھتے ہیں کہ: وہ عناصر ذاتیہ کہ جن پر وہ نقلی براہین متل
 ہوتے ہیں جو کہ منہجی علی الروایات ہیں، جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ نقلی دلائل ظنی اور عقلی قطعی
 ہیں اور ظن قطع کا معارض نہیں ہو سکتا ہے،
 ابن الصلاح کہتے ہیں: متواتر سے علم الاثر میں بحث نہیں ہوتی ہے،
 اور توجیہ النظر میں جزائری کہتے ہیں: ابن الصلاح نے تو یہ کہا ہے کہ متواتر سے
 علم الاثر میں بحث نہیں ہوتی ہے تو اس میں کسی کو شک کی گنجائش نہیں ہے،
 بعض علمائے کبار نے کہا ہے: متواتر میں علم الاسناد کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ علم الاسناد وہ علم ہے
 کہ جس میں حدیث کی صحت و ضعف سے بحث کی جاتی ہے، جیسے اس کے روایت کے صفات ان

کے ادا کرنے صیغوں سے بحث ہوتی ہے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے یا اسے چھوڑ دیا جائے،
 علماء ہی کا قول ہے: متواتر سے علم یقین حاصل ہوتا ہے خواہ غیر برابر بلکہ کفار ہی
 سے وارد ہوئی ہو خبر متواتر میں دونوں اطراف ”طبقہ اولیٰ وطبقہ آخر اور اوسط“ کا برابر ہونا ضروری
 ہے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کثرت میں دونوں برابر ہوں نہ کہ عدد میں برابر ہونا مراد ہے
 کہ ہر طبقہ میں اتنے ہی راوی ہوں کہ چونکہ عدد کے اختلاف سے کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ ہر طبقہ میں عدد
 کی کثرت ہے مثلاً ایک طبقہ میں ہزار ہیں اور دوسرا نو سو ہے اور تیسرا عدد ۹۰۰ ہیں،

ابن الصلاح اور ان کے مخالفین

تقریب میں نووی لکھتے ہیں: جب علماء یہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے متفق علیہ ہے تو ان کا
 مقصد یقین کا اتفاق ہوتا ہے، ابن الصلاح لکھتے ہیں جو حدیث شیعین نے یا ان میں سے کسی ایک
 نے روایت کی ہے اس کا صحیح ہونا یقینی ہے اور اس میں علم قطعی موجود ہے محققین نے ان کی مخالفت
 کی ہے، اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ غیر متواتر مفید ظن ہے،

نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے: ”کیونکہ چیز ہے جو ان جگہوں پر ابن الصلاح نے
 محققین کے برخلاف بیان کی ہیں، اکثر علماء کا کہنا ہے کہ: ”صحیحین“ بخاری و مسلم“ کی وہ حدیثیں جو متواتر
 نہیں ہیں وہ مفید ظن ہیں کیونکہ وہ آحاد ہیں، اور آحاد قانون کے مطابق مفید ظن ہیں اور اس سلسلے
 میں بخاری و مسلم اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، حکومت قبول کرتی ہے اس سے
 ہماری سمجھ میں صرف وہ بات آتی ہے کہ جو کچھ صحیحین میں ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے... اور جو کچھ ان
 میں مرقوم ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس پر علماء کا اجماع ضروری نہیں ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع
 ہے کہ وہ یقیناً رسول کا کلام ہے،

رد کرنے والوں نے ابن الصلاح اور ان کے طرفداروں پر بہت اعتراض کئے اور ان کے

خلاف رد کرنے والوں نے تو کچھ ان کے خلاف کہا ہے وہ یہ ہے کہ ابن الصلاح نے جمہور کے علماء کے کلام و اصول کی مخالفت کی ہے کیونکہ جمہور کا مسلک یہ ہے: اخبار آحاد مفید علم نہیں ہیں ان سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے، جبکہ ابن الصلاح کا مسلک یہ ہے کہ جو اخبار آحاد صحیحین میں ہیں وہ بلا استثنیٰ مفید علم ہیں اگر وہ اسی پر اکتفاء کرتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ شاید علم سے ان کی مراد ظن قوی ہے، اس سے ابن الصلاح اور ان کے مخالفین کے درمیان شدید اختلاف نہ ہوتا لیکن انہوں نے مزید علم کو یقین و علم الیقین سے متصف کر دیا تو دونوں کے درمیان صلح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، واضح رہے کہ علماء کلام و اصول کی مخالفت آسان کام نہیں ہے، یہاں بعض محققین کا نظریہ یہ بھی ہے کہ اخبار آحاد قرائن کے ساتھ مفید علم ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ قرائن خبر کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں نظام، امام الحرمین اور غزالی کہتے ہیں کہ دلالت کرتے ہیں اور باقی انکار کرتے ہیں؛

حدیث متواتر میں نہیں ہے

نوازری اپنی کتاب "شروط الامانۃ" اختصار میں تحریر فرماتے ہیں،
حدیث واحد یا تواتر کی قسم سے ہے یا آحاد کی قسم سے ہے اور حدیث میں تواتر کا اثبات بہت مشکل چیز ہے خصوصاً اس شخص کیلئے جو کہ متواتر کی تحدید میں عدد کو متعین نہیں سمجھتا ہے وہی آحاد تو اکثر فقہاء کے نزدیک یہ عمل کا موجب نہیں ہے مگر علم کا نہیں،
امام شافعی اپنی کتاب "الاعتصام" کے پہلے حصے میں خبر واحد سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علم تکلیف و فرائض اسی پر مبنی ہیں کیونکہ اگر تو تکلف پر صرف کتاب خلا یا اس کے

۱۔ اس بحث کی تفصیل کے شائق، جزائری کی کتاب "توجیہ منظر" کا مطالعہ فرمائیں جس سے ہم نے یہ بات نقل کی ہے

رسولؐ کی سنت سے عائد ہوتا ہے اور جو ان دونوں کی شاخیں بنتی ہیں وہ ان ہی دونوں کی طرف لوٹتی ہیں اگر سنت کی طرف سے وارد ہوتا ہے تو سنت کا زیادہ حصہ آحاد کے ذریعہ نقل ہوا ہے بلکہ پھر بھی رسولؐ سے متواتر حدیث کا سراغ بہت دشوار ہوتا ہے،

ابن جان ابستی کہتے ہیں: لیکن آحاد تو کل کے کل آحاد ہیں کیونکہ رسولؐ سے ایسی کوئی خبر نہیں ملتی ہے کہ جس کے دو عادل راوی ہوں کہ ان میں سے ایک نے دو عادلوں سے نقل کی ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دو عادلوں سے نقل کی ہو اور ایسے ہی رسولؐ پر سلسلہ منتهی ہوا ہو پس جب یہ چیز محال و باطل ہے تو ثابت ہوا کہ اخبار سب ہی آحاد ہیں۔

امام نووی اپنی تقریب میں لکھتے ہیں:

متواتر: جو کہ فقہ و اصول فقہ میں مشہور ہے، محدثین نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے وہ بہت ہی نادر ہیں، ان کی روایات میں اس کا سراغ لگانا مشکل ہے، اور بعض محدثین نے سنت میں حدیث من کذب علیہ حدیث تھیں اور دوسری چند حدیثوں کو چھوڑ کر متواتر لفظی کا انکار کیا ہے،

آحاد حدیثیں

ہم بتا چکے کہ حدیث کی دو قسمیں ہیں: متواتر و آحاد، دونوں کی تعریف و حکم بھی بیان کر چکے ہیں: اب ہم حدیث آحاد کی تقسیم کے سلسلے میں محدثین کی اصطلاحات اور جس علم حدیث کے موضوع سے تعلق ہوگا اور جو ہمارے موضوع سے متصل ہوگا اسے بیان کر کے اپنی بحث کو ختم کرتے ہیں،

۱ شرط الاثر الحسنہ، مولف خوارزمی ص ۴۲ ۲ ص ۳۱ ۳ حدیث یہ ہے: حوضی بن ہون

الی علیان البلاغ مادة الشد یافعا من اللین واطی من العسل وکوابہ عدد نجوم اسلام، من شرب منه شربہ علم

نفس الامر کے لحاظ سے حدیث صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے صحیح وہ ہے کہ جس کے صحیح ہونے کی نسبت رسول کی طرف ہوا اور غیر صحیح وہ ہے جس کی محنت ثابت نہ ہو لیکن محدثین نے حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے اس میں ان کی مراد وہ حدیث ہے جو طریق آحاد سے مروی ہے، رہی متواتر تو وہ تقسیم سے خارج ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

صحیح

صحیح حدیث: جیسا کہ علامہ نے بیان کیا ہے وہ ہے جسے اول سے آخر تک عادل و ضابطہ نے اپنے ہی جیسے نقل کیا ہو اور اس میں ضعیف و شذوذ نہ ہو،
تقریب میں نووی فرماتے ہیں: صحیح وہ ہے کہ جس کی سند شذوذ و عدالت کے بغیر و عدول و ضابطوں سے متصل ہو جب صحیح کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں نہ کہ

يُثَابِتُهَا دَوَّلُ الْإِسْلَامِ وَدَوَّلُ الْعِلْمِ وَدَوَّلُ الْفَقَرِ الْمُهَاجِرِينَ الشَّعْبِ رُوِّهَا الدِّينُ ثِيَابُ الدِّينِ لَا يَنْكُحُونَ
الْمُنَاهِتَ وَلَا تَقْتَبِحُ لَحْمَ السُّدُودِ، بِذَا تَمَثَّلَ الْمُتَوَاتِرُ مِنْهُمْ،

حدیث کی اور سبھی قسمیں ہیں جنہیں ہم نے بیان نہیں کیا ہے کیونکہ یہ فن حدیث کے مباحث ہیں، سب سے پہلے جس نے حدیث کو تین قسموں، صحیح حسن ضعیف، میں تقسیم کیا ہے وہ ابو یوسف رضی اللہ عنہ ہیں ان سے قبل یہ تقسیم کسی سے نقل نہیں ہوئی تھی ابو یوسف نے اس تقسیم سے اپنا مقصد بھی بیان کیا ہے کہتے ہیں: حسن وہ ہے جس کے متعدد طرق ہوں اور کوئی کذب سے متہم نہ ہو اور نہ شاذ ہو یہ صحیح کے علاوہ ہے، صحیح کے ناقصوں کی عدالت و ضبط کو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، ضعیف وہ ہے کہ جس کے نقل کذب سے متہم ہوں اور کم حافظ ہوں اس کے بعد ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔

وہ مقطوع بہ ہے اور جب غیر صحیح کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہیں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ صحیح کی اسناد کے بارے میں یہ یقین ضروری نہیں ہے کہ اس کی اسناد مطلق طور پر صحیح ہیں، اور جب علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح متفق علیہ ہے تو ان کی مراد شیخین کا اتفاق ہوتا ہے، اس کی جامع ترین تعریف یہ ہے: **المرودی علی وجہ تسکین الیہ النفس مع السلامة من الشذوذ والعلۃ**۔

جر جانی اپنی تعریفات میں لکھتے ہیں:

صحیح حدیث وہ ہے کہ جس کے لفظ رکاکت سے اور معنی آیات یا خبر متواتر یا اجماع کی مخالفت سے محفوظ ہوں اور اس کے راوی حلال ہوں اس کے مقابل میں مستقیم ہے، صحیح کے مراتب بھی ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتے ہیں، جو کہ صحیح کا اقتضار کرتے ہیں کیونکہ جب وہ اس طین غالب کا مفید ہوں گے کہ جس پر صحت کا دارومدار ہے، تو اس کا اقتضار ہے کہ مراتب صحیح بھی ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں، اور جب حدیث کے روایت عدالت و ضبط اور ان تمام صفات کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوں گے جو کہ ترجیح کا سبب ہوتے ہیں تو وہ دوسرے کی بنسبت زیادہ صحیح ہوگی اور جب علماء نے اسانید کے درجات متفاوت کر دیئے ہیں تو انہوں نے روایت و شہروں کے درجات مقرر کر دیئے چنانچہ انہوں نے میں کے روایت کو بصرہ کے روایت پر فوقیت دی اور شلم کے روایت کو بصرہ کے روایت سے کم درجہ کا شمار کیا، صحیح کی بھی قسمیں ہیں جو کہ ان کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں،

حسن

رجال حدیث کے درمیان حدیث حسن کے بارے میں شدید اختلاف ہے اس کی تعریف کے بارے میں انہوں نے بڑے فرمایا ہے اس میں سے کچھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں،

[illegible]

“संसारमयं” “संसारमयं”

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

‘کتابتہ برادرانہ’ کے نام سے ایک علمی و ادبی مجلہ جاری ہے۔

۱) اور یہی سہولت ہے کہ جو شخص چاہے وہ بھی اس میں حصہ لے سکے۔

ممکن ہے کہ ان سب طرق نے باطل پر اجتماع کیا ہو، صحیح حدیث کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں مقطوع ہو،

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

اور جب علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مذکورہ تمام اوصاف سے متصف ہے اور اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں مقطوع ہو،

اور یہ ان اخبار میں سے نہیں ہے کہ جن کو قبول کرنے پر امت کا اتفاق ہو اور اسی طرح جب علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ وہ نفس الامر میں جھوٹی ہے، ممکن ہے وہ نفس الامر میں صادق ہو بلکہ علماء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی اسناد مذکورہ شرط کی بنا پر صحیح نہیں ہے، ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: کسی حدیث کے بارے میں علماء کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور متن صحیح نہیں ہے یا اس کی اسناد صحیح نہیں ہے متن صحیح ہے، یا اسناد مجہول اور متن مجہول ہے یا اسناد صحیح ہے اور متن بھی صحیح ہے یا اسناد ضعیف ہے اور متن ضعیف ہے۔

زین العزاقی، متوفی ۷۷۵ھ نے اپنی کتاب الفید میں تحریر کیا ہے:

اہل حدیث کہتے ہیں: ”یہ حدیث صحیح ہے: تو اس سے“ ظاہری اسناد پر عمل کرتے ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ”ان کی مراد وہ ہے جو نفس الامر میں جس کی صحت کا یقین نہ ہو کیونکہ نقد سے بھی خطا و نسیان ہو سکتا ہے، یہ ہے وہ صحیح جس پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے برخلاف اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ خبر واحد علم ظاہر کا سبب ہوتی ہے... اور ایسے ہی محدثین اس قول کا مقصد کہ ”حدیث ضعیف ہے“ یہ ہے کہ اس میں ہمیں صحت کے شرائط نہیں ملے

ہیں نہ کہ وہ نفس الامر میں جھوٹی ہے کیونکہ کذاب بھی سچ بول سکتا ہے اور کثیرا لفظ کی بات بھی صحیح ہو سکتی ہے، پھر کہتے ہیں: اگر کسی چیز کی اصل صحیح ہے تو اس کا لازم یہ نہیں ہے کہ وہ صحیح ہے، اور سماعی نے اپنی کتاب قواعد میں بیان کیا ہے کہ صحیح صرف ثقافت کی روایت ہی سے نہیں پہچانی جاسکتی ہے بلکہ فہم و معرفت، کثرت، سماع اور مذاکرہ سے پہچانی جاتی ہے،

علامہ کہتے ہیں کہ کسی حدیث کی صحت اس بات کا موجب نہیں بنتی ہے کہ وہ نفس الامر میں یقینی ہے کیونکہ ثقہ سے بھی بھول چوک ہو سکتی ہے،

نودی نے تقریب میں اکثر علماء و محققین کی طرف نسبت دیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: جو حدیث متواتر نہیں ہے اس سے ظن حاصل ہوتا ہے، اور شرح مسلم میں مرقوم ہے: کیونکہ یہ مفید ظن ہو آحاد کی خاصیت ہے اس سلسلے میں شیخین وغیرہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، محدثین متن کے غلط ہونے کی پروا نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سند صحیح ہے تو متن بھی صحیح ہے،

سند کا اہتمام

ذہبی اپنی کتاب، سیر اعلام النبلاء میں یحییٰ بن سعید قطان کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: حدیث کو نہ دیکھو لیکن اسناد کو دیکھو، اگر اسناد صحیح ہے تو فہا وئذہ اگر اسناد صحیح نہیں ہے تو حدیث سے فریب نہ کھاؤ، ذہبی ہی لکھتے ہیں: سلف زیادہ جھان پھٹک سے منع کرتے تھے اور اہل جہل کو بدعتی کہتے تھے،

ہم نے گزشتہ صفحات میں امر حدیث ————— کہ جسکو صحیح سمجھتے ہیں ————— کے بارے میں ابن الصلاح و عراقی اور حاکم وغیرہ کے اقوال نقل کئے تھے اب اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتے،

کیونکہ اگر اس کے ساتھ بعض وہ عام چیزیں بھی پیش کی ہیں جو کہ اس سے قبل امر حدیث کے بارے میں بیان کی تھیں اور غمقرب بھر بیان کریں گے لیکن یہاں ہم نے بہت سی چیزیں ایسی پائی ہیں کہ جنہوں نے غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

سب سے پہلے بارے سامنے یہ بات آئی کہ رسولؐ نے اپنی حیات میں اپنی حدیث نہیں لکھی تھی۔۔۔ جسے قرآن لکھا تھا۔۔۔ کہ جس سے وہ آپؐ کی حیات کے بعد متواتر طریقہ سے آتی جیسا کہ قرآن آیا ہے، اور اسی پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ اس کے لکھنے سے منع کیا تھا چنانچہ اصحاب اور آپؐ کا اتباع کرنے والوں نے آپؐ کے حکم کی پیروی کی اور حدیث نہیں لکھی اور صرف زبانی نقل کرتے رہے، لیکن ان الفاظ میں نہیں جو رسولؐ نے فرمائے تھے بلکہ وہ معنار وایت کرتے تھے، اور تدوین حدیث کے زمانہ تک ایسی ہی نقل ہوتی رہی ہے، تدوین حدیث کا کام تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف میں شروع ہوا اور تیسرے دین و لغت کا جو نقصان ہوا وہ ناقابل تلافی ہے۔ اور دشمنان دین، جھوٹوں اور حدیث گڑھنے والوں، طبع پروردہ صراح مسلمانوں نے بھی انہیں بہت کچھ داخل کر دیا ہے،

اور جب علماء جرح و تعدیل نے روایت کے احوال سے اس لئے بحث شروع کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کس کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور کس کی نہیں، تو وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود اس مقصد تک نہیں پہنچ سکے کہ جس تک رسائی ضروری تھی، اور جس چیز کی وہ تحقیق کرنا چاہتے تھے اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ انہوں نے اپنی انسانی طاقت کے مطابق بحث و تحقیق کی اور روایت کے ظاہری حالات سے آگے نہ بڑھ سکے لہذا اس سلسلے میں ان کی سرزنش نہیں کی جاسکتی کیونکہ لوگوں کے باطن اور ان کے بھیدوں کا سراغ لگانا محال ہے،

اس سلسلے میں وزیر ایمانی روض الباسم میں لکھتے ہیں :

ہم نے اکثر ائمہ جرح و تعدیل کو دیکھا ہے کہ وہ راوی ہی کے بارے میں بحث کرتے رہتے ہیں ایک مرتبہ اسے ثقہ کہتے ہیں پھر اسے ضعیف قرار دیتے ہیں کیونکہ کثرت میں اس کے وہم کے دخل کو کسی پیمانہ پر نہیں پرکھا جاسکتا ہے وہ گمان کرتے ہیں اور اس سلسلے میں قصد و اجتہاد کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی نظر ایسی ہی ہوجاتی ہے جیسی ظنی حوادث میں فقہاء لہذا راوی کے بارے میں ابن معین کے دو قول ہو گئے ہیں توثیق و تضعیف، اور ہم

احترار ممکن نہیں ہے اور عادل محصوم نہیں ہیں بلکہ عصمت رسولؐ بھی عام حالات میں وہم سے باز نہیں رکھتی ہے صرف تبلیغ وحی کے وقت باز رکھتی ہے اور بعض فرائض میں رسولؐ سے بھی وہم ہوا ہے، چنانچہ آپؐ سے ذوالہدین نے کہا: آپؐ نے نماز قصر پڑھی ہے یا بھول گئے ہیں؟ ۱۔

اسی لئے حدیث کی ہر کتاب میں صحیح اور غیر صحیح بلکہ جعلی حدیثیں بھی موجود ہیں اور اس سے کوئی بھی کتاب یہاں تک کہ بخاری و مسلم کہ جن کو صحیح کہا جاتا ہے ان چندوں سے خالی نہیں ہے ان — بخاری و مسلم — کو بھی ناقدین نے نشانہ بنایا ہے،

جب ان کتابوں کا یہ درجہ ہے کہ ان میں متواتر یقینی احادیث نہیں ہیں بلکہ احادیث ہیں کہ جن سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور فقہاء اصولیین اور علماء کلام نے انہیں قبول نہیں کیا ہے اور نہ ان احکام کے پابند ہوئے ہیں،

اسی طرح علماء نحو انہوں نے بھی لغت کو نحو میں ان احادیث کو بطور مثال پیش نہیں کیا ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ احادیث صحیح اور متواتر نہیں ہیں اور اس صورت میں نہیں آئی ہیں جس میں رسولؐ نے فرمایا تھا بلکہ یہ بالعمی روایت کے ذریعہ آئی ہیں، اس سلسلے میں ان جہتوں میں سے ایک حدیث زو جکھا بھا معک، یہ آٹھ صیغوں میں آئی ہیں جبکہ یہ دو کلموں سے زیادہ نہیں ہے،

یہ بھی وہ چیز جسے ہم علماء کے اقوال کو نقل کرنے سے قبل پیش کرنا چاہتے ہیں :
ابن الصلاح کہتے ہیں :

جب علامہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اس کی اسناد منکدہ تمام اصناف سے متصل ہے اس کے شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں آئے ہو،

اپنی شرح الفہم میں عراقی اس سلسلے میں تاکید کرتے ہیں :

جب محدثین ایہ کہتے ہیں کہ : حدیث صحیح ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ

نفس الامر میں اس کی صحت یقینی نہیں ہے کیونکہ تھ سے بھی خطا و غلطیاں سرزد ہو سکتی ہے، مسلمان اپنی قوافل میں لے جاتے ہیں: صحیح حدیث صرف ثقافت کی روایت ہی سے نہیں پہچانی جاتی ہے بلکہ فہم و معرفت، کثرتِ اورد مذکرہ سے پہچانی جاتی ہے، حاکم کہتے ہیں: تھی حدیث ایسی نہیں کہ جن کی اسناد میں ایک ہی تھ ہوتا ہے اور وہ بہت سی مکڑیوں میں مثلاً:

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: حدیث کی معرفت الہام ہے اگر آپ کی عالم سے کہیں کہ ظلالِ حدیث ضعیف ہے تو یہ کہاں سے ثابت ہے؟ تو اس کے پاس جوت نہ ہو، یہ تھیں وہ چند باتیں کو ظاہر کرنے اس حدیث کے بارے میں بیان کی ہیں جسکو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے ان احادیث کی کیفیت ہے جو کلام کے نزدیک صحیح نہیں یا ضعیف نہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے،

ان تلم بائوں کے باوجود وہ غلط کیا گئے گا جو صحیح حدیث سے قرار دیتا ہے جس سے نفس کو سکون اور طمانین حاصل ہو جائے اور وہ کسی دلیل پر کام نہ کرے جو صحیح ہے جدا کیا جب اس کے ماننے یا اور ایسی ہی جہت و فکر میں مبتلا کر دینے والے قوال آئیں گے: کہ حدیث کو قبول کرے گا کہوں کو رد کرے گا بہ خصوص صاحب وہ ابان الصلاح کے آئندہ سے نقل کردہ قوالوں اور اضافہ حدیث سے مطلع ہو گا وہ کہتے ہیں:

حدیث کہہ لے، میں آؤ کہتے ہیں:

- ① وہ حدیث جس کی اسناد و متن صحیح نہیں ہے،
- ② جس کی اسناد صحیح نہیں ہے لیکن متن صحیح ہے،
- ③ یا اسناد بھی مبہول ہے اور متن بھی،
- ④ یا اسناد بھی صحیح ہے اور متن بھی،
- ⑤ یا اسناد بھی ہے اور یا متن بھی ضعیف ہے،

یہ ہیں حدیث کی پانچ قسمیں ان میں ہر محقق الجھلے اور اس سے غلط فہمی کی کوئی رنگ نہیں پاتا ہے کیونکہ علماء نے ان کی تعریف و حدود بیان نہیں کی ہیں اور ان اصناف کے درمیان فرق قائم کیا ہے اور ان پر پرکھنے کی کوئی مقرر کی ہے کہ جس سے لوگ ان سے واقف ہو سکتے، کبھی تو سند کی ان میں سے صحیح محکم ہدایت ہو جاتی ہے لیکن اس پر عمل کرنے پر اس کا دل نہیں مانتا کیونکہ علماء کہہ چکے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کا یہ لازمہ نہیں ہے کہ نفس الامریں بھی وہیق ہیں کیونکہ ثقہ سے خطا و نسیان کا امکان ہے، یہ ایک سرسری جائزہ تھا اس سلسلے میں ہم مزید بحث کو طویل نہیں دنیا چاہتے ہیں اس کے بعد ہم خدا سے ہی دعا کرتے ہیں،
اللهم ادرکنا برحمتک وھئنا لمن امرنا رشد،

حدیث کی قسمیں

علماء نے حدیث کی بہت سی قسمیں قرار دی ہیں اور اس سلسلے میں کتابیں لکھی ہیں اور چونکہ جاری ————— جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں ————— بحث فنی لحاظ سے اس علم سے نہیں ہے بلکہ ہم صرف تاریخ حدیث لکھیں گے لیکن ہم نے ان قسموں کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب سمجھا جو ہمارے موضوع کے سلسلے میں مفید ہیں کیونکہ ان سے روایت کے اختلاف کی معرفت ہوگی اور ان میں ہونے والے یہ تغیر و تبدل کا پتہ لگا،

مضطرب

ابن الصلاح کہتے ہیں: مضطرب وہ حدیث ہے جس کی روایت مختلف ہو،

بعض راوی ایک ہج سے روایت کریں اور بعض دوسرے ہج سے اور سیرا طبقہ اور طریقہ سے... اور یہ اضطراب کبھی متن حدیث میں اور کبھی اسناد میں واقع ہوتا ہے اور کبھی یہ اضطراب ایک راوی سے واقع ہوتا ہے اور کبھی ایک جماعت سے حدیث کا اضطراب ضعیف ہونے کا سبب ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث صحیح طرح ضبط نہیں ہوئی ہے،

متن میں اضطراب کی مثال ابو بکر کی حدیث ہے انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو بوڑھا دیکھ رہا ہوں! فرمایا: مجھے سورہ ہود وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔ یہ مضطرب ہے، کیونکہ یہ حدیث صرف ابو اسحاق اسبیعی کے طریق سے مروی ہے اور اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ان سے اس کی مرسل طریقہ سے روایت کی ہے، بعض نے ان سے موصول کے طریقہ سے روایت کی ہے اور بعض نے اس حدیث کو ابو بکر کی مسند سے قرار دیا ہے، اور بعض نے اسے سعدی مسند کہا ہے، کچھ نے عائشہ کی مسند بتایا ہے، اس حدیث میں دس طریقوں سے اختلاف ہے جنہیں دارقطنی نے قلم بند کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اور جمع ممکن نہیں ہے۔

جزائری کہتے ہیں: اگر محدثین اس حدیث پر اضطراب کا حکم لگاتے ہیں کہ جس کے نفس متن میں اختلاف واقع ہو تو محدثین کی شان نہیں ہے بلکہ یہ کلم مجتہدین کا ہے ہاں محدثین یہ اس حدیث کو مضطرب کہہ سکتے ہیں جس کی اسناد میں اختلاف واقع ہو کیونکہ یہ ان ہی کا کام ہے۔

اور اس غماز میں اختلاف ہے جو کہ ذوالیدین کے قصہ میں بیان ہوئی ہے۔

۱۔ ذوالیدین کا قصہ صحیحین میں ابو ہریرہ سے اس طرح مروی ہے کہ رسول نے ہم لوگوں کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور سلام پھیر دیا ذوالیدین نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے نماز قصر پڑھی ہے؟ رسول نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا یہ سچ کہتا ہے؟ عرض کی ہاں تو آپ نے باقی ماندہ دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دو سجدے کئے۔

کیونکہ ایک مرتبہ راوی کو اس لحاظ سے شک ہوتا ہے کہ وہ نماز ظہر تھی یا نماز عصر، کبھی کہتا ہے وہ نماز ظہرین میں سے کوئی ایک نماز تھی یا ظہر تھی یا عصر، ایک مرتبہ یقین کے ساتھ ظہر کہتا ہے پھر یقین کے ساتھ عصر کہتا ہے پھر کہتا ہے ظن غالب یہ ہے کہ نماز عصر تھی، نسائی کی روایت سے یہ بات کچھ میں آتی ہے کہ اس ابوہریرہ کی طرف سے شک ہوا ہے ان کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول نے نماز ظہرین میں سے ایک نماز اولیٰ، ابوہریرہ کہتے ہیں: لیکن میں بھول گیا... بعض نے جمع کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا: یہ واقعہ دوبارہ دہرایا ہوا ہے اور بعض افراد نے اسی طرح جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہر روایت کو صحیح قرار دیا جاسکے کہ جس سے روایت کی طرف غلطی، سہو اور نسیان کی نسبت نہ دی جاسکے ان لوگوں نے روایات سے زیادہ روایت کو ترجیح دی ہے لہذا انہوں نے جمع کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی،

علامہ جزائری کے اس قول کی مناسبت سے کہ محدثین نے متون پر زور نہیں دیا ہے، ہم یہاں علامہ رشید رضا کا قیمتی جملہ پیش کرتے ہیں جو کہ انہوں نے سورج کے غروب کے بعد جانے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا تھا، یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے، علامہ حدیث متون کی غلطی پر بہت کم توجہ دیتے ہیں خصوصاً اس کے معنی و احکام پر ان کی پوری توجہ اسانید متون کے سیاق اور عبارات پر ہے اور اس کے مرفوع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ ممکن ہے کہ اس میں کچھ روایت کا کلام ہو جس کی رسول کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے، متون کی غلطی ان علماء پر آشکار ہوتی ہیں جو کہ اصول و فروع دین وغیرہ میں ان کی شرح کی تحقیق کرتے ہیں اگر وہ محدثین میں سے نہ ہوتے تو اس سلسلے میں اصول محدثین کی طرف رجوع کرتے، جیسے ان دس قول پر اگر سند صحیح ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقعہ میں متن بھی ضرور صحیح ہے اور سند کے صحیح نہ ہونے کا اقتضار یہ نہیں ہے کہ واقعہ اور نفس الامر میں وہ گڑھی گئی ہے،

اور ان کا یہ قول ”وضع حدیث کی علامات میں سے یہ بھی ہے“، اگرچہ اس کی

سند بھی صحیح ہو، کہ وہ نص قرآن کے خلاف ہو، ایسے ہی بعض اصول عقائد کے خلاف ہو، ان اعمال کے خلاف ہو جن پر اجماع ہے اور دونوں میں جمع کی کوئی صورت نہ ہو، اسی لئے علامہ نے ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو کہ جسکو مسلم نے نقل کیا ہے غلط قرار دیا ہے کہ زمین و آسمان سات روز میں خلق ہوئے ہیں،

شرح مسلم میں نووی کہتے ہیں: موضوع، مقلوب، شاذ، منکر اور مضطرب وغیرہ اس کی قسمیں ہیں جو کہ علم حدیث میں بیان ہوا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اس پر فضائل اعلیٰ میں عمل کیا جاسکتا ہے لیکن بزرگ ائمہ نے اس سے منع کیا ہے، چنانچہ ادب شرعی میں ابن مفلح لکھتے ہیں:۔

امام احمد سے منقول ہے کہ فضائل اہل مستحبات میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ کوئی چیز اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے، شیخ تقی الدین، ابن تیمیہ، کا کہنا ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل اعلیٰ میں عمل نہیں کیا جاسکتا کہ علامہ نے اس سے اعراض کیا ہے۔

ضعیف حدیث پر اس معنی میں عمل کرنا کہ نفس کو ثواب کی امید رہتی ہے یا عقاب سے ڈرتا ہے اور ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں اس کی مثال اسرائیلیات، کلمات سلف، اقوال علماء، اور وقائع عالم وغیرہ سے آئی ہیں جس سے حکم شرعی کے استحباب وغیرہ استحباب حکم کا اثبات نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن انہیں ترغیب و ترہیب کے لئے ان جگہوں پر بیان کرنا جائز ہے جن کی شرعی دلیلوں سے تحسین و تقیح کی جاسکتی ہے کہ ان میں نفع ہے نقصان نہیں ہے نفس الامریں وہ خواہ حق ہوں یا باطل،

بعض بڑے علماء نے امام احمد کے قول "کہ فضائل و مستحبات میں ضعیف حدیث پر

عل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ” پر حاشیہ لگایا ہے، خدا احمد پر رحم کرے وہ کہنے وسیع علم اور دقیق فہم کے مالک تھے، ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں تو ان کا یہ قول ہے اور ایسی حدیثیں نقل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے کہ جن سے امت پر غلو اور اسلام کے منافی حرام عبادات کے دروازہ کھل گئے ہیں، یہاں تک بعض نے تو اس میں شعائر مقرر کر لیے ہیں اور اکثر واجبات کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے ہیں اور یہ چیزیں اسرائیلیات و خرافات کے قبول کرنے کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں ورنہ کتاب خدا اور سنت میں امت کیلئے یقینی عبادات و فضائل کی کمی نہیں ہے، قاضی ابوبکر بن عربی مالکی کہتے ہیں: ضعیف احادیث پر بطور مطلق عمل نہیں کیا جاسکتا، یہی راہ صواب ہے۔^۱

اور جب مخالفت قطعی کسی حکم کا سبب ہوگی تو ایسا یا تو اس وقت ہوگا جب حدیث تویح ہوگی یا روایت ثقہ نہ ہونگے یا ان سے اس کے سیاق متن میں غلطی ہوئی ہوگی تو ضروری ہے کہ عقل و شعور کے اختلاف سے اس موضوع کو سمجھنے و سمجھانے میں بھی اختلاف ہوگا، چنانچہ جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ سورج کدھارض سے غائب نہیں ہوا ہے اور اس کے تمام باشندوں سے گھنٹے یا منٹ بھر کیلئے بھی غائب نہیں ہوتا ہے انھیں ابو ذر کی حدیث میں کوئی اشکال ہی نظر نہیں آتا کہ وہ غروب کے بعد کہاں ٹھہرتا ہے کیونکہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں جب سورج ان سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو مارے عالم سے چھپ جاتا ہے۔^۲

علامہ رشید کہتے ہیں: اگر روایات پر ان کے متن کے لحاظ سے بھی تنقید کی جاتی جیسا کہ سند کے اعتبار سے کی گئی تھی تو بہت سے متون اعتبار سے ساقط ہو گئے ہوتے۔^۳

۱۔ مجلہ المنار ج ۳ ص ۱۶۸،

۲۔ تفسیر المنار ۲۹ ص ۱۰۱ و ۱۰۲،

۳۔ تفسیر المنار ج ۲ ص ۱۸۱،

مرحوم نبیؐ پر سحر کئے جانے اور تحت عرش سورج کے سجدہ کرنے والی آحادیث پر وارد ہونے والے اعتراضات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

روایات کی بہت چیزیں کا حق تحقیق سے باز رکھتی ہیں ہاں وہ شخص تحقیق کر سکتا ہے جس نے اصنافِ علماء کے قول کے سلسلہ میں اپنی عقل کو مستقل آزاد چھوڑ دیا ہو ، نیز لکھتے ہیں :

بے شک متون کے پر تنقید کا علم شکلیں و فقہاء کو محدثین سے زیادہ ہے اور وہ ان چیزوں کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں جو کہ اصول اعتقاد اور معقول کے موافق اور اس کے برخلاف ہیں ،

اس بات پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مرفوع آحادیث میں سے ہر اس حدیث کے متن کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جس کی سند صحیح ہو کیونکہ ممکن ہے کہ کسی راوی نے جان بوجھ کر یا بھولے سے خطا کی ہو اور اسی طرح ہر اس حدیث کے متن کو باطل نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جس کی سند صحیح نہ ہو ، بلکہ علماء کہتے ہیں کہ کبھی واقع میں صحیح روایت کے لحاظ سے موضوع قرار پاتی ہے اور کبھی صحیح اسناد واقع میں موضوع ہوتی ہے ، ہمارا فرض اتنا ہے کہ ہم قواعد کی رعایت کرتے ہوئے ظواہر کو اختیار کریں جس کی سند صحیح تھی ہم اس کی روایت کو قبول کیا ، اور اس کے متن میں قواعد اعتقاد اور عقلی دلائل سے بحث کی اور جو صحیح اسناد نہیں ہے ہم اسے حدیث نبویؐ نہیں کہہ سکتے ہیں اگرچہ اس کے معنی صحیح ہوں ۔

سید رشید نے جو کچھ کہا ہے اس کا لب لباب یہ ہے : علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سند کا صحیح و حسن ہونا اس بات کا اقتضاء نہیں کرتا ہے کہ حدیث بھی صحیح یا حسن ہے ، حاکم کہتے ہیں : کتنی ہی حدیث ہیں کہ جن کی سند میں صرف ایک ثقہ ہے وہ بھی معلول و لوہس صحیح کو صرف اس کے راویوں کے ذریعہ نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اسے فہم و حفظ اور زیادہ سننے سے پہچانا جاسکتا ہے ،

ائمہ نقادین سے دارقطنی وغیرہ نے متن سے متعلق چیزوں پر کاغذ تنقید نہیں کی ہے اگرچہ اسناد پر سیر حاصل تنقید کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسناد سے متعلق تنقید کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے اسے مشہور ائمہ حدیث ہی سمجھتے ہیں برخلاف متن کی تنقید کے مسئلہ کو شرعی علوم میں مشغول اور اصول و فروع کے محققین، مفسرین اور فقہاء اصولیین میں سے بھی درک کرتے ہیں چنانچہ متن پر اکثر ائمہ حدیث نے تنقید کی ہے مگر اسناد پر تنقید کے سلسلے میں کچھ لکھنے والے بہت ہی کم ہیں، اسکا میل نے بخاری کی اس حدیث: "ابراہیم روز قیامت اپنے بابا آئندہ سے ملاقات کریں گے جب کہ آئندہ کے چہرے پر غبار پڑا ہوگا" کو لکھنے کے بعد جو کہ انہوں نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے لکھتے ہیں: اس حدیث کا صحیح ہونا اس لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم جانتے تھے کہ خدا وعدہ خلافتی نہیں کرتا ہے تو پھر ان کے باپ کو کیوں رسوا کریگا جبکہ جناب ابراہیم سے اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں وعدہ خلافتی نہیں کرتا ہوں اگرچہ سند کے لحاظ سے دارقطنی نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے، یہ حدیث ابراہیم بن طہمان نے ابن ابی ذئب سے انہوں نے سعید مقبری سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے اور پھر اس سلسلے میں لکھتے ہیں ابراہیم بن طہمان کی حدیث پر بخاری نے اپنی تفسیر میں حاشہ لگایا ہے،

حدیث معلل

حدیث معلل، علوم حدیث کی اقسام میں سب سے زیادہ واضح دقیق اور باریک ہے اس سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے جو کہ روشن دماغ و وقا ہو اور اسانید و متون اور روایات کے اتوال سے بخوبی واقف ہو، حدیث معلل کو محدثین حدیث معلول کہتے ہیں وہ کہ جس کی علت معلوم ہو جائے لیکن اس کے صحیح میں نقص وارد کرے جبکہ حدیث کا ظاہر نقص سے محفوظ ہو اور یہ نقص اس اسناد میں سرایت کر جاتا ہے کہ جس کے رجال موثق ہوں اور بظاہر اس کے

صحیح ہونے کے شرائط مکمل ہو بلکہ کبھی حدیث کی اسناد میں اور کبھی متن میں علت واقع ہو جاتی ہے، اور اسناد میں واقع ہونے والی علت سے کبھی اسناد و متن دونوں کی صحت میں نقص وارد کرتی ہے،

متن کی علت و نقص کے بارے میں ہم ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں صرف مسلم نے انس سے حدیث نقل کی ہے کہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھنا چاہیئے علماء نے کہا ہے کہ بلند آواز والا لفظ محفل ہے کیونکہ اکثر لوگوں نے اس کی روایت نہیں کی ہے بلکہ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بغیر الحمد للہ رب العالمین پڑھتے تھے اس سلسلے میں بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور کہتے ہیں کہ مذکورہ لفظ کی بالسخی روایت کی گئی ہے پس ان کے قول سے واضح ہو گیا کہ وہ قرأت کا آغاز الحمد سے کرتے تھے، بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس سے وہ کسی سورہ کو پڑھنا شروع کرتے تھے وہ سورہ فاتحہ ہے اور اس میں بسم اللہ کا تذکرہ نہیں ہے اس سلسلے میں چند امور ہیں، انس سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا بسم اللہ سے آغاز کرنا چاہیئے انہوں نے اس سلسلے میں رسول ﷺ سے کوئی چیز نقل نہیں ہوئی ہے،

اور کبھی اسم علت کا ان اسباب پر اطلاق ہوتا ہے جو حدیث میں نقص وارد کرتے ہیں اور انہیں صحیح سے ضعیف بنادیتے ہیں اور فقط علت کا مقتضا کبھی عل کو مانع ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر علل حدیث کی کتابوں میں کذب و غفلت اور سوء فہم سے جرح ملتی ہے، نقات کی احادیث میں علت کی کثرت ہو گئی ہے، وہ علت والی حدیث بیان کرتے رہے اور اس کے علم سے بیگانہ ہو گئے نتیجہ میں حدیث معلول ہو گئی اس سلسلے میں حفظ و فہم اور معرفت حجت ہے اور اس،

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: حدیث کی معرفت الہام ہے اگر آپ کسی عالم سے حدیث کی علت کے بارے میں پوچھیں: یہ کہاں سے بیان کی ہے تو یہ اس کے لئے حجت نہیں ہے،



مصنف و محرف

اس سے قبل ہم نے علامہ بطیموس سے یہ نقل کیا تھا کہ امت میں جن چیزوں سے اختلاف پیدا ہوا ہے ان میں سے تصحیف بھی ہے، لیکن وہاں ہم نے تصحیف کے بارے میں بحث نہیں کی تھی اب ملاحظہ فرمائیں،

مصنف: وہ حدیث ہے کہ جس میں نقطہ کے بدل جانے سے عبارت و خط تو اپنی ہی حالت پر باقی رہے لیکن مفہوم بدل جائے جیسے یہ حدیث ”من صام رمضان و اتبوستنا من شوال“ نقطہ بدل جانے کی وجہ سے سنا شینا ہو گیا، متن کی اسناد میں بھی تصحیف ہوئی ہے اسناد میں تصحیف کی مثال یہ ہے کہ بعض محدثین نے ابن مراحم کو ابن مزاحم کر دیا ہے، ابن الصلاح کہتے ہیں:

تصحیف شدہ احادیث کی اسناد اور متون کی معرفت بہت بڑا فن ہے، اس بار کو بڑے ماہر حفاظ ہی اٹھا سکتے ہیں اور وار قطفی انھیں میں سے ایک ہیں اس موضوع پر ان کی ایک گرائڈر تصنیف موجود ہے، ہم نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: خطا و تصحیف سے کون بری نہیں ہے،

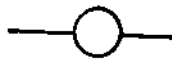
متن میں تصحیف کی مثال وہ حدیث ہے جو ابن ابیو نے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے نقل کی ہے زید بن ثابت کہتے ہیں: ان رسول اللہ ﷺ اجتمع فی المسجد، میم کی جگہ ”ر“ اتھر تھا اس میں ابن ابیو نے تصحیف کی ہے۔

حدیث محرف کی قسمیں

مُحَرَّف وہ حدیث ہے کہ جس کے کلمات میں تغیر نہ ہوا ہو بلکہ شکل بدل گئی ہو اس کی مثال ۵۵
چمیر ہے جو بعض اعراب کے سامنے آئی ہے، انہوں نے حدیث کی کتابوں میں سے بعض میں دیکھا کہ جب
رسولؐ نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے ”عنقرہ الحرب عصاء رکھ لیتے تھے چنانچہ انہوں نے نون کو
ساکن سمجھ لیا اور پھر اس حدیث کو جس طرح چاہا معاً نقل کیا نتیجہ میں اس طرح نقل کیا ہے: کان
ابنی اذ اصلی نصب بین یدیه شاة! یعنی رسولؐ نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے بکری کھڑی کر لیتے تھے

مقلوب

وہ حدیث ہے جس میں تقدیم و تاخیر سے وجہ سے مفہوم بدل جائے جیسا کہ مسلم نے ابوہریرہؓ
سے روایت کی ہے کہ سات آدمیوں کو قیامت کے دن خدا اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا، حدیث
تھی: ورجل تصدق بصدقہ اختفا حتی لا تعلم یمینہ ما تنفق شمالہ یہ ایک راوی کی وجہ سے مقلوب
ہو گئی ہے جہاں یہ تھی: حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ جیسا کہ بخاری و مسلم میں وارد ہوا ہے،
محدثین کی تصنیفات میں اس کی بہت سی مثال موجود ہیں،



حدیث کی مشہور کتابیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح، حسن، اہل ضعیف حدیث، آحاد، کی قیسیں ہیں اور صحیح کے بارے میں علماء کے اقوال بھی پیش کئے تھے لیکن چونکہ اس سلسلے میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے اسلئے تمام اقوال کو یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اور جب وہ یہ کہا ہے کہ جن مشہور کتابوں میں حدیث کی یہ قیسیں موجود ہیں وہ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، اور نسائی ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان میں سے ہر کتاب کے بارے میں کچھ بحث کریں اور افادیت کی خاطر مناسب ہے کہ ہم امام مالک کی موطا سے بحث کریں کیونکہ قرن ثانی میں لکھی جانے والی کتابوں میں سے یہی باقی رہ گئی ہے پھر اس کے مؤلف بھی صاحب منزلت اور مشہور مذاہب میں سے ان کا ایک مذہب ہے اور چونکہ بہت سے مسلمان امام احمد کی تعلید کرتے ہیں، ان کا ایک مذہب ہے اور ان کے مسند کی شہرت ہے لہذا اس مسند سے بحث کریں گے،

موطا سے ہم بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ تاہیف اور زمانہ کے لحاظ سے وہ باب

پر مقدم ہے۔

مالک اور ان کی موطا

امام مالک بن انس جلیل القدر معلم ہیں انہوں نے خیبر تابعین کو درک کیا ہے ان کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے کہ ۱۳ھ میں ہوئی یا ۳۰ھ میں لیکن اشغالِ شغلہ میں ہوا ہے، عبدالرحمن بن مہدی لکھتے ہیں: چار اشخاص اپنے زمانہ کے لوگوں کے امام تھے، سفیان ثوری کو فوفی، مالک حجاز میں، اوزاعی شام میں اور حماد بن زید بصرہ میں،

مالک کا قول ہے: یہ علم دین ہے، دیکھو کس سے اپنا دین لے رہے ہو میں نے ستر اشخاص ایسے دیکھے ہیں جو کہتے ہیں: رسولؐ نے مسجد کے، ان ستونوں کے پاس فرمایا ہے، لیکن میں نے ان سے کوئی چیز نہیں لی ہے اگر ان میں سے کسی کو بیت المال کا خازن بنا دیا جائے تو وہ یقیناً امین ثابت ہوگا،

ناضی کہتے ہیں: کتاب خدا کے بعد صحیح ترین کتاب مالک کی موطا ہے، دہلوی ہی کتاب جہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: استقرار کے ذریعہ کتب حدیث کا پہلا طبقہ تین کتابوں، موطا، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں منحصر ہے، اور دوسرے طبقہ میں وہ کتب ہیں جو موطا و بخاری اور مسلم کے پاسے کی نہیں ہیں، لیکن ان کے بعد ہیں، جیسے سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی، تیسرے طبقہ میں مسانید اور تصنیفات ہیں جو بخاری و مسلم سے قبل ان ہی کے زمانہ میں یا ان کے بعد لکھی گئی ہیں ان میں صحیح حسن، ضعیف، معروف، غریب، منکر، خطا، صواب، اور ثابت و منقولہ جمع کی گئی ہیں، دوسرے طبقہ پر علامہ نے اعتکاف کیا ہے،

تنویر الخواک میں سیوطی نے قاضی ابوبکر بن عربی سے نقل کیا ہے: موطا اصل اول ہے اور بخاری دوسری اصل ہے، مالک نے ایک لاکھ حدیث جمع کی تھیں ان میں سے دس ہزار موطا میں تحریر کی ہیں، پھر کتاب خدا اور سنتِ عملیہ سے ان کی تطبیق کرتے رہے یہاں تک کہ ان میں

سے ۵۰۰ اور رد کردیں، اور ابن ہباب کی روایت ہے: پھر مالک کتاب خدا و سنت سے مطابقت کرتے رہے اور انہیں اخبار و آثار سے ملاتے رہے یہاں تک ان میں سے پانچ کو اور رد کردیں،

ابن فرحون نے مذہب فی معرفۃ اعیان المذہب کے دریاچ میں لکھا ہے، عتیق زبیری کہتے ہیں: مالک نے موطاء میں تقریباً دس ہزار حدیثیں جمع کی تھیں پھر ہر سال اس پر نظر ڈالتے اور کچھ احادیث کو قلم زد کر دیتے تھے یہاں تک کہ یہ باقی بچی اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو پوری کتاب کو قلم زد کر دیتے۔

شرح زرقلانی علی الموطاء میں ہے: مالک سال بھر سال اس کی تلخیص کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کیلئے اصلاح اور دین میں نمونہ ہے۔

ابن ہباب لکھتے ہیں: مالک نے ایک لاکھ احادیث کی روایت کی ان میں سے دس ہزار موطاء میں جمع کیں پھر اس کی کتاب خدا و سنت سے تطبیق اور آثار و اخبار سے اسکی مطابقت کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے ۵۰۰ رد کردیں۔

الکلیا اللہ اس کہتے ہیں: موطاء مالک میں نو ہزار حدیث تھیں پھر ان کی تراش فراش کرتے رہے یہاں تک کہ پانچ سو ان میں رد کردیں۔

ابن ابی بکر کہتے ہیں: مالک کی موطاء میں رسول اللہ اور صحابہ تابعین کے آثار ۱۷۲۰

ہیں ان میں سے ۶۰۰ حدیث سند ہیں، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف، اور تابعین کے اقوال ۲۸۵ ہیں، سیوطی نے اپنی تقریب میں ابن حزم سے نقل کیا ہے، میں نے موطاء کی حدیثوں اور جو کچھ سیفیان بن عیینہ کی حدیث میں سب کو شمار کیا تو دونوں میں مجھے ۵۰۰ کچھ سنن ۳۰۰ مرسل

اور ان میں سے ستر سے زائد احادیث پر خود مالک نے عمل نہیں کیا ہے، بعض علماء نے کہا ہے: سب سے پہلے مالک نے صحیح تالیف کی لیکن وہ اپنی کتاب میں اس کے پابند نہ رہ سکے بلکہ اس میں مرسل، منقطع، بلاغت ایسی احادیث بھی داخل کر دیں، جیسا کہ حاکم ابن عبد البر نے بیان کیا ہے، پس موطا محض صحیح نہیں ہے،

ان کی روایات کا اختلاف

مالک سے مختلف روایات کی گئی تھیں جو کہ ترتیب ابواب کے لحاظ سے مختلف ہیں اور احادیث کے اعداد میں بھی مختلف ہیں یہاں تک کہ روایات بیس نسخوں میں مرقوم ہیں بعض نے کہا ہے کہ بیس نسخوں میں ہیں، عبد العزیز دہلوی اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں لکھتے ہیں "بلاد عرب میں آج کل موطا کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں، سولہ نسخ شمار کئے ہیں اور ہر نسخے کا خاص راوی ہے، ابوالقاسم بن محمد بن حسین شافعی کہتے ہیں:

مالک کی گیارہ موطات مشہور ہیں، وہ مثنیٰ میں ایک دوسرے سے قریب ہیں ان میں سے چار مستعمل ہیں، موطا یحییٰ بن یحییٰ، موطا ابن بکر، موطا ابی مصعب اور موطا ابن وہب پھر آخری دو کو ضعیف قرار دیا ہے، اور تقدیم و تاخیر کمی زیادتی اکبر و اکثر کے اعتبار سے روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے، ابی مصعب کی روایات ہیں: ابن حزم کہتے ہیں: تمام موطات میں ابی مصعب کی تقریباً سو روایات زیادہ ہیں، سیوطی لکھتے ہیں: محمد بن الحسن کی روایات میں تمام موطات کی بنسبت اضافہ

ڈاکٹر احمد امین نے اس اختلاف کے سبب کی تحلیل بیان کی ہے کہ یہ ہیں:

مالک نے اپنے تالیف کردہ نسخہ پر توقف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس میں رد و بدل کرتے رہے جیسا کہ ہم سے بتایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ احادیث کی چھان بین کرتے اور ان میں سے جس کی محبت ثابت نہ ہوتی اسے حذف کر دیتے تھے پس جن لوگوں نے موطاء سنی تو انہوں نے مختلف زمانوں میں سنی اسی لئے موطاء کے نسخوں میں اختلاف ہے اور نسخے ہمارے پاس باقی رہ گئے ہیں یحییٰ بن الیشی کی روایت کی زرقانی شرح کی ہے، محمد بن حسن شیبانی ابو حنیفہ کے دوست کی روایت میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو کہ یحییٰ کی روایت میں نہیں ہیں، مالک سے روایت کردہ چیزوں میں انہوں نے اپنی رائے بھی شامل کر دی ہے، اکثر کہتے ہیں، قال محمد

موطاء کی تالیف کا سبب و زمانہ

موطاء منصور کے آخری زمانہ ۷۵۸ھ میں تالیف کی گئی اور شافعی کے بقول اس کا سبب یہ تھا کہ ابو جعفر منصور جب مدینہ آیا تو اس نے مالک کے پاس ایک آدمی کو بھیجا اور ان سے کہا: عراق میں لوگوں میں اختلاف ہے لہذا لوگوں کیلئے ایک کتاب لکھئے ہم اس پر سب کو جمع کریں گے چنانچہ انہوں نے موطاء تالیف کی، اور شافعی کے غیر کی روایت میں ہے کہ منصور نے ان تمام باتوں کے علاوہ مالک سے کہا: اس میں ابن عباس کے ثنؤا سے، ابن عمر کی شدت سے اور ابن عمر کی نرمی سے پرہیز کیجئے، تو اس سے مالک نے کہا: ۱۰۔ امیر المؤمنین میرے صحیح نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو اس آدمی کی رائے پر جمع کریں کہ جس سے غلط و صحیح افعال صادر ہوتے ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، منصور حدیث اور اس کی تحقیق کو اہمیت دیتا تھا ابن عبد البر نے روایت کی ہے کہ

مدینہ میں سب سے پہلے جس نے موطا کے معنی پر ایک کتاب لکھا ”اگرچہ اس پر اہل مدینہ کا اتفاق نہیں تھا“ وہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن سلمہ ماجشون متوفی ۱۶۲ھ تھے، موطا لکھنے سے قبل مالک نے اس میں غور کیا تھا،

مالک پر ابن معین کی تنقید

ابن معین کہتے ہیں: مالک محدث نہیں تھے، صاحب دائے تھے، لیث بن سعد کہتے ہیں: میں نے مالک کی موطا سے ستر مسائل اخذ کئے اور وہ سب سنت رسول کے خلاف تھے،

مالک نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے، دارقطنی نے ایک باب اس عنوان کے تحت تالیف کیا ہے کہ جس میں موطا وغیرہ کی احادیث کے بارے میں مالک کی مخالفت کی گئی ہے اس باب میں بیٹل سے زائد حدیثیں ہیں اور یہ دمشق کے محفوظات النظار میں موجود ہیں۔

بخاری اور ان کی کتاب

بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری فارسی ہیں، بخاری ۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور حدیث کی تلاش میں سفر کیا اور شہروں میں گشت کیا، اور حرم شریف میں اپنی کتاب کے ابواب نویسی کی ابتداء کی اور اس کی تصنیف کے سولہ سال بصرہ وغیرہ میں صرف کئے یہاں تک بخاری کامل ہو گئی، سمرقند کے قریب خرتک میں ۲۵۶ھ میں انتقال کیا،

ابن جریر نے فتح الباری کے ”ص ۱“ مقدمہ میں روایت کی ہے کہ ابو علی غسانی نے ان ”بخاری“ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں سچے لاکھ احادیث میں سے صحیح کو نکالا

بخاری سے اسامی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی جمع کی ہیں اور زیادہ صحیح چھوٹی گئی ہیں، نیز کہا: مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں، قارئین کو بخاری کے زمانہ میں حدیثوں کی یہ تعداد دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ امام احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: سات لاکھ حدیثیں صحیح ہیں اور وہ ساری اس جوان ”یعنی زراہ“ کو یاد ہیں،

حافظ ابو بکر محمد بن عمر رازی کہتے ہیں: ابو زراہ کو سات لاکھ حدیثیں حفظ تھیں، اکتالیس ہزار صرف تفسیر میں یاد تھیں۔

بخاری کی جمع آوری کا سبب

حافظ بن حجر اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: جس چیز نے بخاری کو صحیح حدیث جمع کرنے کی ہمت دلائی اور اس سلسلے میں ان کے عزم و ارادہ کی تقویت کی وہ ان کے استاد فقہ و حدیث میں امیر المؤمنین اسحاق بن ابراہیم خنظلی المعروف بن راہویہ کا قول تھا، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں: ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے، انہوں نے کہا: اگر رسولؐ کی صحیح سنت کو تم ایک مختصر کتاب میں جمع کرتے؟ ان کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں صحیح احادیث کی جمع آوری کا کام شروع کر دیا اور صحیح کو چھ لاکھ حدیثوں سے نکالا۔

۱۔ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۲۰۱،

۲۔ توجیہ النظر ص ۸،

۳۔ مقدمہ فتح الباری ص ۸،

بخاری مختار روایت کرتے تھے،

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کی ہے انہوں نے ایک روز بخاری کے بارے میں گفتگو کی اور بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنی اور انھیں شام میں لکھا اور بہت سی حدیثیں شام میں سنی اور انھیں مصر میں لکھا ان سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ کیا مکمل لکھیں؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے!

بخارہ کے والی حیدر ابن جعفر کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنی اور انھیں شام میں لکھا اور بہت سی شام میں سنی اور انھیں مصر میں لکھا تو میں نے ان سے کہا: مکمل اے ابو عبد اللہ؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے!

محمد بن ازہر سجستانی لکھتے ہیں: میں سلیمان بن حرب کی مجلس میں رہتا تھا ہمارے ساتھ بخاری بھی ہوتے تھے وہ صرف سنتے تھے لکھتے نہیں تھے، بعض نے کہا: انہیں کیا ہو گیا ہے کہ لکھتے نہیں ہیں؟ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے بخاری اپنے حافظ سے لکھ ڈالی۔
ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: بخاری کے نوادریں سے یہ بھی ہے کہ وہ مکمل حدیث کو ایک ہی سند سے دو نقطوں میں روایت کرتے ہیں!

۱۔ ج ۲ ص ۱۱،

۲۔ سنن ہدی الساری ج ۲ ص ۲۰۱،

۳۔ ایضاً ص ۱۹۸،

۴۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۶،

بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے محمدؐ کے

ظاہر ہوتا ہے کہ بخاری اپنی کتاب کو فیسر کرنے سے پہلے مرگئے چنانچہ ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ابواسحاق ابراہیم بن احمد المستملی نے کہا: میں نے کتاب بخاری کی اصل سے، جو کہ محمد بن یوسف خمری کے پاس تھی، نسخہ برداری کی تو مجھے اس میں بہت سی ناقص چیزیں نظر آئیں کچھ مکمل و صحیح، کچھ تراجم تھے جو بعد میں ناپید ہو گئے، کچھ احادیث تھیں جو واضح نہیں تھیں لہذا ہم نے بعض کا بعض میں اضافہ کر دیا ہے،

ابوالولید باجی کہتے ہیں: جو چیزیں قول کی صحت پر دلالت کرتی تھیں وہ ابواسحاق المستملی کی روایت اور ابوالمجد سرخسی کی روایت، ابوہشیم الکشمیہ کی روایت اور ابو زید مروزی کی روایت ہے، تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مختلف ہیں اگرچہ سب نے ایک اصل سے نسخہ برداری کی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس کو جو چیز جہاں سے ملی اسے لے لی کسی بھی جگہ رکھ دی پھر اسی میں اضافہ کر دیا اس سے یہ چیز واضح کرتی ہے کہ آپ کو دو اشخاص کے حالات متصل ملیں گے جبکہ ان دونوں کے درمیان کوئی حدیث نہیں ہے۔

ابن حجر فتح الباری کے جز ہفتم میں لکھتے ہیں: مجھے بخاری کے کسی نسخے میں عبد الرحمن بن عوف، سعید بن زید کے حالات زندگی نہیں ملے ہیں، جبکہ یہ دونوں عشرہ ہشروں سے ہیں مگر چہ سیرت نبویہ کے اوائل میں سعید بن زید کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے، میرے خیال میں یہ کتاب بخاری کے نقل کرنے والوں کے تصرفات کا نتیجہ ہے جب کہ مکرر بیان ہو چکا ہے کہ بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے ہی مر گئے تھے، کیونکہ جس نے ان اسناد کو بیان کیا ہے اس نے ان کی انصافیت سابقیت اور سن وغیرہ کو ملحوظ نہیں رکھا ترتیب میں یہی چیز تقدیم کا باعث ہوئی ہے اور جب ان میں سے کسی کی بھی رعایت نہ کی گئی تو اس سے یہ بات سمجھیں گئی کہ بخاری نے ہر ایک کے علیحدہ

حالات لکھے تھے لہذا نقل کرنے والوں نے ایک کو دوسرے سے ختم کر دیا ،
بخاری ۱۰۰۰۰ خود ۱۰۰۰۰ پہلے شخص یہ ہیں جس نے غیر صحیح سے صحیح کو جہاں کیا ہے ، اور اپنی
کتاب میں اسی حدیث کو رقم کیا ہے جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئی ہے ، یہ اس وقت کی بات ہے جب
تدوین حدیث ان سے پہلے ہو چکا تھی ، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور جن کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح میں
تیز کئے بغیر روایت کی گئی ہے ، جیسے مسند احمد وغیرہ ۱۰۰۰۰ یا جن کتابوں میں رسول مکی احادیث کے
ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتاویٰ شامل ہیں ۱۰۰۰۰ جیسے مطاہرین مالک ۱۰۰۰۰ اسلئے بخاری کے
بارے میں کہتے ہیں کہ صحیح کے بارے میں وہ پہلی کتاب ہے ،

اس کے باوجود حفاظ نے ان کی ایک سو دس حدیثوں پر تنقید کی ہے ان احادیث میں
سے تیس ایسی ہیں جن کو مسلم نے بھی نقل کیا ہے اور انھیں ۱۰۰۰۰ ایسی ہیں جن کو صرف بخاری نے نقل کیا ہے
جن لوگوں سے تنہا بخاری نے روایت کی ہے ، مسلم نے نہیں ان کی تعداد ۴۳۰ سے کچھ زیادہ
ہے ان میں سے تیس کو ضعیف کہا گیا ہے اور جن لوگوں سے صرف مسلم نے روایت کی ہے بخاری نے نہیں ان
کی تعداد ۲۲۰ ہے ان میں سے ایک سو ساڑھے کو ضعیف کہا گیا ہے اور ان دونوں کی ۲۱۰ احادیث پر
تنقید ہوئی ہے جن میں سے اٹنی سے کچھ کم بخاری کی اور باقی مسلم کی ہیں ۱۰۰۰
جن احادیث پر دارقطنی نے تنقید کی ہے ان کے بارے میں اب جبر کہتے ہیں ،

بخاری میں اُسکالات

سید محمد رشید رضا تنقید شدہ احادیث کو پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں :

۱۔ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۸۱ ،

۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۱۱۱ ۔

اس سلسلے میں جب قاری حافظہ کے نظریہ کا مطالعہ کرے گا تو ساری احادیث فن و مصلح حدیث کے لحاظ سے قابل تنقید نظر آئیں گی، لیکن جب قاری خود شرح فتح الباری کا مطالعہ کرے گا تو اس کے معنی میں بھی بہت سے اسکالات نظر آئیں گے یا وہ ایک دوسرے کے معارض ہوں گے،

اگرچہ مختلف چیزوں کو جمع کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے بعض سے قاری خوش ہوں گے
 ڈاکٹر احمد امین ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد حین کے سلسلے میں بخاری پر تنقید کی گئی ہے،
 لکھتے ہیں :

بخاری نے ایسے لوگوں سے بھی روایت کی ہے کہ ہونہ نہیں تھے، چنانچہ حفاظ نے بخاری کے تقریباً انہی رجال کو ضعیف قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑی مشکل ہے، رجال کے اسرار کی معرفت ایک محل کام ہے جس سے واضح طور پر غرض ہوئی ہو اس کے بارے میں تو حکم لگانا آسان ہے لیکن جس کے حالات محض ہوں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ پھر رجال کے سلسلے میں علامہ کے دریا شدید اختلاف ہے بعض ایک شخص کو مؤثق قرار دیتے ہیں دوسرے اسے چھوٹا ثابت کرتے ہیں، اس کے بہت سے اسباب ہیں، پھر محدثین میں جرح و تعدیل کے قواعد کے بارے میں اختلاف ہے ان میں سے بعض خارجی و معتزلی ایسے بدعت گزاروں کی حدیث کو رد کرتے ہیں اور بعض ان کی اس حدیث کو قبول کرتے ہیں کہ جس کا تعلق ان کی بدعت سے نہ ہو، بعض کہتے ہیں اگر حدیث کے ضمن میں ان کی کوئی غرض ہے تو ان کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی ان کے لئے محرک نہ ہو تو اسے قبول کیا جائے گا، کچھ محدثین اس سلسلے میں شدت پسند ہیں وہ دنیا کی طرف راغب لوگوں سے روایت نہیں کرتے یہی خواہ کہتے ہی سچے اور یاد رکھنے والے ہوں جبکہ بعض محدثین ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے یہی شرط یہ ہے کہ وہ عادل و صادق ہوں،

بعض نے تو محدث کا مذاق تک اڑایا ہے جیسے کسی نے روایت کی ہے کہ بعض لوگ راستے

میں ہیمانی رکھ دیتے اور نو دھپ جاتے تھے چنانچہ جب کوئی راہ روا سے اٹھانے کے لئے جھکتا تو یہ چلتا وہ شرمندہ ہوتا اور یہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، چنانچہ بعض محدثین نے ایسے فتوے دئے کہ جن کے درجہ نعل وجہ ہر سے مملو شیشہ گر کو لک میں پسہ بھر سکیں اور جب شیشہ گر چنانچہ شیشہ کی گولک چھوڑی اور اس کے خٹکے کے سبب زبردستی خریدنا پڑی اسی لئے بعض محدثین نے جرح کی اور بعض نے اسے عادل قرار دیا اور اس میں کوئی حرج نہ سمجھا، اور بھی اسباب ہیں جن کے بیان سے طلل ہو جائے گا،

اسی لئے لوگوں پر حکم لگانے کے سلسلے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے اور نتیجہ میں راوی کی روایت قبول کرنے اور اس سے روایت لینے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، شاید اس کی واضح مثال ابن عباس کا غلام عکرمہ ہے اس نے حدیث و تفسیر سے دنیا کو بھر دیا ہے بعض نے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت دی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہی نظریہ تھا جو خوارج کا تھا وہ امراء کے انعامات قبول کرتا تھا، محدثین نے اس کے جھوٹ کے بارے میں بہت سی تہنیریں نقل کی ہیں جیسے لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب نے اپنے غلام بردہ سے کہا تم میرے اوپر ایسے جھوٹ نہ باندھنا جیسے عکرمہ نے ابن عباس پر جھوٹ باندھا ہے، بہت سی احادیث کے بارے میں سعید بن مسیب نے اس کی تکذیب کی ہے قاسم کہتے ہیں: عکرمہ کذاب ہے صحیح کو ایک حدیث بیان کرتا ہے اور شام کو اس کی مخالفت کرتا ہے، ابن سعد کہتا ہے: عکرمہ ایک دریا تھا اس کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے جب کہ اس کی حدیث سے جنت قائم نہیں کی ہے اسی کے ساتھ بعض لوگ عکرمہ کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور اسے عادل تسلیم کرتے ہیں ہر طریقہ اسے بڑا ثقہ سمجھتے ہیں چنانچہ موصوف نے اپنی تاریخ و تفسیر کو اس کے اقوال سے بھر دیا ہے اسی طرح احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اسی وجہ سے محدثین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے بخاری اسے صادق سمجھتے ہیں چنانچہ اپنی صحیح میں اس سے بہت سی روایات نقل کی ہیں، مسلم اسے جھوٹا سمجھتے ہیں لہذا اس سے حج کے بارے میں صرف ایک حدیث نقل کی ہے اور اس سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تقویت کیلئے سعید بن جبیر کی حدیث نقل کی ہے لہذا اس شخص پر حکم لگانا بہت مشکل ہے کہ جس کے حالات پوشیدہ ہوں حدیث

کی کوئی بھی جامع کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کے رجال پر حکم لگانے کے سلسلے میں محدثین کے درمیان اختلاف نہ ہو،

بخاری احادیث اور منکر ...

سید رشید رضا، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جو کہ ان سے ہوا تھا فرماتے ہیں:

اس میں کئی شک نہیں ہے کہ بخاری جامع صحیح کئی طور پر فن حدیث میں صحیح ترین کتاب ہے اور دیگر کتب حدیث کی بہ نسبت اسے صحیح کہنا مناسب ہے اور ایسے ہی صحیح مسلم بھی لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ احادیث کی بعض کتابوں میں ان دونوں سے زیادہ صحیح احادیث پائی جاتی ہے جبکہ انہوں نے بخاری وغیرہ کے روکتے ہوئے راوی سے روایت نہیں کی ہے، لاکھوں روایت شدہ احادیث سے اس بات کی تائید ہوئی ہے، انہوں نے جس چیز کی بھی نفی کی ہے وہ صحیح اور ثابت کو واضح کرنے کی غرض سے کی ہے یہ دعویٰ کہ بخاری کی احادیث میں موضوع احادیث ہیں، مغایرت ہوئی ہیں کہ جسکو علم روایت میں موضوع کہتے ہیں، تو یہ صحیح نہیں ہے اسے کوئی ثابت نہیں کر سکتا ہے ہاں چند ایسی حدیثیں بخاری میں موجود ہیں جن کے متون قابل گرفت ہیں، ان پر وہ علامتیں صادق آتی ہیں جو وضع کی ہیں جیسے بعض نے رسولؐ پر سحر ہونے والی حدیث بیان کی ہے بعض علماء جیسے متقدمین سے امام جصاص اور متاخرین میں سے امام محمد عبدہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث خدا کے اس قول "وقال الظالمون ان تبئعون الارض لاسموا" کے معارض ہے،

پھر بخاری میں ایسی احادیث ہیں جو عادات و غرائز سے تعلق رکھتی ہیں اصول و فروع دین سے ان کا ربط نہیں ہے جبکہ قاری ان چیزوں میں اچھی طرح غور کریگا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ نہ ان کا تعلق اصول ایمان سے ہے اور نہ ارکان اسلام سے کہ جس سے مسلمان کا بخاری کی تمام احادیث پر ایمان لانا ضروری ہے خصوصاً جب حدیث جعلی ہو بلکہ کسی نے اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں

یہ شرط نہیں لگائی ہے اور نہ کہا ہے کہ اسلام کی تفصیلی معرفت وہی رکھتا ہے جو کہ صحیح بخاری سے مطلع ہے اور اس کی تمام چیزوں کا اقرار کرتا ہے، آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ظم کے بعد کوئی مسلمان بھی ان احادیث میں سے کسی حدیث کا انکار نہیں کر سکتا ہے ہاں جب اسے ایسی دلیل مل جائے گی کہ جس سے حدیث کے متن و سند میں سقم ثابت ہو گا تو وہ اس کا انکار کرے گا پس جن علل نے بخاری کی بعض احادیث کی صحت کا انکار کیا ہے تو انہوں نے خواہ مخواہ نہیں کیا ہے بلکہ دلوں سے کیا ہے ان میں سے بعض صحیح اور چند غیر صحیح ہیں لیکن اس چیز کے بارے میں کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اسلام پر حملہ ہے۔

پھر خدائے کسی مسلمان کو یہ زحمت نہیں دی ہے کہ وہ صحیح بخاری پڑھے اور اس کی ہر حدیث پر ایمان لائے خواہ وہ اس کی نظر میں صحیح ہو یا نہ ہو یا وہ اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اسلام کے منافی ہے،

بسمان اللہ!! کرڈروں خفی مسلمان کہتے ہیں کہ رکوع میں جائے اور اس سے سرائحاً وقت شرعی لحاظ سے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے لیکن بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں دسیوں صحابہ سے سنی اسانید کے ذریعہ اس کی روایت کی ہے لہذا نہ ان کے لئے اس میں کوئی حرج ہے نہ گناہ کیونکہ یہ ان کے اسلام کے نزدیک صحیح نہیں ہے پھر وہ اس سلسلے میں بخاری کی اسانید سے بھی واقف نہیں تھے اور ان کا ہم مذہب جو بھی بخاری کا عالم بن جاتا ہے وہ اس کے صحیح ہونے کا معتقد ہو جاتا ہے اور پھر علم و عمل اور اسلام سے دفاع و تبلیغ میں ممتاز اس مسلمان کو کا قراقرذ دیتا ہے کہ جو کسی دلیل یا شبہ کی بنا پر بخاری کی اس روایت کو صحیح نہیں مانتا ہے جو کہ مجہول اور اسلام میں غیر معروف ہے یہ شخص عبد بن حنین ہے اور پھر اس کا متن اسلام کے عقائد، اس کی عبادات اور شریعت سے نہیں ہے نہ مسلمانوں نے اس پر عمل کرنے کو ضروری سمجھا ہے بلکہ تقلید کرنے والے مذاہب نے بھی اس پر عمل کیا ہے

بلکہ ان مذاہب کے پیروکاروں نے تو احادیث پر بھی عمل نہیں کیا ہے جو بخاری اور مسلم کے نزدیک صحیح ہیں، جنہیں صحابہ کبار نے نقل کیا ہے، محقق ابن قیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین، اس سلسلہ میں سو سے زائد مثالیں پیش کی ہیں اور جس شخص کو اس میں کافر کہا گیا ہے وہ ڈاکٹر محمد توفیق صدیقی ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کتاب خدا کے بعد صحیح ترین کتاب ہے لیکن بخاری اور اس کے رولت محصوم نہیں ہیں اور نہ اس کی روایت میں ہر شک کرنے والا کافر ہے متاخرین کے عقلا کیلئے تکفیر کرنا گستاخانہ کلام ہے، حسب اللہ ونعم الوکیل۔

ابن جوزی کی کتاب "الانتصار" میں ہے صحیحین کی جن احادیث پر شافعی نے عمل نہیں کیا ہے ان کی

بخاری اور اہل شام

ذہبی نے ابو عمرو حمدان سے نقل کیا ہے: میں نے ابن عقدہ سے پوچھا کون بڑا حافظ تھا، بخاری یا مسلم؟ کہنے لگے محمد عظم تھے اور مسلم عظیم ہیں، میں نے بار بار یہی سوال کیا تو کہا اہل شام کے بارے میں محمد بخاری سے ایک غلطی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بخاری نے ان کی کتابیں پس ان کا مطالعہ کیا اور اکثر جگہوں پر ایک کسی شخص کی کینیت لکھی اور کہیں اس کا نام رقم کیا انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ دو آدمی ہیں لیکن مسلم سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے مساند لکھی ہیں لیکن معاطیع ورائیل کو نہیں لکھا ہے،

بخاری اور مسئلہ خلق قرآن

ابو عبد اللہ رحمہ اللہ حکم اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: ۲۵ھ میں بخاری نیشاپور آئے تو لوگ ان سے حدیث سننے کیلئے ان کے پاس گئے ایک روز ایک شخص نے لفظ قرآن کے بارے میں سوال کیا تو کہا: ہمارے افعال مخلوق میں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے اختلاف پیدا ہو گیا تھوڑے دنوں میں لوگوں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کو ان کے خلاف درغلا یا انہوں نے کہا: جس نے یہ بات کہی ہے وہ بدعتی ہے اور اس سے قطع تعلق کر لینا ضروری ہے چنانچہ اس کے بعد جو بھی بخاری کے پاس جاتا تھا اس پر تہمت لگائی جاتی تھی اس وجہ سے بخاری کے پاس وہی جاتا تھا جو ان کے مذہب کا پیروکار ہوتا تھا، اس طرح لوگ بخاری سے الگ ہو گئے ہاں مسلم بن حجاج اور احمد بن سلمہ سے ان کا ربط برقرار رہا ذہلی نے کہا: آگاہ ہو جاؤ تو لفظ کا قائل ہے اس کے لئے ہماری مجلس میں آنا جائز نہیں ہے، مسلم نے اپنی رد کو عمامہ پر کھینچا اور کھڑے ہو کر اپنے شاگردوں کو جمع کیا اس سے بخاری کو خطرہ لاحق ہوا لہذا وہ نیشاپور سے کوچ کر گئے۔

بخاری کی روایات کے تعداد میں اختلاف

فریری نے بخاری کی احادیث کی تعداد ابراہیم بن منقل نسفی سے دو سو زائد بیان کی ہے اور عراقی کہتے ہیں کہ نسفی نے حاد بن شکر نسفی سے سو احادیث زائد بتائی ہیں۔

۱۔ حدیثیں ۲۴۳۳ و ۲۰۴۲

۲۔ شروط اللہ المفسر ص ۵۸

حافظ ابن جھنے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری کا جو متن بلا تکرار ہے اس
لحاظ سے بخاری کی احادیث ۲۶۰۲ ہیں اور معلقہ متن میں ۱۵۹ ہیں کل تعداد ۲۷۶۱ ہے اور
شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ان کی تعداد ۲۵۱۳ ہے ۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

مسلم اور ان کی کتاب

ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری مسلک میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ میں وفات پائی ترتیب و جمع آوری میں انہوں نے بخاری کی پیروی کی اور استنباط کی طرف مائل نہ ہوئے ان کی کتاب آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کیونکہ انہوں نے ہر حدیث کا ایک موضوع مقرر کیا ہے وہیں اس کے طرق متعدد اسناد اور اس کے مختلف الفاظ بیان کر دیئے ہیں، وہ بخاری کے برخلاف مختار وایت نہیں کرتے ہیں اور نہ حدیث میں وہ صحابہ و تابعین کے اقوال شامل کرتے ہیں، ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے: مسلم نے اپنے ہی شہر میں اپنے بزرگوں کے سامنے اور بہت سے مشائخ کی حیات میں صحیح تصنیف کی، الفاظ کو محفوظ رکھا استنباط میں بخاری جیسا شیوہ اختیار نہیں کیا کہ ابواب میں حدیث کے ٹکڑے ٹکڑے بٹ جانا اس کا لازمہ ہے بلکہ مسلم نے تمام طرق کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے صرف احادیث پر اکتفا کی ہے موقوفات کی طرف التفات نہیں کیا ہے ہاں کہیں کہیں ان کا ذکر آگیا ہے وہ بھی دوسرے کے اتباع میں نہ کہ مقصد کے تحت، ان ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے تین لاکھ مسموع حدیثوں پر مشتمل مسند تصنیف کی تھی لیکن ان کی کتاب کی حدیثوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

شرح مسلم میں نووی فرماتے ہیں: مسلم کا یہ قول میں نے یہاں اپنی کتاب میں ہی

لکھا ہے جس پر اجماع ہے۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ یہ اس سے نقل کی ہیں جس کی حدیث کے صحیح ہونے کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ابن الصلاح نے بھی یہی کہا ہے،

سواء اخلاص کی تفسیر میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں: مسلم نے جو یہ حدیث نقل کی ہے کہ زمین کی خلقت شیخ کے رفد ہوئی ہے تو یہ ضعیف ہے اور اس پر نقص وارد کیا ہے، اللہ حدیث بخاری وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کذب الاحبار کا قول ہے، اور مسلم نے ایسی ہی دیگر کوشش بھی نقل کی ہیں جن کا غلط ہونا واضح ہے مثلاً اسلام قبول کرتے وقت ابوسفیان نے یہ کہا: میں آپ سے ام حبیبہ کا عقد کرنا چاہتا ہوں جبکہ اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ رسولؐ نے ام حبیبہ سے ابوسفیان کے اسلام لانے سے بہت پہلے عقد کیا تھا، یا یہ کہ رسولؐ نے سورج بہن کی تین رکوع کے ساتھ نماز پڑھی تھی جبکہ صحیح یہ ہے کہ رسولؐ نے صرف ایک دفعہ دو رکوع کے ساتھ نماز پڑھی تھی،

جن احادیث کے سلسلے میں مسلم پر تنقید کی گئی ہے ۱۳۲ میں اور ان کے ۱۱۰ رجال پر تنقید ہوئی ہے، حافظ ابو زہرہ رازی نے جبکہ ان کے سامنے کتاب مسلم کا ذکر ہوا ہے کہا: لوگ وقت سے پہلے ہی آگے بڑھنا چاہتے ہیں لہذا وہ ایسی چیز ایا کرتے ہیں جس کے ذریعہ انہیں بڑھایا جائے، ایسی کتاب لکھتے ہیں جو ان سے پہلے کسی نے نہ لکھی ہو تاکہ وقت سے پہلے ہی بڑے بن جائیں،

ایک روز ایک شخص مسلم کی روایت کردہ کتاب صحیح ان کے پاس لایا وہ اسے دیکھنے لگے انہیں اسباب بن نصر کی حدیث نظر آئی، پھر موصوف قطن بن نسیر کی کتاب دیکھی اور کہا: یہ پہلی سے بلند ہے، قطن بن نسیر نے ثابت سے اور انہوں نے انس سے احادیث کا سلسلہ جوڑا ہے پھر غور کر کے کہنے لگے صحیح میں احمد بن عیسیٰ مصری سے روایت کی گئی ہے، پھر کہا: کیا وہ ان سے روایت کرتے ہیں اور محمد بن جملان جیسوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور بدعتی لوگوں کیلئے راستے کھولتے

ہیں کہ جب ان پر کسی حدیث سے جھٹ قلم کی جائے تو وہ یہ کہیں کہ یہ حدیث صحیح میں نہیں ہے
ابوزرہ اس کتاب کی بہت مذمت کرتے ہیں۔

مسلم نے ابوزرہ سے جابر سے بہت سی معضن حدیثیں نقل کی ہیں، وخطا کہتے ہیں :
ابوزرہ محمد بن مسلم بن ندرس کی جابر کی حدیث میں تدیس کرتے تھے، جھٹ الوداع
کے بارے میں جابر و ابن عمر سے ایک دور روایتوں سے ایک حدیث نقل کی ہے ان روایتوں کے
بارے میں ابن حزم کہتے ہیں ان میں سے ایک یقیناً جھوٹی ہے،

خطا کہتے ہیں : جب مسلم اپنی کتاب صحیح مکمل کر چکے تو اسے ابوزرہ رازی کے پاس
لائے تو وہ اس کلام سے ناراض ہوئے اور کہا : تم نے اس کا نام صحیح رکھا ہے جبکہ بدعتی لوگوں کے لئے
اسے زیند بنا دیا تھا کیونکہ جب ان کے سامنے مخالفت کوئی روایت پیش کرے گا تو وہ کہیں گے کہ
یہ صحیح میں نہیں ہے،

جب مسلم رے آئے تو ابو عبد اللہ محمد بن مسلم بن وارہ سے ملنے گئے تو وہ اس کتاب کے
سلسلے میں ان پر ناراض ہوئے اور ایسے ہی کلمات کہے جیسے ابوزرہ نے کہے تھے اس پر مسلم نے ان سے
مذمت کی اور کہا : میں نے یہ کتاب تالیف کی ہے اور یہ کہا یہ صحیح ہے یہ نہیں کہا کہ اس میں میں نے
کوئی ضعیف حدیث نقل نہیں کی ہے، لیکن اسے میں نے صحیح حدیث سے جمع کیا ہے تاکہ میرے
اور مجھ سے نقل کرنے والے کے پاس ایک مجموعہ محفوظ رہے اور اس کی صحت کے بارے میں شک نہ
کے گا

مسلم نے ان لوگوں سے بھی روایت لی ہے کہ جن سے بخاری نے اپنے نفس میں ابھرنے
والے شبہ کی وجہ سے روایت نہیں لی تھی، ایسا نقل کرنے والے ائمہ کے حالات و مذاہب کے اختلاف

۱۔ شروط المؤرخین ص ۶۰ تا ۶۳، مؤلف حازمی،

۲۔ شروط المؤرخین، القندی ص ۱۰۰،

کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ جو راوی عبد الرحمن بن مہدی کے نزدیک ثقہ ہے وہ یحییٰ بن سعید قطان کے نزدیک ضعیف ہے اور جو مؤخر الذکر کے نزدیک ثقہ ہے وہ اہل الذکر کی نظروں میں ضعیف ہے جبکہ نقل میں تنقید میں یہ دونوں محور قطب سمجھے جاتے ہیں اور جو ان سے بخاری و مسلم پر تنقید کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں،
بخاری و مسلم کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں:

محمد بن طاہر نے اپنی کتاب شروحات الأئمة الخسة میں لکھا ہے، بخاری و مسلم دونوں نے اس راوی سے حدیث نقل کی ہے کہ جس کے بارے میں یہ اجتہاد ہے کہ اس نے مشہور صحابی سے نقل کیا ہے، عراقی اپنی کتاب شرح الغیر میں لکھتے ہیں: ابن طاہر کی بات صحیح نہیں ہے کیونکہ نسائی نے ایسے بہت سے راویوں کو ضعیف ثابت کیا ہے کہ جن سے بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے روایت لی ہے۔

بدراستی کہتے ہیں: صحیح میں ایک جماعت ایسی ہے جس پر متقدمین نے تنقید کی ہے، اہل الشرح میں قبلی لکھتے ہیں: صحیحین کے رجال میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو ائمہ نے صریح طور پر مطعون کیا ہے اور ان کے بارے میں سخت انداز میں اظہار خیال کیا ہے اگرچہ ان دونوں کیلئے اپنے اجتہاد ہی پر عمل کرنا ضروری تھا،

ابن الصلاح کہتے ہیں: بخاری نے اس جماعت کے ذریعہ جہت قلم کی ہے کہ جس کو پہلے دوسرے مطعون کر چکے تھے جیسے ابن عباس کے غلام عکرمہ، اسماعیل بن ابی اویس، حاصم بن علی، عمرو بن مرزوق وغیرہ ایسے ہی مسلم نے سوید بن سعید اور دیگر لوگوں سے جہت قلم کی ہے جبکہ ان کا مطعون ہونا مشہور تھا ایسا ہی ابو داؤد نے بھی کیا ہے۔

شیخ احمد محمد شاکر نے اپنی کتاب شرح الفیہ سیوطیہ میں لکھا ہے، صحیحین میں بہت سی احادیث تہلیل کرنے والوں سے نقل ہوئی ہیں ۱۷ احادیث سب جانتے ہیں کہ تہلیل جسے اسباب ۱۷ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۱۱، ۱۸ شرح الفیہ سیوطی ص ۳۶،

میں سے ایک ہے،

شیخ محمد زاہد الکوثری کی کتاب شرح شروط الائمہ الخمسہ میں ابن الہمام سے نقل ہوا ہے کہ مسلم نے بہت سے افراد سے روایت کی ہے جو طعون تھے ایسے ہی بخاری کی بھی ایک جماعت جرح سے محفوظ نہیں ہے، پس ان سے روایت لینے کے مسئلہ میں علماء کے اجتہاد کا دخل ہے ایسے ہی شرائط بھی ان کے اجتہاد کے رہن منت ہیں کہ ایک شرط کو معتبر جانتا ہے دوسرا سے اہمیت نہیں دیتا ہے ایک راوی کو ضعیف قرار دیتا ہے دوسرا اس کی توثیق کرتا ہے۔

لیکن ان کے متون پر کسی نے اس کا خط سے تنقید نہیں کی ہے کہ انہوں نے کتب خلافا منت متواتر کی غافلت کی ہے کیونکہ اس کا تعلق تسکین اور اصولین سے ہے۔

قاضی کہتے ہیں کہ ابواب صحاح نے اہل رائے امام ابو یوسف امام محمد بن الحسن سے روایت نہیں لی ہیں ہاں اہل حدیث نے ان کے بارے میں نرم لہجہ اختیار کیا ہے جیسا کہ آپ میز ان الاعتدال میں ملاحظہ کر سکتے ہیں ان دونوں کے آثار ان کے علمی شجر و وسعت کے شاہد ہیں بلکہ وہ اکثر حقا پر تقدم رکھتے ہیں۔ اسی طرح بخاری ائمہ اہلبیت نبوی سے بھی روایت نہیں لی ہیں آپ کے سامنے اس سلسلے میں ایک قیمتی جلد پیش کیا جاتا ہے

علامہ عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب الفصول المہدیۃ فی تالیف الائمہ میں لکھا ہے: بخاری نے اپنی صحیح میں ائمہ اہل بیت بنوی سے حجت قائم نہیں کی ہے کیونکہ موصوف نے امام صادقؑ، امام کاظمؑ، امام رضاؑ، امام محمد تقیؑ، امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ سے روایت نہیں کی ہے جبکہ یہ ائمہ بخاری کے ہم عصر تھے اور نہ ہی حسن بن حسن، زید بن علی بن الحسین سے روایت کی ہے، اسی طرح یحییٰ بن زید، نفس زکیہ محمد بن عبد اللہ اکامل بن الحسن الرضا بن الحسن السبط سے روایت کی زبان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ بن الحسن اور ان کے بھائی حسین النعمانی

بن الحسن بن الحسن سے روایت کی ہے اور زنانہ کے بھائی اوسیس بن عبداللہ اور محمد بن جعفر الصادقؑ
محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن المعروف بہ ابن طباطبائی اور ان کے برادر قاسم
اشعری سے روایت کی ہے نہ ہی محمد بن زید بن علیؑ، محمد بن القاسم بن علی بن عمر الاشرف بن زین
العابدین صاحب الطائفانؑ، جو کہ بخاری کے معاصر تھے، سے روایت کی ہے ایسے عسرت طاہرو
کے اور بہت سے سربراہ آوردہ افراد سے روایت نہیں کی ہے، مثلاً عبد اللہ بن الحسن بن علی بن جعفر الطریفی
وغیرہ سے روایت نہیں کی ہے، سبط اکبر ابو محمد جو انان جنت کے سردار امام حسن مجتبیٰؑ سے حدیث نقل
کی ہے جبکہ اہلبیتؑ کے سخت ترین دشمن خوارج کے سربراہ و عریان بن حطان سے روایت کی ہے تو کہ
حضرت علیؑ پر ابن ملجم کی لگنے والی ضربت کے بارے میں کہتا تھا:

الایبلغ من ذی العرش رضوانا
اونی البریۃ عند اللہ میزانا

یا ضریۃ من تقی ما اراد بھما
انی لا ذکرہ یوماً فاحبہ

صحیحین کی احادیث زیادہ صحیح ہیں

شرح ہدایہ میں امام کمال الدین فرماتے ہیں: جو شخص یہ کہتا ہے صحیحین میں نقل ہونے والی
احادیث زیادہ صحیح ہیں اور پھر جو صرف بخاری نے نقل کی ہیں، پھر جو صرف مسلم نے نقل کی ہیں پھر وہ
حدیثیں زیادہ صحیح ہیں جو ان کی شرطوں پر مشتمل ہیں اس کے بعد وہ معتبر ہیں جو کسی ایک کا شرط پر مشتمل ہیں،
یہ حکم ہے اس سلسلے میں تقلید جائز نہیں ہے کیونکہ زیادہ صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی روایت
ان شرائط پر پوری اتریں جو کہ انہوں نے معتبر جاتی ہیں پس اگر یہ شرائط کسی حدیث کے راویوں میں پائی
جائیں تو یا اسے زیادہ صحیح نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔

۱۔ توجیہ النظر ص ۱۲۰، شرح شروہ الاثر الخ ص ۱۲۵،

الاستدراک علی البخاری و مسلم

شرح مسلم میں نووی لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے بخاری و مسلم سے کچھ حدیثیں جمع کیں جن میں ان کی شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں اور اس وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں کہ جس کے وہ پابند تھے، مسلم حافظہ دار قطنی نے اس موضوع پر ایک کتاب الاستدراکات والتبیین لکھی ہے اور ایسی دوسو حدیثیں ہیں،

ابو مسعود دمشقی نے بخاری و مسلم کی حدیثوں میں نقص نکالا ہے ایسے ہی علی الغسانی نے اپنی کتاب ”تقیید المہمل میں نقص وار دیکھا ہے اور کہا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس کیلئے شیخان روایت کریں اسے بہت برا خزانہ مل گیا تو یہ زبردستی بڑا بنا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے،

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے روز خندق فرمایا تھا کہ غارِ عصر نہیں پڑھنی چاہیے مگر بنی قریظہ میں، ابن حجر کہتے ہیں: بخاری کے تمام نسخوں میں ایسے ہی آیا ہے جیکہ مسلم کے تمام نسخوں میں مصر کی بجائے ہمسے تعجب کی بات یہ ہے کہ دونوں کا شیخ ایک ہے اور شروع سے آخر تک سند بھی ایک ہے، ان دونوں نقطوں کے تغایر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بخاری و مسلم کے شیخ عبد اللہ بن محمد نے یہ حدیث بیان کی تھی تو دونوں نقطوں میں بیان کی تھی یا بخاری نے اپنے حافظہ کی بنا پر نقل کی اور لفظ کی پروا نہ کی کہ موصوف کا یہی مذہب ہے وہ اپنے حافظہ سے لفظ کی پروا کئے بغیر جائز جاتے ہیں جیکہ مسلم اسے جائز نہیں جانتے وہ لفظ کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں،

صحیحین میں دوسو سے زائد حدیثیں غائب سے نقل کی گئی ہیں اس سلسلے میں حافظ ضیاء مقدسی نے ”غرائب الصحیحین“ نامی کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے دوسو سے زائد غرائب احادیث لکھی ہیں جو کہ صرف صحیحین میں نقل ہوئی ہیں۔

۱۔ شرح شروط الامۃ الجنتہ، مولف حازمی ص ۳۱،

ابن امیر الحاج نے شرح التحریر میں لکھا ہے :
 جو شخص بخاری و مسلم کو دوسری کتابوں سے زیادہ صحیح سمجھتا ہے اس کے لئے یہ جانتا بھی
 ضروری ہے کہ یہ دونوں اپنے بعد والی کتابوں میں سے زیادہ صحیح ہیں اپنے سے قبل کے مجتہدین سے زیادہ صحیح
 نہیں ہیں یہ بات واضح ہونے کے باوجود بعض لوگوں پر مخفی ہے یا اس میں مغالطہ کرتے ہیں اللہ سبحانہ
 اعلم

اس عبارت کے شارح کہتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ شیخین اور اصحاب سنن کی ایک جماعت ان
 حفاظ کی ہمہ صحتی جو کہ فقہ اسلامی کا تدوین کے بعد پیدا ہوئے تھے جنہوں نے حدیث کو تقسیم کرنے پر
 زور دیا جبکہ ان سے پہلے مجتہدین علم و حدیث کے اعتبار سے کہیں بلند تھے ان کے پاس مرفوع و موقوف
 مرسل اور صحابہ و تابعین کے فتوے بھی موجود تھے ۔ پھر مجتہدین کی نظر میں حدیث کی قسم میں محدود
 نہیں ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں وہ جوامع و مصنفات جو کہ ان اقسام کو بیان کرتی ہیں ان سے مجتہد
 بے نیاز نہیں ہے ارباب جوامع و مصنفات کتب صحاح سند کے مصنفین سے پہلے گذرے ہیں
 یہ مجتہدین اور ان کے اصحاب کے اصحاب تھے ، احادیث کی اسانید میں غور و فکر کرنا ان کے نزدیک
 آسان کلم تھا خصوصاً کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال ہی اس کیلئے صحیح ہے ، صحاح ستہ
 کے ذریعہ ان کے بعد والی کتابوں پر حجت قائم کی جاسکتی ہے ۔ لیکن یہاں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ
 ہے کہ بعض متاخرین حفاظ لفظ و معنی میں عظیم اختلاف کی وجہ سے کسی حدیث کو اصول ستہ وغیرہ
 کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں،

شرح الفیض میں عراقی لکھتے ہیں: بیہقی نے سنن و معرفہ میں اور بخاری نے شرح ستہ
 میں اور دیگر علماء نے حدیث کی اپنے الفاظ و اسانید کے ساتھ روایت کی ہے اور انہیں بخاری و مسلم
 کی طرف منسوب کر دیا ہے جبکہ ان میں الفاظ و معنی کے لحاظ سے اختلاف ہے انہوں نے اصل حدیث
 کو مد نظر رکھا ہے الفاظ کی نسبت نہیں دیکھا ہے،

ایسا ہی نووی نے بھی "الائم من قریش" والی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے اس

حدیث کو شیخین نے نقل کیا ہے جبکہ ان کے صحیح نفعیہ ہیں۔ لایزال ہذا الامر فی قریش مابقی منہم
اشنان۔ دونوں غلطوں کے معنی میں بہت بڑا فرق ہے۔

مسلم میں جن مقطوع احادیث کی روایت کی گئی ہے ان کے بارے میں حافظ رشید عطار
نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے۔ المجموع فی شان ما وقع فی مسلم من الاحادیث المقطوعہ
اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ جس کیلئے شیخان نے روایت کی اسے عظیم خزانہ مل گیا تو یہ مبالغہ ہے اسکی
کوئی حقیقت نہیں ہے، مسلم نے اپنی کتاب میں لیث بن ابی سلیم ایسے ضعیف راویوں سے روایت
کی ہے۔۔۔ جان لو کہ ان وعین اہل حدیث کے نزدیک انقطاع کیلئے ہیں، تدلیس کرنے والا ان
اضافہ کر دیتا ہے اور بخاری و مسلم ایسی چیزوں سے بھری پڑی ہیں، اس کے باوجود کہتے ہیں اگر صحیحین
کے علاوہ دوسری کتابوں میں یہ چیز ہو تو حدیث منقطع ہے اور اگر صحیحین میں ہے تو متصل ہے۔

مسلم نے اپنی کتاب میں ابوزبیر جابر سے بہت زیادہ حدیث معنی نقل کی ہیں جبکہ
محدثین نے کہا ہے: ابوزبیر محمد بن مسلم بن تدرس کی جابر کی حدیث میں تدلیس کرتا تھا پس جو
نقطہ عن کے ساتھ نقل ہونے والی حدیث قبیل قبول نہیں ہے، مسلم ہی نے اپنی کتاب میں جابر اور
عبد اللہ بن عمر سے جو اوداع کے سلسلے میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ قربانی کے روز رسولؐ مکہ شریف
لے گئے اور طواف اضا فہ کیا پھر مکہ میں نماز طواف پڑھی اس کے بعد منی لوٹ آئے، دوسری روایت
میں ہے کہ رسولؐ نے طواف اضا فہ کیا پھر لوٹ آئے اور نماز ظہر منی میں ادا کی، یہ خواہ مخواہ بڑا بھٹا ہے
ابن حزم کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں سے ایک یقیناً جھوٹی ہے۔

مسلم نے حدیث اسراء کی بھی روایت کی ہے اس نطق کے بارے میں محدثین نے بحث کی
ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، مسلم ہی نے یہ حدیث۔۔۔ خلق اللہ التمرۃ یوم السبت، خدا نے
زمین کو نیچر کے دن پیدا کیا ہے۔ نقل کی ہے، مسلم نے ابوسیفان سے روایت کی ہے کہ اس نے رسولؐ
سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ میری تین خواہشیں ہیں: ایک میری بیٹی ام حبیبہ سے شادی کر لیجئے، میرے
بیٹے معاویہ کو کاتب بنالیجئے، اور مجھے کفار سے جنگ کی اجازت دے دیجئے، رسولؐ نے ان کی باتوں

خواہشیں پوری کر دیں اس حدیث کی جو حیثیت ہے وہ واضح ہے، ام حبیبہؓ نے اس وقت شادی کی تھی جب وہ حبشہ میں تھیں ان کا مہر نجاشی نے دیا تھا اور ابو سفیان فتح مکہ کے وقت مکہ لایا ہوا، ہجرت و فتح مکہ کے درمیان چند سال کا فاصلہ ہے لیکن ابو سفیان کی امارت، تو اس کے بارے میں محدثین نے کہا ہے: انھیں اس کی خبر نہیں ہے۔۔۔ زبیر بن بکاء سے ضعیف سند کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے ابو سفیان کو بعض غزوات میں امیر بنایا تھا یہ ثابت نہیں ہے،

حفاظ کا قول ہے کہ اپنی کتاب تالیف کی تو اسے ابو زررہؓ کی خدمت میں پیش کیا تو وہ ان پر برس پڑے اور کہا: اس کا نام تم نے صحیح رکھا ہے اور اس کو بدعتی لوگوں کیلئے بہا بنادیا کہ جب مخالفانہ روایت پیش کرے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ اس سے قبل ہم مسلم اور ان کی کتاب کے بارے میں ابو زررہؓ وغیرہ کا قول نقل کر چکے ہیں۔

حازمی نے شروط الائمہ ائمہ میں اس عنوان کے ساتھ لکھا ہے: باب فی البطلان قول من زعم ان شرط البخاری اخراج الحدیث عن عیین وھلم جرأ۔۔۔ الخ، یہ باب اس شخص کے قول کے ابطال میں ہے جو کہ یہ گمان کرتا ہے کہ بخاری کی یہ شرط ہے کہ دو عادل راویوں سے حدیث نقل کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ حدیث رسولؐ مشک پیوچ جائے۔

یہ شخص کا قول ہے جس نے صحیح میں چھپی ہوئی چیزوں میں غور و فکر نہیں کیا ہے اگر اس کو کئی وہ کا حق تحقیق کرتا تو پوری کتاب کو اپنے دعوے کے خلاف پاتا۔

لیکن حاکم کا یہ قول کہ بخاری و مسلم دو عادلوں سے حدیث کی روایت کرتے ہیں یہاں تک کہ رسولؐ مشک پیوچ جائے تو یہ صحیح نہیں ہے، ابو حاتم محمد بن حبان البستی کہتے ہیں: تمام اخبار ”حدیث“ احادیث کیونکہ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی ہے جس کو دو عادل راویوں نے نقل کیا ہو یا ایک نے دو عادل راویوں سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ دونوں عادل دو عادلوں سے جدا گانہ طور پر

تقل کرتے رہیں یہاں تک کہ سلسلہ رسولی تک پہنچ جائے جب ایسا ہونا محال ہے تو ثابت ہو گیا کہ ساری حدیثیں آحاد ہیں اگر کوئی گزشتہ شرط کا قائل ہوتا ہے تو تمام سنن کو نظر انداز کرنا چاہتا ہے کیونکہ ایسی سنن کا وجود نہیں ہے جو کچھ میں وہ سب حدیث آحاد کے ذریعہ آئی ہیں،

اور جس نے غائر نظر سے احادیث کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ گیا ہے کہ جو کچھ ابن جان نے کہاہے وہ تقریباً صحیح ہے یہ تھا حازمی کا کلام علیہ

یہ تو تھا کتب حدیث کا پہلا طبقہ اور اب طبقہ ثانیہ، سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی کے بارے میں مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں علیہ

۱۔ حاشیہ شروط الاثر المختصر ص ۴ و ۶۲

۲۔ محدثین کا قول ہے کہ جن کتابوں کا درجہ بخاری و مسلم کے بعد ہے وہ سنن ابی داؤد متوفی ۲۵۴ھ، سنن نسائی ۲۵۵ھ، جامع الترمذی ۲۵۶ھ ہیں، اپنی پانچ کتابوں کو انہوں نے اصول قرار دیا ہے بعض نے ان میں سنن ابن ماجہ ۲۵۷ھ کا بھی اضافہ کیا ہے ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کتب میں چھٹی سنن داری ہے کیونکہ ابن ماجہ نے ان لوگوں سے سچی روایت کی ہے کہ جن پر جھوٹ بولنے اور سرور کی تہمت تھی لیکن سنن داری پر ایسی تہمت نہیں ہے اگرچہ اس میں سرل و موقوف احادیث ہیں ۔

ابوداؤد

اعلم الفقہ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث الازدی بختانی سنہ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے چند بار بغداد آئے ۱۸۰ھ میں بصرہ میں انتقال کیا، خطابی کہتے ہیں: علم حدیث میں سنن ابی داؤد جیسی کتاب نہیں لکھی گئی، صحیحین کی پر نسبت وہ وضع و فقہ میں زیادہ بہتر ہے ان سے ترمذی و نسائی نے حدیث نقل کی ہیں، ابن کثیر، مختصر علوم الحدیث، میں لکھتے ہیں: سنن ابی داؤد میں بہت سی روایات ہیں جو اس کے بعض نسخوں میں نہیں ہیں، سنن کے مشہور ترین روایات میں سے ابو سعید بن الاعرابی، ابو علی اللؤلؤی اور ابو بکر بن داسر ہیں،

یہ ابو داؤد کی ہمت تھی کہ انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جن سے علم نے استدلال کیا اور ان سے احکام کا استنباط کیا ہے، موصوف نے اپنی سنن میں صحیح، حسن اور ایسی احادیث جمع کی ہیں جن پر عمل ہو سکتا ہے، ان ہی کا قول ہے: میں نے اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے جس کے ترک پر علماء کا اجماع ہو اور نہ ہی کسی ضعیف و کمزور حدیث کو بیان کیا ہے،

ابو بکر ابن داسر کہتے ہیں: میں نے سنا کہ ابو داؤد کہہ رہے ہیں: میں نے رسول کی پانچ لاکھ احادیث لکھی تھیں ان میں سے منتخب وہ ہیں جو اس کتاب میں ہیں اس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں اس میں صحیح، صحیح جیسی یا اس سے قریب ہی کو بیان کیا ہے، علماء کا یہ ان کے کہ مجتہد کیلئے سنن ابی داؤد

ہی کافی ہے اور اس کے دین کیلئے سنن بلی داؤد کی یہ چار حدیثیں کافی ہیں،

① انما الاعمال بالنیات،

② من حسن اسلام المرء ترک ما لا یغنیہ

③ لا یکون المؤمن مؤمنًا حتی یرضی لآخر ما یرضاه لنفسه،

④ الحلال بینہ والحرام بینہ لو بینہما امور متشبهات «

بعض نے تو سنن بلی داؤد کو بخاری پر فضیلت دی ہے،

ابو داؤد اور بخاری نے فقہاء عراق سے فقہ حاصل کی ہے،

jabir.abbas@yahoo.com

ترمذی

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ضریح ترمذ میں مشہور پیدا ہوئے اور کتب میں ترمذی میں استقلال کیا، ابن اثیر کہتے ہیں: سنن ترمذی میں جو کچھ مذاہب، نوح استدلال، صحیح حسن اور غریب حدیث کی وضاحت ہے وہ دوسری کتابوں میں نہیں ہے،

انہوں نے اپنی کتب کی تدوین کی اور اس میں نہایت ہی لطیف و مختصر انداز میں طریق حدیث کو بھی قلم بند کیا ہے اور ہر حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا حسن ہے یا منکر ہے شرح علل ترمذی میں ابن ماجہ کہتے ہیں: جان لو کہ ترمذی نے اپنی کتاب میں صحیح اور حسن حدیثیں جمع کی ہیں، حسن وہ حدیث ہے جو صحیح کے مرتبہ سے نیچے ہے اس میں کچھ ضعیف و غریب حدیث بھی ہیں اور جن غرائب کا سنن ترمذی میں ذکر کیا ہے ان میں بعض منکر حدیثیں بھی ہیں، خصوصاً کتاب الفضائل میں لیکن موصوف اس کی وضاحت کر دیتے ہیں اس سے چشم پوشی نہیں کرتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے اس شخص سے کسی حدیث کی روایت کی ہو جو کذب سے متہم ہو یا ترمذی کبھی ایسی حدیث نقل کرتے ہیں کہ جو متعدد طرق سے آئی ہے یا جس کی اسناد میں اختلاف ہے

اور اس کے بعض طرق میں متہم افراد ہیں جیسا کہ وہ محمد بن سید مصلوب اور محمد بن اسائب کلبی سے
 حدیث نقل کرتے ہیں، کچھ بھی ترمذی غنی اور واہم سے بھی حدیث لیتے ہیں لیکن اسے بیان کر دیتے
 ہیں نظر انداز نہیں کرتے اس طبقہ میں سے اکثر سے ابو داؤد نے بھی حدیثیں نقل کی ہیں لیکن ان کی
 حدیث کے بارے میں اپنی رائے بیان نہیں کی ہے جیسے اسحاق بن ابی فروح کے بارے میں کچھ نہیں
 کہا ہے، لیکن ترمذی ثقہ و ضابطہ سے حدیث لیتے ہیں کم و بیش دوسروں سے بھی لیتے ہیں لیکن اس
 سلسلے میں اپنی رائے بھی بیان کرتے ہیں خاموش نہیں رہتے،
 صحیح و حسن اور ضعیف میں حدیث کو سب سے پہلے ترمذی نے تقسیم کیا ہے ان سے
 قبل حدیث کی دو ہی قسمیں تھیں، صحیح اور غیر صحیح۔



نسائی

ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں نیشاپور، نسا میں پیدا ہوئے،
دار قطنی کہتے ہیں: حج کیلئے شمع دشت میں زخمی ہو گئے اپنی شہادت کے آثار محسوس
کئے تو کہا مجھے مکہ لے چلو، مکہ لے گئے وہیں وفات پائی اور صفا و مروہ کے درمیان دفن ہوئے ان کا سن
وفات سنہ ۲۸۰ھ ہے،

ذہبی کہتے ہیں دشت میں نسائی سے معاویہ کے فضائل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے
کہا: ذہبی کہتے ہیں شام والوں نے انھیں مار کر مسجد سے نکال دیا پھر انہیں مکہ اٹھالائے وہاں
دم توڑ دیا، ایک روایت میں ہے کہ انھیں رملہ لے آئے تو مصحف نے کہا: میں دشت پہنچا تو
دیکھا کہ وہاں حضرت علیؑ سے بہت زیادہ لوگ مخوف ہیں تو میں نے کتاب انھما لہ تصنیف کی
اس امید کے ساتھ کہ خدا ان لوگوں کی ہدایت کرے،

نسائی کی روایت میں بہت زیادہ اختلاف ہے جو کتاب اصول السنہ میں شمار ہوتا
ہے وہ المجتبیٰ معروف بسنن نسائی صغیر ہے، ابن السنی کی روایت ہے اور ابن حیوہ، ابن
الاحمر اور ابن قاسم کی روایت کو نسائی کبیر کہتے ہیں، سنن نسائی کے بارے میں ابن کثیر کہتے ہیں:
اس کے رجال اعتبار و حال کے لحاظ سے مجہول ہیں ان میں ضعیف بھی ہیں اور سنن نسائی میں

ضعیف، محل اور مکر حد نہیں ملے
 کچھ اور کتابیں بھی ہیں ان کے ذکر سے ہم اپنے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے،
 ان پانچ کتابوں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی میں رسول کی اکثر
 احادیث آگئی ہیں بہت کم چھوٹی ہے،
 نووی لکھتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ اصل الحدیث میں رسول کی اکثر احادیث آگئی ہیں
 بہت کم چھوٹی ہیں۔

موطا کا ذکر کرنے کے بعد ابن خلدون لکھتے ہیں: یہ ہیں کتب خستہ، ملت میں یہی
 مسانید مشہور ہیں اور یہی سنت میں اہمات کتب حدیث ہیں اگرچہ حدیث کی کتاب کی تعداد بڑھ
 جائے تو ان میں سے اکثر کا منبع یہی ہوں گی۔
 مسود امیل نے مکتب حیات محمدؐ میں لکھا ہے:

سیرت محمدؐ اولین، منابع قرآن و سنت ہیں، سند کے اعتبار سے قرآن موثوق ہے،
 لیکن حدیث کے باوجود کہ اس پر محدثین نے بہت عرق ریزی سے کام لیا ہے خصوصاً بخاری نے رسولؐ کے
 کلمات جمع کرنے اور آپ کے ارشادات کی تحقیق اور ان اجمال کے ترجموں میں زحمت اٹھائی ہے کہ جن سے
 مسلسل و معین حدیث نقل کی ہیں لیکن اب بھی ان میں بہت سے ہیں جو متہم ہیں اور یہی موضوع ہے
 امیر شکیب ارسلان نے اس کی حاشیہ آرائی کی ہے،

... وہ اکثر احادیث کو یہاں تک کہ صحیحین میں وارد ہونے والی احادیث کو صحیح
 نہیں مانتے اور یہ ایک مکتب فکر ہے، ایک نظریہ ہے اس پر ہم اعتراض نہیں کر سکتے پھر اسلامی

۱۔ انقرب ص ۱۳

۲۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۱۸

۳۔ چوتھی صدی ہجری شہود تعین، طبرانی معجم الاثر ۳۳۷ سنن دارقطنی ۳۳۷، ابن حبان البیہ ۳۴۵

ابن خزیمہ کا مرجع ۳۱۱، ۱۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۴۱۸

حیث رکھنے والے بہت سے مسلمان میو امیل کے شریک کار ہیں اور وہ ہر اس چیز کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے جو کہ صحیحین وغیرہ میں وارد ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوا ہو یا اس میں کمی بیشی ہوئی ہو، کیونکہ بخاری وغیرہ منہا حدیث نقل کرتے تھے اور منہا نقل ہونے والی حدیث میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے معنی بھی بدل سکتے ہیں اور اصل سے بھی ختم ہو سکتی ہے،

کچھ دلیلوں کو ذریعہ جماعت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اکثر احادیث قطعی ہیں اور جن کی طرف لوگ دوڑتے ہیں ان میں سے اکثر پر تو قہ کرنا چاہیے، وہ دلیلیں یہ ہیں،

① اس بات کو ہر انسان جانتا ہے کہ کم و زیادتی کے بغیر حدیث کی روایت کا امکان نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان سنے ہوئے کلام کو ایک گھنٹہ کے بعد ہی دہرانا چاہتا ہے تو اسے سن و سن نہیں دہرا سکتا۔

② منہا نقل ہونے والی حدیث ہے شمار میں ان میں بہت سے لفظ بدل گئے ہیں،

③ ہر انسان سے سہو و نسیان ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں جدال نہیں کیا جاسکتا

④ خود رسولؐ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ آپؐ کی حیات لوگ میری طرف جھٹی حدیثوں کی نسبت دیتے ہیں، مؤثق ترین حدیث ہے کہ، نقد کثرت علی الکذب و فن کذب علی فلیتوا مقعدہ من النار۔

پھر کہتے ہیں کہ صحاح میں وارد ہونے والی بہت سی حدیثوں میں مشک ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں ہوتا ہے کہ نقل میں لسانتاری سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ بعض روایا سے قطع نظر انسان ہر سنی ہوئی چیز کو من و عن بیان کرے یا جس حادثہ میں وہ موجود تھے اسے کمی و زیادتی کے بغیر واقع کے مطابق بیان کر دیں، کبھی ایک حادثہ میں دو آدمی ہوتے ہیں اور دونوں کمی و زیادتی کے لحاظ سے اسے مختلف طریقہ سے نقل کرتے ہیں۔

مستخرجات

استخراج یہ ہے کہ حافظ مثلاً بخاری پر اعتماد کرے اور ان کی احادیث کو حدیث حدیث کر کے اپنی ہی اسانید سے وارد کرے اور اس سلسلے میں بخاری طرق کے علاوہ ثقہ راویوں کا التزام نہ کرے یہاں تک کہ بخاری کے شیخ یا اس سے بھی اوپر تک سلسلہ پہنچائے، لیکن استخراج کرنے والے کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اصلی مصنف سے ملانے میں قریب ترین راستہ کو چھوڑ کر دود والے راستے کو اختیار کرے مگر کسی اہم غرض کے تحت ایسا کر سکتا ہے، بسا اوقات استخراج کرنے والا ان احادیث کو ترک کر دیتا ہے جن کی اسناد اسے پسند نہیں آتی ہیں اور بعض مرتبہ انھیں روایت سے جوڑ دیتے تھے میں انھیں اصل راوی کے طریق سے بیان کرتے ہیں اکثر حفاظ نے استخراج ہی کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں اہم فوائد ہیں اور استخراج کو انہوں نے صحیح بخاری و مسلم میں محدود کیا ہے کیونکہ یہ دونوں اس علم میں اپنے ماننے والوں کے درمیان عمدہ سمجھی جاتی ہیں،

ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی اور ابوبکر احمد بن محمد برقی نے بخاری سے استخراج کیا ہے اور ابو جعفر احمد بن حنبلہ اور ابوبکر محمد بن محمد بن رجا نیشاپوری نے مسلم سے استخراج موخر الذکر اکثر شیوخ کے بارے میں مسلم کے ہم خیال ہیں،

ابونعیم اصفہانی اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے بخاری و مسلم دونوں سے استخراج کیا ہے ایسے ہی انہوں نے ابو داؤد ترمذی سے بھی اتباع کیا ہے، استخراجات کے بہت سے فوائد ہیں ایک یہی کہ مستخرجات میں احادیث میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو کہ اس کتاب میں نہیں ہوتا جس سے نسخہ برداری کی ہے یہ اضافات ان سے اسلئے ہوتے ہیں کہ وہ ان الفاظ کو قلم بند کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے جو کہ اس کتاب میں آتے ہیں جس سے انہوں نے نسخہ برداری کی ہے بلکہ ان الفاظ کو لاتے ہیں جن میں ان کے شیوخ سے روایت آئی ہے، ان کے عمل سے کبھی معنی ہی بدل جاتے ہیں مثلاً کبھی

صحیح کے مصنف اس شخص سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے حدیث میں اختلاف کیا اور مصنف اس بات کی وضاحت نہیں کرتا ہے کیلئے حدیث اختلاف سے قبل سنی گئی ہے یا اختلاف کے بعد سنی گئی ہے اسے نسخہ برداری کرنے والا بیان کرتا ہے یا اس کی وضاحت کرتا ہے یا اس شخص سے نقل کرتا ہے کہ جس نے یہ اختلاف سے قبل سنی تھی، کبھی صحیح میں تدلیس کرنے والے سے معنی طریق سے بیان ہوتا ہے اور تخریج سے صراحتاً سماع کے ذریعہ بیان کرتا ہے، کبھی حدیث میں ایسی چیز آ جاتی ہے جو قاعدہ لغت عرب کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی زبردستی تو جہہ کی جاتی ہے اور اس کی روایت میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے اس طرح نسخہ برداری کرنے والے کے نسخے میں وہ قاعدہ مطابق درج ہوتا ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جبکہ صحیح میں روایت کو وہم ہوا ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں: جن کتب کی بخاری و مسلم سے نسخہ برداری کی گئی ہے اور ان کے مضمین نے ان میں بخاری و مسلم کی حدیثوں کو بقولہ "بغیر کی روایت" نقل نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے ان احادیث کو بخاری و مسلم کے طریق سے نقل نہیں کرتے ہیں وہ مضبوط و بلند اسناد کے ذریعہ انہیں نقل کرنا چاہتے ہیں اس طرح ان کے الفاظ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح مومنین نے اپنی مستقل تالیفات میں انہیں نقل کر دیا ہے، جیسے بیہقی نے سنن الکبریٰ میں اور ابو محمد بغوی وغیرہ نے کیا ہے ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بخاری و مسلم سے استخراج کیا ہے مگر اس سے صرف اتنا استفادہ ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم نے یہ اصل حدیث نقل کی ہے، اور یہ احتمال اپنی جگہ ہے بعض معنی میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو، تفاوت ہو، جیسا کہ اس سلسلے میں معنی کا تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان مستخرجات میں جو الفاظ یا معنی میں رد و بدل اور اضافات ہوئے ہیں ان سے چشم پوشی کرتے ہیں ثنائین ان کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں، حیدری نے ان اضافات کو بیان کیا ہے جو کہ صحیح الفاظ

۱۔ توجیہ بنظر ص ۱۴۱ و ۱۴۲

۲۔ توجیہ بنظر ص ۱۴۱

۳۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۵۹

کے ماوراء میں، سیاق حدیث کے بعد کہتے ہیں، بخاری نے اتنی حدیث نقل کی، بر قاتی نے اسمیں اتنا اضافہ کیا ہے چنانچہ جو شخص بر قاتی وغیرہ سے اس حدیث کو نقل کرے گا وہ اصل اور اضافہ میں تمیز نہیں کر پائے گا پھر کہتے ہیں: بخاری نے اختصار سے کام لیا اور حدیث کا ایک حصہ نقل کیا اور اس کی مقدار بیان نہ کی اس سے واقف آدمی شبہ میں پڑ جائے گا اور اس کا یہ شک اسی وقت زائل ہوگا جب وہ اصل کو دیکھے گا تو اکثر سے اس کا شبہ زائل ہوگا، اور قارئین یہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ بخاری و مسلم کی بہت سی احادیث میں سقم و ضعف بیان کیا گیا ہے اسی طرح ہم ابن حجر کی شرح بخاری اور نووی کی شرح مسلم میں بہت سے اشکال پاتے ہیں پس بخاری و مسلم ایسی صحیح کتابوں کی یہ کیفیت ہے وہ بھی تنقید سے نہیں بچ سکی ہیں ان کے بارے میں اتنا کچھ کہا گیا ہے، ان چیزوں کو چھوڑیے جو ان میں اسرائیلیات نقل کرنے اور مؤثر نقل کرنے سے توک ہو گئی ہے ہم کتب مساند کے بارے میں خامہ فرمائی نہیں کریں گے کہ نہ وہ خود مؤثق ہیں نہ ان پر اعتماد کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں کوڑے کرکٹ کا سیلاب ہے اللہ کے بارے میں اللہ کا قول ہے ان سے حجت ظالم نہیں کی جاسکتی ہے نہ ان کا اعتبار ہے اور جو کچھ ان میں ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے،

بارا ہا: ہم تجھ ہی سے سوال کرتے ہیں کہ اس محکم دین کیلئے ایسا شخص مہیا کر دے جو اس کے اصول کی حفاظت کرے، اس کے قواعد کو بچائے اس پر بدعتیں غالب نہ آئیں،



مسند احمد

کبھی کبھی قاری یہ سوال کرتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں کے ساتھ مسند احمد کا ذکر نہیں کیا جاتا جو کہ موضوع سخن قرار پاتی ہیں جبکہ اس میں سب سے زیادہ روایات ہیں یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ "مسند احمد" چالیس ہزار حدیث پر مشتمل ہے، اور اس کے مؤلف بڑے امام ہیں جن مذاہب کا اتباع کیا جاتا ہے ان میں سے ایک مذہب موصوف کا ہے کہ جسے بہت سے مسلمان اتباع کرتے ہیں، مسند احمد اور دوسری مسانید کے بارے میں تفصیل سے بحث نہیں کریں گے کیونکہ اس سلسلے میں علماء نے سیر حاصل بحث کی ہے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی، نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ مسانید میں مشہور مسند احمد کو موضوع بحث قرار دیں اور مسلمانوں پر اس کی حقیقت آشکار کریں اور دیکھیں کہ کتب حدیث کے درمیان اس کا کیا مرتبہ ہے کہ پھر دیگر مسانید کے مرتبہ کا اسی پر قیاس کیا جائے۔

پہلے ہم کتب حدیث کے درمیان عام کتب مسانید کے مراتب اور ان کی روایات کے حکم کو بیان کریں گے اور اسکے بعد مسند احمد سے بحث کریں گے۔

مسائید نہ کہ کتب تہ

مسائید وہ کتب ہیں جن میں ہر صحابی کی حدیث کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے اس میں ابواب کا لحاظ نہیں کیا جاتا، مسائید کے مصنفین کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ مسند میں ہر صحابی کی صحیح و سقیم حدیث جمع کر کے ہیں اسی لئے ان کی احادیث سے حجت قائم نہیں کی سکتی،

حافظ ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: کتب مسائید کتب خمسہ صحیح سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی اور احتجاج و اعتماد میں ان جیسی کتب سے مسند ابی داؤد الطیالسی مسند عید اللہ بن ہوئی، مسند ابن جنبل، ملحق نہیں ہیں، کیونکہ ان کے مؤلفوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ ہر صحابی سے حدیث کی روایت کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ اس حدیث سے حجت قائم کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ لہذا مسائید کتب خمسہ کے مرتب سے کم مرتبہ کی ہیں اگرچہ مؤلفین کی عظمت کی وجہ سے اہم ہو گئی ہیں اور ان ہی سے وہ کتب بھی ملحق ہیں جو کہ ابواب کے تحت لکھی گئی ہیں۔

ہی اللہ دلوہی لکھتے ہیں: کتب مسائید میں، صحیح، حسن، ضعیف، معرووف غریب، شاذ، منکر اور خطا و صواب، ثابت و مطلوب جمع کی گئی ہے یہ علماء کے درمیان شہرت نہیں پاسکتی ہیں اگرچہ ان کو مطلق طور پر منکر نہیں کہا جاتا، لیکن محدثین ان کی صحت و سقم کے بارے میں بحث و غرض نہیں کی ہے نہ لغوی نے ان کی شرح کی ہے نہ فقیہ نے مذاہب سلف سے ان کی تطبیق کی ہے اور مورخین نے ان کے رجال کے اسلمہ بیان کئے ہیں۔

کتب حدیث اور ان کے مراتب سے بحث کرتے ہوئے نووی لکھتے ہیں
احمد بن جنبل، ابو داؤد الطیالسی وغیرہ کی جو مسائید ہیں وہ احتجاج و اعتماد میں اصول خمسہ اور ان کے پایہ کی کتب سے ملحق نہیں ہیں۔

۱۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۵، ۲۔ ج۱ المسند ابی داؤد ص ۳۲ و ۳۳، ۳۔ التقریب ص ۵

مسند احمد

یہ تھے کتب حدیث کے درمیان مسند عامر کے مرتبہ کے سلسلے میں علماء کے اقوال یہاں ہم خاص طور سے مسند احمد کے بارے میں بعض ائمہ حدیث کے اقوال پیش کر رہے ہیں وہ گنگا ابتداء، احمد کے بعد، امام الخليل، ابن تیمیہ کے کلام سے کرتے ہیں اس کے بعد اگر خود محدث سمجھنے والے ہم پر ناراض ہوں تو اس کی جرح پر رولہ نہیں ہے کیونکہ حق کا اتباع کرنا افضل ہے چنانچہ یہ کتاب ہم نے حق کی مدافعت حاصل کرنے کی غرض سے لکھی ہے پھر اگر کوئی غضب ناک ہو تا ہے تو ہم پر نہیں بلکہ حق پر غضب ناک ہوتا ہے، ابو نعیم کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں: انہوں نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جو علماء کے اتفاق سے ضعیف و موضوع ہیں اگرچہ وہ ثقہ حافظ کثیر الحدیث اور واسع الروایت تھے لیکن انہوں نے روایت جیسا کہ ان جیسے محدثین کی حرمت کی خاطر ہر ایک سے حدیث نقل کرتے ہیں اگرچہ ان میں سے بعض ہی سے حجت قائم کی جاسکتی ہے اور پھر لوگ اپنی تصنیفات میں ان سے بھی روایت کرتے ہیں جن سے مملکت، شعبہ اور احمد بن حنبل نہیں کرتے کیونکہ یہ حضرات اس شخص سے روایت نہیں کرتے تھے جس کے بارے میں یہ جانتے تھے کہ یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے احمد اور اسحاق وغیرہ نے ایسی حدیث نقل کی ہیں کہ جو خود ان کے نزدیک ضعیف ہیں کیونکہ ان کا وہی غرض ایسے صفحات سے متہم تھے،

کیونکہ اسکو بیان کرنے والا باطن میں کذاب تھا اس کا جھوٹ کھلا ہوا نہیں تھا بلکہ زیادہ تر جھوٹ حدیثیں بیان کرتا تھا،

ابن تیمیہ کہتے ہیں: احمد نے مسند وغیرہ میں جن حدیثوں کی روایت کی ہے وہ سب ان کے نزدیک حجت نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اہل علم کی اقتداء میں ان کی روایت کی ہے، مسند میں ان کی شرط یہ ہے کہ جو جھوٹ میں مشہور ہوں ان سے روایت نہ کی جائے، لیکن احمد نے کتب الفضائل میں

وہ لکھا ہے جو انہوں نے شیوخ سے سنا تھا خواہ یہ صحیح ہو یا ضعیف کیونکہ ان کا قصہ یہ نہیں تھا کہ جو ثابت ہے اسی کی روایت کی جائے پھر ابن احمد نے اس میں اضافہ کر دیا اور ابوکر القطعی نے اور اضافہ کر دیا اس اضافہ میں بہت سی موضوع احادیث ہیں ۱

نیز کہتے ہیں: احمد بن حنبل اسی کی روایت کرتے ہیں جس کی لوگوں نے روایت کی ہے اگرچہ اس کا صحیح ہونا بھی ثابت نہ ہو اور جو تھوڑا سا بھی ظلم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ احمد نے فضائل میں جو بھی حدیث بیان کی ہے وہ اس کے بارے میں یہ نہیں کہتے ہیں یہ صحیح ہے جیسا کہ مسند کی حدیث کے بارے میں بھی ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ سچا ہے بلکہ ان کی مسند احادیث وہ ہیں جنہیں لوگوں نے اس شخص سے نقل کیا ہے جو نقل میں ان کے نزدیک مشہور تھا اس کا کذب ظاہر نہ تھا بعض حدیث ضعیف بلکہ باطل ہیں ۲

پھر فرماتے ہیں جو شخص احمد کی روایت کردہ سے جو کہ بھولتی ہو ۳ شاید لاتبہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ اسے تو احمد نے نقل کیا ہے تو صرف احمد کا نقل کرنا اس بات کا باعث نہیں ہے کہ حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے بلکہ امام احمد نے بہت سی احادیث اسلئے نقل کی ہیں تاکہ لوگ یہ جان لیں وہ ضعیف ہیں اور یہ بات ان کے کلام اور جوابات سے ظاہر ہے اور یہ اس سے زیادہ بیان کی نیاز مند نہیں ہے ہاں سند احمد میں ان کے بیٹے عبداللہ نے پھر قطعی نے اضافہ کیا ہے، قطعی نے ان کے بیٹے عبداللہ سے روایت کی ہے اس میں اپنے شیخ سے بھی زیادہ جعلی حدیث کا اضافہ کر دیا ہے ۴

اپنی کتاب ۵ قاعدہ جلیلی فی التوسل والوسیلہ ۶ میں لکھتے ہیں
حافظ ابوعلیاء ہمدانی اور شیخ ابو الفرج ابن جوزی میں اس بات پر نزاع ہو گئی تھی

کہ کیا مسند میں جعلی حدیث ہے؟ حافظ کا مسلک یہ ہے کہ مسند میں جعلی حدیث نہیں ہے اور ابو الفرج نے ثابت کیا ہے کہ اس میں موضوع حدیث ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مسند میں ایسی احادیث ہیں جن کا باطل ہونا واضح ہو گیا ہے دونوں کی باتوں میں منافات نہیں ہے کیونکہ ابو الفرج کی اصطلاح میں وہ حدیث باطل ہے جس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہے اگرچہ بیان کرنے والے نے جان بوجھ کر جھوٹ نہ بولا ہو بلکہ اس میں غلطی ہو گئی ہو،

لیکن حافظ ابوالسعود وغیرہ کی نظر میں موضوع وہ ہے جو جعلی ہے جس میں جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہو۔ لیکن جو عدا جھوٹ نہیں بولتا ہے اس کی روایت کو جھوٹ نہیں کہا جاسکتا ہے اس قاعدہ سے دین کو اچھا خاصا فہم پہنچا ہے،

اسی طرح قاعدہ کے بارے میں کہلے کہ احمد بن حنبل اور دیگر علماء فضائل الامال میں ان چیزوں کی روایت کرنے کو بھی جائز جلتے ہیں کہ جن کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ یہ ثابت نہیں ہیں یا ہیں نہ احمد بن حنبل نے فرمایا: ہم نے حلال و حرام کے بارے میں روایت کرنے میں شدت سے کام لیا ہے اور جب فضائل کے بارے میں روایت کی تو تساہل سے کام لیا، اس میں عبد الرحمن بن مہدی اور عبد اللہ بن المبارک ان کے ہم خیال ہیں،

ابن شیر نے اپنی کتاب "اختصار علوم الحدیث" میں لکھا ہے: لیکن مسند احمد کے بارے میں حافظ ابو موسیٰ بن ابی بکر مدینی کا یہ قول کہ وہ صحیح ہے تو یہ ضعیف ہے کیونکہ مسند میں ضعیف بلکہ جعلی حدیث بھی ہیں جیسے حص وغیرہ کے نزدیک مستطاب اور برث الامر کے فضائل کی احادیث جیسا کہ حفاظ کی ایک جماعت نے اس سے خبردار کیا ہے پھر امام احمد اپنی مسند میں بہت سی احادیث کو درج نہیں کر سکے ہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے انہوں نے روایت نہیں کی ہے جن کی تعداد صحیحین میں دو سو کے قریب ہے،

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

کہ انہوں نے مسند میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ متفرق اور علیحدہ علیحدہ اوراق کو مسودہ کے طور پر لکھتے تھے، ابھی اپنے مقصد تک نہیں پہنچے تھے کہ کوچ کا قارہ بجے لگا لہذا انہوں نے اپنے بیٹوں اور اہل خانہ کو مسودہ بنایا اور مسودہ صاف کرنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ گئے اور مسند ایسے ہی رہ گئی پھر ان کے بیٹے عبداللہ نے اس میں حسب منشاء اضافہ کیا اور اپنی سنی سنائی چیزوں کو شامل کر دیا، پھر قطیبی نے اپنی کتابوں میں اسی نسخہ سے احادیث نقل کی ہیں اور اس طرح زمانہ قدیم ہی سے مساند میں اختلاف اور تکرار ہو گئی اور بہت سی احادیث پر اگندہ کاغذات ہی پر رہ گئیں جو کسی کے ہاتھ نہ لگ سکیں مسند میں صحیح احادیث دست یاب نہیں ہیں۔

اور جب امام احمد یہ کہتے ہیں: اس کتاب میں نے سات لاکھ پانچ سو سے زائد احادیث میں سے منتخب احادیث جمع کی ہیں، پس جب مسلمانوں کے درمیان رسول کی کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں اگر وہ حدیث اس میں مل جائے تو صحیح ہے ورنہ جھٹ نہیں ہے، حافظ ابو عبداللہ ذہبی کہتے ہیں: احمد کا یہ قول مبنا ہے کیونکہ محمد بن اسد اور سنن وغیرہ میں اس سے زیادہ قوی حدیث موجود ہیں خدا نے یہی مقدر کر دیا تھا کہ امام نے مسند کی باز نویسی اور اپنی وفات سے ۱۳ سال قبل روایت کرنا چھوڑ دیا تھا یہی وجہ ہے جو ان کی کتاب میں مکرر چیز آگئی ہے اور مسند میں سند داخل ہو گئی ہے۔

حافظ ابن جوزی اپنی کتاب "صید الناطر" کے مقدمہ میں مسند کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

بعض اصحاب حدیث نے مجھ سے یہ سوال کیا: کیا مسند احمد میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے؟ میں نے کہا: ہاں اس بات کو ایک جماعت نے بہت اچھا لیا تو میں نے ان کی حرکت کے بارے میں یہ

سوچا یہ علوم ہیں اور اس کی فکر نہ کی لیکن جب انہوں نے قادیان کا علم بند کئے تو خراسان کی ایک جماعت ان میں سے ابو العلاء احمد بن علیؒ نے اس قول کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اس کی تردید اور اس کے کہنے والے کو برا بھلا کہا، اس سے مجھ کو بہت تعجب ہوا میں نے سوچا: عجب اب علماء بھی علوم ہو گئے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے حدیث سنی اور اس کے صحیح و سقیم ہونے کی تحقیق نہیں کی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ میں نے احمد کی روایت کردہ احادیث پر اعتراض کیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے احمد نے مشہور اور اچھی روایت کی روایت کی ہے اور پھر ان میں سے بہت سی کو رد کر دیا اور اسے اپنا مذہب نہیں قرار دیا کیا۔ الموضوع بالنبیۃ کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ یہ مجہول ہے، جو شخص ابو بکر اخطا کی تصنیف کتاب العلل کا مطالعہ کرے گا اسے بہت سی حدیثیں ملیں گی جو مسند احمد میں ہیں اور ان پر خود احمد نے اعتراض کیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲ کے بارے میں قاضی ابی علی بن الحسین افراد سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: احمد نے مسند میں شہرت حدیثیں نقل کی ہیں اور صحیح و سقیم کا لحاظ نہیں کیا ہے اس پر دلیل عبداللہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں میں نے والد سے کہا: آپ حذیفہ سے منقول ربیع بن خراش کی حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں: فرمایا: جبکہ انہوں نے عبدالعزیز بن ابی داؤد سے نقل کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: احادیث اس کے برخلاف ہیں میں نے کہا یہی آپ نے مسند میں بیان کی ہے فرمایا: میں نے مسند میں مشہور حج کرنے کا قصد کیا ہے اگر میرا ارادہ ان احادیث کو حج کرنا ہوتا تو میرے نزدیک صحیح ہیں تو میں نے مسند میں بیان نہ کرنا مگر تھوڑی بہت لیکن بیٹے حدیث کے متعلق تم میری روش سے واقف ہو میں ہر اس ضعیف کا خوف نہیں ہوں جس کی تردید پر کوئی دلیل نہ ہو

قاضی کہتے ہیں: مسند میں احمد نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کے بارے میں انہوں نے خود خبر دی ہے پس جس نے اسے صحت کی اصل قرار دیا اس نے ان کی مخالفت کی اور ان کے مقصد کو ٹک کر دیا، ابن جوزی کہتے ہیں: اس زمانہ میں یہ چہرہ میرے لئے باعث الم ہے کہ علماء اپنے علم میں

ابن جوزی رحمہ اللہ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۵ھ میں انتقال کیا،

کو تاہی کے سبب معلوم کی مانند ہو گئے ہیں جب ان کے سامنے کوئی موضوع حدیث آتی ہے تو کہتے ہیں یہ بھی مروی ہے، بہتوں کی اس بستی پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم ۛ

کتاب الاختلاف میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں: احمد بن حنبل نے اپنی وفات سے کئی سال قبل روایت کرنا چھوڑ دی تھی، ابو طالب مکی وغیرہ کا نظریہ ہے کہ ان کی روایت میں بہت سے اقوال داخل کر دیئے گئے ہیں جن کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ایسا یا تو غلط فہمی، غلط سمجھنے کی بنا پر ہو رہا ہے یا جان بوجھ کر جھوٹ باندھا گیا ہے ۛ

مرتد صحابی

فتح الباری میں ابن حجر لکھتے ہیں: مسند احمد میں زبیر بن عوف بن خلوف اٹھنی سے بھی روایت موجود ہے۔ یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا، حجت الوداع میں رسول کے ساتھ تھا آپ ص کے استعاضل کے بعد آپ سے روایت کرتا تھا پھر اس پر بدعتی سوار ہوئی اور عہد طری میں روم چلا گیا کسی بات پر ناراض ہوا تو روم والوں کی مدد کی، ایسے شخص سے حدیث نقل کرنا صحیح نہیں ہے شاید جس نے اس سے حدیث نقل کی ہے وہ اس کے مرتد ہوجانے کے واقع سے واقف نہیں تھا ۛ

یہ تحفہ مسند احمد کے بارے میں ائمہ کبار کے اقوال اور اس کی قدر و قیمت بیان کرنے کیلئے لکھی گئی ہیں، مسند ان معاصر میں شمار ہوئی ہے جو ہر ائمہ کا نہیں کیا جاتا اور ان سے حجت قائم کی جاتی ہے اس کی وہی حیثیت ہے جو دیگر مسانید کی ہے،

ۛ مقدمہ الخزانۃ الاولیٰ من المسند ص ۵۶، ۵۷،

ۛ ص ۵۳، ۛ فتح الباری ج ۳ ص ۷

جرح و تعدیل

مکتب حدیث سے بحث کے بعد ہم جرح و تعدیل کا موضوع شروع کرتے ہیں، جب روایت و احادیث میں دوسری چیزیں شامل کر دی گئی ہیں اور جب وہ بے دین اور اہل ہوس سے محفوظ نہ ہو سکیں انہوں نے ہوس پوری کرنے کیلئے جعلی حدیثوں کو رسول کا طرف منسوب کر دیا گیا۔ روایت کے حالات و احوال کا اختلاف ان کے درمیان ایسے لوگوں کا وجود جو ضابطہ سے نہ عادل نہ جبکہ یہ دونوں شرطیں روایت کی صحت کیلئے واجب ہیں۔ انھیں باتوں کے پیش نظر جلیل القدر علمائے روایت حدیث پر تنقید کا سلسلہ شروع کیا تاکہ لوگ ان اشخاص کے درجات سے واقف ہو جائیں جن سے روایا آئی ہیں اس تنقید کو علماء نے جرح و تعدیل کا نام دیا ہے،

مسلم نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ علم دین ہے ہوشیاری کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو، نیز کہا: لوگ اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے جب فتنہ پیا ہو گیا تو لوگوں نے کہا شروع کیا ہم بجاں کا نام بتاؤ،

نودی کہتے ہیں: روایت پر تنقید کا متفقہ طور پر جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ اس کا اقتضاء ہے تاکہ شریعت مقدسہ محفوظ رہے یہ تنقید حرام غیبت نہیں ہے بلکہ یہ خدا و رسول اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہے،

قرآن نے تنقید کا حکم دیا ہے اور اس کی دعوت دی ہے خدائے متعال کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ آمَنُوا ان جَاءكم ناصح بنباء فتيخوا۔ نیز فرمایا: واشهدواذوى عدل نكلم، اور فرمایا: ومن رخصون من الشهداء۔** تعریف کے انداز میں فرمایا: **نعم العبدانہ اداب، مذمت کے طور پر فرمایا: حماد مشاء بنسیم مثلاً الخیر مقتدائهم قتل بعد ذلك زینم۔**

پھر عبد رسول سے رجال پر تنقید ہوتی ہے ابن عدی۔ متوفی ۳۵۵ھ نے کتاب الکمال

بسم الله الرحمن الرحيم

ہے ان کے لیے یہ سب کچھ ہے۔ ان کے لیے یہ سب کچھ ہے۔ ان کے لیے یہ سب کچھ ہے۔

۱۲۸۸
 ۱۲۸۹

۱۴۸۸۱۴۸۹۱۴۹۰۱۴۹۱۴۹۲۱۴۹۳۱۴۹۴۱۴۹۵۱۴۹۶۱۴۹۷۱۴۹۸۱۴۹۹۱۵۰۰۱۵۰۱۵۰۲۱۵۰۳۱۵۰۴۱۵۰۵۱۵۰۶۱۵۰۷۱۵۰۸۱۵۰۹۱۵۱۰۱۵۱۱۱۵۱۲۱۵۱۳۱۵۱۴۱۵۱۵۱۵۱۶۱۵۱۷۱۵۱۸۱۵۱۹۱۵۲۰۱۵۲۱۵۲۲۱۵۲۳۱۵۲۴۱۵۲۵۱۵۲۶۱۵۲۷۱۵۲۸۱۵۲۹۱۵۳۰۱۵۳۱۵۳۲۱۵۳۳۱۵۳۴۱۵۳۵۱۵۳۶۱۵۳۷۱۵۳۸۱۵۳۹۱۵۴۰۱۵۴۱۵۴۲۱۵۴۳۱۵۴۴۱۵۴۵۱۵۴۶۱۵۴۷۱۵۴۸۱۵۴۹۱۵۵۰۱۵۵۱۵۵۲۱۵۵۳۱۵۵۴۱۵۵۵۱۵۵۶۱۵۵۷۱۵۵۸۱۵۵۹۱۵۶۰۱۵۶۱۵۶۲۱۵۶۳۱۵۶۴۱۵۶۵۱۵۶۶۱۵۶۷۱۵۶۸۱۵۶۹۱۵۷۰۱۵۷۱۵۷۲۱۵۷۳۱۵۷۴۱۵۷۵۱۵۷۶۱۵۷۷۱۵۷۸۱۵۷۹۱۵۸۰۱۵۸۱۵۸۲۱۵۸۳۱۵۸۴۱۵۸۵۱۵۸۶۱۵۸۷۱۵۸۸۱۵۸۹۱۵۹۰۱۵۹۱۵۹۲۱۵۹۳۱۵۹۴۱۵۹۵۱۵۹۶۱۵۹۷۱۵۹۸۱۵۹۹۱۶۰۰۱۶۰۱۶۰۲۱۶۰۳۱۶۰۴۱۶۰۵۱۶۰۶۱۶۰۷۱۶۰۸۱۶۰۹۱۶۱۰۱۶۱۱۱۶۱۲۱۶۱۳۱۶۱۴۱۶۱۵۱۶۱۶۱۶۱۷۱۶۱۸۱۶۱۹۱۶۲۰۱۶۲۱۶۲۲۱۶۲۳۱۶۲۴۱۶۲۵۱۶۲۶۱۶۲۷۱۶۲۸۱۶۲۹۱۶۳۰۱۶۳۱۶۳۲۱۶۳۳۱۶۳۴۱۶۳۵۱۶۳۶۱۶۳۷۱۶۳۸۱۶۳۹۱۶۴۰۱۶۴۱۶۴۲۱۶۴۳۱۶۴۴۱۶۴۵۱۶۴۶۱۶۴۷۱۶۴۸۱۶۴۹۱۶۵۰۱۶۵۱۶۵۲۱۶۵۳۱۶۵۴۱۶۵۵۱۶۵۶۱۶۵۷۱۶۵۸۱۶۵۹۱۶۶۰۱۶۶۱۶۶۲۱۶۶۳۱۶۶۴۱۶۶۵۱۶۶۶۱۶۶۷۱۶۶۸۱۶۶۹۱۶۷۰۱۶۷۱۶۷۲۱۶۷۳۱۶۷۴۱۶۷۵۱۶۷۶۱۶۷۷۱۶۷۸۱۶۷۹۱۶۸۰۱۶۸۱۶۸۲۱۶۸۳۱۶۸۴۱۶۸۵۱۶۸۶۱۶۸۷۱۶۸۸۱۶۸۹۱۶۹۰۱۶۹۱۶۹۲۱۶۹۳۱۶۹۴۱۶۹۵۱۶۹۶۱۶۹۷۱۶۹۸۱۶۹۹۱۷۰۰۱۷۰۱۷۰۲۱۷۰۳۱۷۰۴۱۷۰۵۱۷۰۶۱۷۰۷۱۷۰۸۱۷۰۹۱۷۱۰۱۷۱۱۱۷۱۲۱۷۱۳۱۷۱۴۱۷۱۵۱۷۱۶۱۷۱۷۱۷۱۸۱۷۱۹۱۷۲۰۱۷۲۱۷۲۲۱۷۲۳۱۷۲۴۱۷۲۵۱۷۲۶۱۷۲۷۱۷۲۸۱۷۲۹۱۷۳۰۱۷۳۱۷۳۲۱۷۳۳۱۷۳۴۱۷۳۵۱۷۳۶۱۷۳۷۱۷۳۸۱۷۳۹۱۷۴۰۱۷۴۱۷۴۲۱۷۴۳۱۷۴۴۱۷۴۵۱۷۴۶۱۷۴۷۱۷۴۸۱۷۴۹۱۷۵۰۱۷۵۱۷۵۲۱۷۵۳۱۷۵۴۱۷۵۵۱۷۵۶۱۷۵۷۱۷۵۸۱۷۵۹۱۷۶۰۱۷۶۱۷۶۲۱۷۶۳۱۷۶۴۱۷۶۵۱۷۶۶۱۷۶۷۱۷۶۸۱۷۶۹۱۷۷۰۱۷۷۱۷۷۲۱۷۷۳۱۷۷۴۱۷۷۵۱۷۷۶۱۷۷۷۱۷۷۸۱۷۷۹۱۷۸۰۱۷۸۱۷۸۲۱۷۸۳۱۷۸۴۱۷۸۵۱۷۸۶۱۷۸۷۱۷۸۸۱۷۸۹۱۷۹۰۱۷۹۱۷۹۲۱۷۹۳۱۷۹۴۱۷۹۵۱۷۹۶۱۷۹۷۱۷۹۸۱۷۹۹۱۸۰۰۱۸۰۱۸۰۲۱۸۰۳۱۸۰۴۱۸۰۵۱۸۰۶۱۸۰۷۱۸۰۸۱۸۰۹۱۸۱۰۱۸۱۱۱۸۱۲۱۸۱۳۱۸۱۴۱۸۱۵۱۸۱۶۱۸۱۷۱۸۱۸۱۸۱۹۱۸۲۰۱۸۲۱۸۲۲۱۸۲۳۱۸۲۴۱۸۲۵۱۸۲۶۱۸۲۷۱۸۲۸۱۸۲۹۱۸۳۰۱۸۳۱۸۳۲۱۸۳۳۱۸۳۴۱۸۳۵۱۸۳۶۱۸۳۷۱۸۳۸۱۸۳۹۱۸۴۰۱۸۴۱۸۴۲۱۸۴۳۱۸۴۴۱۸۴۵۱۸۴۶۱۸۴۷۱۸۴۸۱۸۴۹۱۸۵۰۱۸۵۱۸۵۲۱۸۵۳۱۸۵۴۱۸۵۵۱۸۵۶۱۸۵۷۱۸۵۸۱۸۵۹۱۸۶۰۱۸۶۱۸۶۲۱۸۶۳۱۸۶۴۱۸۶۵۱۸۶۶۱۸۶۷۱۸۶۸۱۸۶۹۱۸۷۰۱۸۷۱۸۷۲۱۸۷۳۱۸۷۴۱۸۷۵۱۸۷۶۱۸۷۷۱۸۷۸۱۸۷۹۱۸۸۰۱۸۸۱۸۸۲۱۸۸۳۱۸۸۴۱۸۸۵۱۸۸۶۱۸۸۷۱۸۸۸۱۸۸۹۱۸۹۰۱۸۹۱۸۹۲۱۸۹۳۱۸۹۴۱۸۹۵۱۸۹۶۱۸۹۷۱۸۹۸۱۸۹۹۱۹۰۰۱۹۰۱۹۰۲۱۹۰۳۱۹۰۴۱۹۰۵۱۹۰۶۱۹۰۷۱۹۰۸۱۹۰۹۱۹۱۰۱۹۱۱۱۹۱۲۱۹۱۳۱۹۱۴۱۹۱۵۱۹۱۶۱۹۱۷۱۹۱۸۱۹۱۹۱۹۲۰۱۹۲۱۹۲۲۱۹۲۳۱۹۲۴۱۹۲۵۱۹۲۶۱۹۲۷۱۹۲۸۱۹۲۹۱۹۳۰۱۹۳۱۹۳۲۱۹۳۳۱۹۳۴۱۹۳۵۱۹۳۶۱۹۳۷۱۹۳۸۱۹۳۹۱۹۴۰۱۹۴۱۹۴۲۱۹۴۳۱۹۴۴۱۹۴۵۱۹۴۶۱۹۴۷۱۹۴۸۱۹۴۹۱۹۵۰۱۹۵۱۹۵۲۱۹۵۳۱۹۵۴۱۹۵۵۱۹۵۶۱۹۵۷۱۹۵۸۱۹۵۹۱۹۶۰۱۹۶۱۹۶۲۱۹۶۳۱۹۶۴۱۹۶۵۱۹۶۶۱۹۶۷۱۹۶۸۱۹۶۹۱۹۷۰۱۹۷۱۹۷۲۱۹۷۳۱۹۷۴۱۹۷۵۱۹۷۶۱۹۷۷۱۹۷۸۱۹۷۹۱۹۸۰۱۹۸۱۹۸۲۱۹۸۳۱۹۸۴۱۹۸۵۱۹۸۶۱۹۸۷۱۹۸۸۱۹۸۹۱۹۹۰۱۹۹۱۹۹۲۱۹۹۳۱۹۹۴۱۹۹۵۱۹۹۶۱۹۹۷۱۹۹۸۱۹۹۹۲۰۰۲۰۰۱۲۰۰۲۲۰۰۳۲۰۰۴۲۰۰۵۲۰۰۶۲۰۰۷۲۰۰۸۲۰۰۹۲۰۱۰۲۰

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

[illegible][illegible]

اسباب جرح

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: جرح کے اسباب مختلف ہیں پانچ چیزیں ہیں اس کا دلو و مدلو ہے: بدعت یا مخالفت یا غلطی یا حالت سے ناواقفیت، یا سند کے انقطاع کا دعویٰ یا کہ کسی راوی کے بارے میں یہ دعویٰ کرے وہ حدیث میں تلبیس کرتا ہے یا ارسال کرتا ہے۔

جرح و تعدیل میں اختلاف

علامہ جرح نے اپنے مذاہب و احوال کے اختلاف کی بنا پر جرح و تعدیل میں اختلاف کیا ہے شروع و الائمہ ائمہ میں جاری لکھتے ہیں،
ائمہ نقل نے اپنے مذاہب کے اختلاف اور اپنی اصطلاحات کے تباہی کی بنا پر جرح کے بارے میں اختلاف کیا ہے، اکثر راوی عبد الرحمن بن مہدی کے نزدیک معتبر و ثقہ ہیں اور وہی راوی یحییٰ بن سعید انقطاع کے نزدیک مطعون و مجروح ہیں اور اس کے عکس جبکہ نقل پر تنقید کے سلسلے میں ان دونوں کو محدود سمجھا جاتا تھا اور ان سے حدیث لینے والے کی ثمان تھی۔
حافظ ابو عیسیٰ ارمذی لکھتے ہیں:

محمد بن زبیل علم کی جلیل القدر جماعت کے بارے میں بحث کی ہے اور ان کے حدیث محفوظ کرنے سے قبل انھیں ضعیف قرار دیا ہے جبکہ اسی جلیل القدر جماعت کو دوسروں نے اس کی جلالت و صداقت کی بنا پر ثقہ قرار دیا ہے اگرچہ اس جماعت کی بعض راہبوں میں شک کیا ہے، محمد بن عمرو کے بارے میں

بحث کی ہے اور پھر اس سے روایت کی ہے ایسے ہی ابن ابی یعلیٰ نے بھی ایک مرتبہ روایت کی ہے، ایک مرتبہ بغیر اسناد کے، یہ ان کے حفظ کی مرہون ہے۔ کیونکہ اکثر اہل علم نہیں لکھتے تھے یا جو لکھتا تھا وہ سارے کے بعد لکھتا تھا،

ہم یہاں ان کے اختلاف کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں: سب نہیں لکھ سکے لے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے،

① احمد بن صالح مصری، ابو جعفر بن طبری، ائمہ حدیث میں سے ایک فقہ و حدیث کے عالم جن سے بخاری اور ابوداؤد نے بہت زیادہ روایت کی ہے اور احمد بن حنبل بھی بن معین اور علی بن المذینی وغیرہ نے موثق قرار دیا ہے ان کے بارے میں نسائی کے خیالات نیک نہیں ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں وہ ثقہ و مامون نہیں تھے،

② احمد بن مقدم بن سلیمان غلی کو ابو حاتم و نسائی موثق قرار دیتے ہیں لیکن ابوداؤد کہتے ہیں میں ان سے حدیث نہیں لیتا ہوں کیونکہ وہ فساق کا سردار تھا،

③ خالد بن خالد القطارانی کوئی بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں، ان سے روایت کرتے ہیں، تنہا ان سے روایت کرتے ہیں، غلی کہتے ہیں ان میں شیعیت کی بوتھی، احمد بن حنبل کہتے ہیں ان کی منکر حدیثیں ہیں،

④ ابن عباس کے غلام حکمر کے دریدہ بخاری اور ابوباب بن سن نے حجت قلم کی ہے اور مسلم نے نظر انداز کیا ہے، اسی طرح ابن سیرین نے اپنے غلام برید سے کہا: تم مجھ پر ابن عباس کے غلام کی طرح جھوٹ نہ باندھنا،

⑤ واقدی کی شافعی نے تکذیب کی ہے اور دوسروں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے تہذیب التہذیب میں ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ واقدی قوم کے غلام میں بڑا عالم تھا، ثوری نے ابو حنیفہ کے ابن معین نے شافعی کے اور ذہبی نے بخاری کے بارے میں ایسی بات کہی ہے،

صاحب العلم الشانج، لکھتے ہیں: جرح و تعدیل کے بارے میں لوگوں کی آرا دو

اجہادات مختلف ہیں ایک ہی شخص کے بارے میں مختلف و متعدد اقوال ملتے ہیں یہاں تک کہ اسے ایک سے امیر المؤمنین کہتا ہے دوسرا بہت بڑا جھوٹا قرار دیتا ہے،

اس سلسلے میں آپ کے سامنے ہم علامہ رشید رضا کا جامع ترین کلام پیش کرتے ہیں، ہر اس شخص کی توثیق کرنا کہ جسکو مستقدمین ۷ اگلے لوگوں نے مؤثق قرار دیا ہے اگرچہ دلیل سے اس کے برخلاف ثابت ہو، اس سے خود ہمارے اوپر طعن و تشنیع کے دروازے کھلتے ہیں ایک تو یہ اندھی تقلید ہے اور دوسرے ہدایت قرآن کی مخالفت ہے۔

علامہ نے تعدیل رجال کے سلسلے میں مطلق طور پر علامہ کے اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ جہود کہ جرح و تعدیل والے پہلے لوگوں نے جس کو عادل قرار دیا ہے وہ عادل ہے اگرچہ ان کے بعد آنے والے ہر اس شخص میں جرح کے ایسے اسباب ہی کیوں نہ نظر آئیں جو متقدمین کو نظر نہیں آئے تھے، اپنی مستقل رائے رکھنے والے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لہذا اس کلام کو خاتمہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں اور ان علامہ نے جو یہ اور دیگر اقوال پیش کئے ہیں وہ ہم نے علامہ اہل سنت میں سے کسی اور کے یہاں نہیں دیکھے ایسے ہی اس زمانہ بلکہ ہر زمانہ میں حدیث کی تحقیق اور اس کی چھان بین اور اس کے سمجھنے میں کسی کو اتنا غور کرتے بھی نہیں دیکھا ہے جتنے موصوف تھے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ استاد، امام محمد عہدہ کے نمایاں اور سونہار شاگرد تھے ان کے استاد نے اپنا علم چیلایا اور دین میں اپنے مذہب کی تفسیر کی اسے کامل کیا اس کی حفاظت کی اور اس کی تدوین کی انہیں اپنے استاد سے وہی نسبت تھی تو ابو حنیفہ اور شافعی کے شاگردوں کو اپنے استاد سے تھی،

الروض الباسم ۷ میں وزیر ایٹائی کہتے ہیں،

جرح و تعدیل کے بہت سے ائمہ راوی کے ہمارے میں تردیدیں نظر آتے ہیں، ایک مرتبہ راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں، پھر اسے ضعیف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معاملہ ایسی کثرت میں

داخل ہو گیا جہاں اسے صحیح طریقے سے نہیں پڑھا جاتا ہے اس سلسلے میں تحری و اجتہاد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس طرح اس میں بھی فقہاء کی نظر تمام غلطی حوادث کی مانند ہے لہذا راوی کے بارے میں ابن معین کے دو قول میں توثیق اور تضعیف ۔

دوہم سے استنثار ممکن نہیں ہے، عادل معصوم نہیں ہیں اور پھر عصمت بھی تبلیغ میں دوہم نہیں ہونے دیتی دیگر امور میں دوہم کا سد باب نہیں کرتا جکہ رسول کو بعض نمازوں کے بارے میں دوہم ہوا ہے چنانچہ ذوالیدین نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے نماز قصر پڑھی ہے یا بھول گئے؟ یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح آئی ہے۔ قل ————— صلی علیہ وآلہ وسلم ————— رحمۃ اللہ فلانا لقد ذکرنی ایک کنت انستھا۔ رسولؐ نے فرمایا: خدا فلاں شخص پر رحم کرے گا جس نے مجھے وہ آیت یاد دلائی جسے میں بھول گیا تھا،

صحیحین میں عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عمر کے بارے میں کہا: انہوں نے جھوٹ نہیں کہا، لیکن انھیں وہم ہو گیا۔

اس سلسلے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں، ابو جعفر رازی عیسیٰ بن ماہان، عبد اللہ بن ماہان بھی کہا گیا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں حدیث میں ان کا کافی حصہ ہے لیکن پھر ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا، حاکم عبد العظیم کہتے ہیں: ان کے بارے میں ابن مدینی ابن معین اور احمد بن حنبل کے درمیان اختلاف ہے، مدینی انہیں ثقہ کہتے ہیں اور ایک مرتبہ خطا کا قمر لیتے ہیں ایک مرتبہ احمد کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں، پھر کہتے ہیں حدیث میں ان کا حصہ ہے، ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ ہیں ان کی حدیث ان کی توشیح کے بارے میں علامہ کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ اس وہم کی معرفت — کہ جسکے ہوتے ہوئے صدق کا احتمال نہیں دیا جاسکتا — اجتہادی مسئلہ ہے اس سلسلے میں حافظہ کے دو قول ہو گئے اور جیسا کہ مسائل فقہ میں فقہ کے بھی دو قول ہیں امام شافعی نے ابراہیم بن ابی نعیم اسلمی سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور انہیں متفق

چنانچہ جبکہ اکثر لوگوں نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے ابن عبدالبر نے اپنی کتاب تمہید میں لکھا ہے ابن نجی کی تجریر پر شافعی کو چھوڑ کر مالک کا اجماع ہے۔

دوسری مثال: محمد بن اسحاق اسلام کے ابتدائی حوادث کا بڑا مورخ ہے، قاعدہ کہتے ہیں جب تک محمد بن اسحاق زندہ تھے لوگوں میں علم کا بول بالا تھا اور انھیں کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں، سفیان کہتے ہیں: میں نے محمد بن اسحق پر کسی کو تہمت لگاتے نہیں دیکھا دارقطنی کہتے ہیں: ان کے اور ان کے باپ کے ذریعہ حجت قائم نہیں کی جاسکتی، مالک فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھے۔

جرح تعدیل پر مقدمہ ہے

ابن الصلاح کہتے ہیں: جب کسی شخص میں جرح و تعدیل جمع ہو جائے تو اس وقت جرح مقدم ہے کیونکہ معدل اس چیز کے بارے میں بتاتا ہے جو اس کے ظاہری حالات سے مشابہہ کہے اور جارج اس کے باطن کے متعلق بتاتا ہے جو کہ معدل سے پوشیدہ ہے، پھر اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہو تو کہا گیا ہے کہ تعدیل اولیٰ ہے لیکن جو چیز صحیح ہے اور جہود کا مسلک ہے وہ یہ ہے کہ جرح اولیٰ ہے۔^۱ مخفی نہ رہے کہ علما جرح و تعدیل نے رسولؐ سے مروی احادیث کی تخصیص میں بڑی کوشش کی ہے وہ تحسین قانون کے مستحق ہیں، لیکن اس وقت نظر کے باوجود اپنے عمل سے مقصد تک نہیں پہنچ سکے ہیں، کیونکہ آج بھی احادیث کی کتب میں قابل اشکال احادیث موجود ہیں یا ایسی احادیث ہیں جن کا موضوع و جملی ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ ان کی کوتاہی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ انہوں نے پوری تندی سے اپنا کام انجام دیا یہ کام ان کی طاقت بشری سے اوپر ہے اسلئے کہ وہ رجال پر ان کے ظاہری احوال اور اخبار کے ذریعہ جو کچھ

۱۔ ص ۱۶۳، ۲۔ فجر الاسلام ص ۳۶۶، ۳۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۲،

ان کے اعمال معلوم ہوتے ہیں ان کے مطابق وہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن ان کے باطن اور نفوس و ضمائر میں چھپی ہوئی باتوں کا سراغ لگانا ان کے قبضہ کی بات نہیں ہے اس سے صرف ظاہر الغیوب ہی واقف ہے بہت سے لوگ بظاہر نیک و شریف ہوتے ہیں لیکن جب ان کی باطنی کیفیت واضح ہو جاتی ہے تو آپ پر اس کی برائی عیاں ہوتی ہے، یہ ایسی بات ہے کہ جس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے اس موضوع پر محقق علماء نے بحث کی ہے، مجتہدین و ذریعہ ایمانی، اروضہ الباسم میں لکھتے ہیں ۱۔

ظاہر کے اعتبار پر اجماع ہے، باطن پر نہیں چنانچہ جس کا نفاق آشکار اور کفر ظاہر ہو اس کی حدیث کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جس نے اسلام و امانت داری اور صداقت کا اظہار کیا تو اس کی حدیث قابل قبول ہے اگرچہ باطن میں و ظاہر کے برخلاف ہے، کیونکہ جو ہم پر واجب تھا وہ ادا کر دیا اور حق کی تلاش میں پوری کوشش صرف کی، پھر رسول بھی ظاہر پر عمل کرتے تھے باطن کے علم سے سروکار نہیں رکھتے تھے اور اسی چیز کی طرف اس آیت کے ذریعہ اشارہ کیا ہے "لا تلمسہم نحن نلمسہم" انہیں آپ نہیں جانتے ہیں ہم جانتے ہیں، یعنی رسول منافقین کو نہیں جانتے تھے یہ سودہ توبہ کی آیت ایک سو ایک ہے پوری حدیث اس طرح ہے، "ومن یؤمّن بالله و یطہر نفسه و یؤتی مالا علی انفاق تعلیمہم نطمہم سندھم ثم یرسلنا الیہم ذکراً و احسین نے اس سلسلے میں بہت اچھی بات کہی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب کی تقریر میں درج کیا ہے،

زمانہ قدیم کے علماء ان چیزوں کو سمجھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا صحیح حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اسے جھوٹے لوگوں کے کذب سے پاک کرتے تھے اس اجتہاد میں ان کا وسیع صرف یہ تھا کہ وہ حدیث نقل کرنے والے رجال کی زندگی کی تحقیق کرتے تھے یہاں تک کہ حدیث کی تدوین مکمل ہو گئی رجال میں سے ہر ایک کی تحقیق کرتے اور اس بات کا یہ نگاہ تھے کہ راوی پاک سیرت اور اللہ و رسول پر صدق دل سے ایمان رکھتا اور اپنی تمام باتوں میں صداقت کو شدید طور پر ملحوظ رکھتا تھا،

خصوصاً حدیث رسول پر سنی مشکوٰۃ تھی جسے علماء حدیث نے بار بار دیکھا اور جہاں تک ممکن تھا اس سلسلہ میں خلوص سے کام لیا۔

لیکن یہ شدید اور بار بار کوشش کافی نہیں تھی کیونکہ سب سے دشوار اور پیچیدہ کام لوگوں و رجال کی حیات کا تتبع اور اس کے دقائق سے پردہ اٹھانا ہے ممکن ہے اس سلسلہ میں چھان بین کی جائے مگر لوگوں کے حقائق اور ان کے اسرار کے دقائق تک رسائی نہ ہو سکے اور ان کے اسرار کا سراغ نہ مل سکے اور ان کے نفوس و سیرت کی گونا گوں مخفی کمزوریوں کا پتہ نہ لگ سکے،

اسی جدوجہد کے ساتھ ایک اور سی کا اضافہ ہونا چاہیے تھا اور وہ خود نص کی تحقیق ہے ممکن ہے ایک شخص بظاہر صادق و امین ہو یعنی اگر وہ قاضیوں کے سامنے گواہی دے تو اس کی گواہی کو وہ قبول کریں گے لیکن دلوں کے بھید اور ضمیروں میں چھپی ہوئی چیزوں کا علم صرف خدا ہی کو ہے ایسے وہ رجال کہ جن سے حدیث نقل کی جاتی ہے ممکن ہے وہ بھی ان کی مانند صادق و امین ہو اور قاضی اس کی گواہی قبول کرتے ہوں لیکن باطنی طور پر وہ صحیح نہ ہوں تو اس صحت میں ایسے عادل لوگوں سے نقل ہونے والی احادیث کی نص میں غور و خوض کر لیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کس حد تک قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن میں کسی بھی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اسلئے کہ قرآن مجید ہم تک کی فرد و جماعت کی نقل کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے بلکہ اسے اجتماعی طور پر امت اسلامیہ کی نسلوں نے ایک بالترتیب اس صورت میں ایک دوسرے سے نقل کیا ہے جس میں آج ہم دیکھتے ہیں،

اور ان نسلوں نے اپنے حافظے سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ تحریروں و کتبی صورت میں ایک نے دوسرے تک پہنچایا ہے، یہ خود رسول کے زمانہ میں رشتہ و تحریر میں لایا گیا، ابو بکر کے زمانہ خلافت میں جمع ہوا اور عبد شمنان میں مصاحف میں لکھا گیا اور ممالک میں نشر کیا گیا اس سلسلہ میں مکتوب اور ذہنی دونوں روایتوں کا اجتماع ہے اور دونوں میں ہمیشہ مطابقت رہی ہے لہذا قرآن کی نصوص میں سے کسی میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ قرآن ہم تک جن طریق و نصوص سے پہنچا ہے ان میں شک نہیں کیا جاسکتا ہم نے حقائق کو ان ہی کی صورت میں پیش کیا ہے اور تاریخی واقعات کو ان کی چھان بین

کے بعد رقم کیا ہے، خدا کی قسم کسی کو اپنی طرف سے مشہم کرنے کا ارادہ نہیں کیا ہے صحابہ اپنی جگہ ... لیکن وہ بھی بشر ہیں ان میں اچھے بھی ہیں برے بھی، بچے بھی ہیں جھوٹے بھی، وہ بھی زندگی گزارتے تھے اس سے لذت اندوز ہوتے تھے جیسا کہ دوسرے لوگ لطف اٹھاتے ہیں اور پھر ان تمام باتوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اس کی ضیاء اس کی عظیم کتاب کے ذریعہ قیامت تک لوگوں تک پہنچتا رہے گی،



jabir.abbas@yahoo.com

عدالت صحابہ

تمام صحابہ عادل ہیں یہ مسئلہ بہت اہم ہے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور ہر زمانہ میں اس موضوع پر تلخ و ترش بحثیں ہوتی ہیں، اس لیے یہ بحث اہمیت کی حامل ہوئی اس پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ اس سلسلے میں رائے متبادل ہو جائے اور اختلاف ختم ہو جائے۔

اس عدالت کے بارے میں مسالوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے جبکہ یہ فیض مسلم ہے قرآن مجید اور رسولؐ نے اس کا فیصلہ کیا ہے، لہذا اس میں اختلاف نہیں کیا جاسکتا اور یہ جدل کا محتاج ہے کیا اس فیصلہ میں اختلاف وجدال کرنا یہ صحیح ہے جس کا قرآن اور رسولؐ نے فیصلہ کر دیا ہو اس میں ایک جماعت نے جانچ سے کام لیا اور تمام صحابہ کو عادل قرار دیا یہاں تک کہ اس صحابہ کو بھی عادل بنا دیا جو فتنوں میں مبتلا رہا اور قرآن نے جس کو منافق بتایا ہے، عادل کا مطلب یہ کہ صحابہ میں سے کسی پر بھی تنقید نہیں کی جاسکتی اور نہ ان میں سے کسی کی روایت میں شک کیا جاسکتا ہے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ فاسق ہے،

آپ کی جان کی قسم یہ معتبر جانتے ہیں اسلاف اور ستائش میں جانچنے والے کے علاوہ قرآن و حدیث کے محتوی کے برخلاف ہے اور انسانی مزاج کے موافق نہیں ہے،

تمام صحابہ عادل ہیں اور حدیث کی کتابیں مقدس ہیں، اسلام پر وارد ہونے والے دشمنوں کے طعنوں کا اور اس کے سنجیدہ دوستوں کے رنج کا سرچشمہ یہی دو باتیں ہیں، اس لیے کہ تمام صحابہ کو عادل

تسلیم کرنے کا لازم یہ ہے کہ انہوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ سب موثق ہیں ان کی روایتوں سے حدیث کی کتب بھری پڑی ہیں جبکہ ان میں کوڑا کرکٹ بھی موجود ہے اور یہی کوڑا کرکٹ ضرر رساں ہے، اس چیز میں مسلمانوں کو جو ضرر و نقصان پہنچے ہیں اگر ہم سب کو جمع کریں تو بحث طویل ہو جائیگی لہذا دو نقصان کے بیان پر اکتفا کر جاتی ہے،

اول وہ شدید اختلاف ہے جو عثمان کے زمانہ سے پیدا ہوا اور آن حکم چلا آ رہا ہے اور بعد تک جلتا رہے گا جس نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی ہے، جس نے مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈال دیا انہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور متباہن کر دی اور متعدد مذاہب میں بانٹ دیا ہے یا عقائد میں یا عبادات میں یا معاملات میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور ان لوگوں کو بدگمانی پیدا کر دی جنہوں نے صدیوں مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ وہ سب اللہ کی رسی کو تھامیں تفرقہ کا شکار نہ ہوں، لیکن اختلاف ختم نہ ہو سکا اور نہ کبھی ختم ہو گا ملت اسلامیہ کے رگ و پے میں اثر جائے گا یہ ناقابل انکار حقیقت ہے،

دوم حدیث کی کتابوں میں ایسی جہالت و خرافات کی باتیں ہیں جن کو نہ صحیح عقل قبول کرتی ہے اور نہ صحیح علم ان کی تائید کرتا ہے لہذا ان کی وجہ سے اسلام پیرسلسل طعنوں کی بوجھا رہتی رہتی ہے یہاں تک کہ بعض نے تو اسلام کو، خرافات اور باہم کا دین قرار دیدیا ہے، مگر علم و عمران کے زمانہ میں بھی ان کی اصلاح نہ ہو سکی، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایسی حدیثوں کو بیان کرنے والے بھی صحابہ ہی ہیں پھر ان سے روایت نے لیں اور رجال حدیث نے اپنی کتابوں میں درج کر لیا اور جب ہم یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ اسلام پر جو مصیبت و بلاتنازل ہوتی ہے اس کا سرچشمہ دو چیزیں ہیں، مطلق طور پر صحابہ کو عادل ماننا اور حدیث کی ان کتابوں پر اندھے ہو کر اعتماد کرنا جن میں اچھی بری باتیں درج ہیں ہماری یہ بات حقیقت سے دور نہیں ہے۔

اگر ہم سیدھی راہ پر چلتے جت واضح کے پابند ہوتے منطق عقل کا اتباع کرتے اور علماء کا وہ رائے اختیار کرتے جو کہ انہوں نے اپنی تحقیق کے زمانہ میں کسی تقلیدی اثر اور عاطفی جذبہ نہ خواہ صحابہ کی شخصیتوں اور ان کی روایت کردہ چیزوں سے متاثر ہوئے بغیر اختیار کیا تھا تو حق واضح ہو جاتا اور نور اسلام ضو فشاں ہو جاتا اور پوری دنیا کے مسلمان متفق ہو کر جبل اللہ سے شمسک ہو جاتے،

[illegible]

ذات الحی کریم

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥
 श्रीकृष्णाय नमः ॥
 श्रीगुरुभ्यो नमः ॥

کتاب الامانی فیروز الصحابہ کے مقدمہ میں صحابی کی تعریف کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں:
میرے نزدیک صحیح معنی میں وہ صحابی ہے جس نے رسولؐ سے آپؐ پر ایمان کی حالت میں ملاقات
کی اور مسلمان ہوا، اس لحاظ سے آپؐ سے ملاقات کرنے والا اور آپؐ کے ہمراہ جنگ کرنے والا اور آپؐ کو
ایک مرتبہ دیکھنے والا بھی صحابی ہے خواہ آپؐ کی ہمیشگی اختیار نہ کی ہو یا کسی عارض ہونے والی چیز کی بنا پر
نہ دیکھ سکا ہو، جیسے اندھا ہے۔

روایات حدیث کے حالات کو علماء نے واجب چاہا ہے، جیسا کہ آپؐ گذشتہ فصل میں ملاحظہ
فرما چکے ہیں، اس سلسلے میں وہ حق پر ہیں کیونکہ بغیر تحقیق و تمحیص اور تنقید کے ہر شخص کی بات
کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، لہذا علماء نے روایت کی جرح و تعدیل کا قاعدہ بنایا، ہر راوی کو ان کے مطابق
پرکھنا ضروری ہے خواہ اس کی شان کچھ بھی ہو، وہ تو صحابہ کی دہلیز سے آگے نہیں بڑھے وہ تمام صحابہ کو
عادل الہی پر تنقید کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اس سلسلے میں ان کا قول ہے، ان کی بساط سمٹ چکی ہے،
تجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ اس موقع پر جمع ہوئے ہیں جبکہ خود صحابہ نے ایک دوسرے
پر تنقید کی اور ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان کیے
تقریب میں نووی لکھتے ہیں: صحابہ سب ہی عادل ہیں تو وہ وہ فتنہ ہی میں ملوث ہوئے اور
ذہبی نے اس راویوں کو کہ انہوں نے روایات ثقات کے بارے میں لکھا ہے اس میں لکھا ہے،

اگر ہم نے جرح و تعدیل کا باب کھلایا اور اس میں بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ کو داخل کر لیا ہے
لیکن بعض صحابہ نے تو بعض کو کافر کہا ہے، کس تاویل سے! اور خدا ہر ایک سے راضی ہو جائے گا،
انہیں بخش دے گا تو وہ معصوم نہیں ہیں،

پھر کہتے ہیں: لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بساط سمٹ چکی ہے جو کچھ ہوا سو ہوا اگرچہ
انہوں نے بھی دوسرے ثقات کی طرح غلطی کی کوئی بھی غلط عمل کے ارتکاب سے نہ بچ سکا۔ لیکن یہ غلطی

چھوٹا ہے اس سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ ان کی عدالت کے قائل ہیں اور ان سے نقل ہونے والی حدیثوں کو قبول کرتے ہیں۔

تاہم میں ایسے بہت کم ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوں لیکن ان کے یہاں غلط کام اور اوہام ہیں ان میں سے بعض سے حدیث میں ایک اور بعض سے متعدد غلطیاں ہوئی ہیں ان میں وہ بھی جو عالم کا ظرف ہے وہ بھی بحثا جائے گا اس کی حدیث نقل ہوئی اس پر عمل کیا گیا اسی صفت کے مالک اور علم کے بارے میں اللہ کے درمیان بحث ہوئی کہ اس سے جنت قائم کی جاسکتا ہے اور جس سے لعنہ ہوئی ہے اس کی حدیث سے جنت قائم نہیں کی جاسکتی لیکن اصحاب تابعین جیسے مالک اور اوزاعی وغیرہ کے بھی وہی مراتب ہیں جو ذکر ہوئے ہیں ان کے زمانہ میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں یا بہت زیادہ غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کی حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے، مالک کو لیجئے جو کہ امت کے درمیان ستارہ ہلاکت ہیں یہ بھی تنقید سے نہیں بچ سکے ہیں اگرچہ مالک سے احتجاج کے وقت کسی کہنے والے نے غدر ہی کی بنا پر کچھ کہا ہے، ایسے ہی اوزاعی ثقہ ہیں جنت میں بہت سی چیزوں میں یکتا ہیں انہوں نے زہری سے حدیث لی ہیں ان کے بارے میں بھی کچھ کہا جاسکتا ہے احمد بن حنبل ان کے متعلق فرماتے ہیں ان کی رائے ضعیف ان کی حدیث بھی ضعیف ہے،

یہ بات بہت وسیع ہے محمد بن اویس ثنائی جن کی فضیلت معارف امانت داری اور ثقہ ہونے کی شہرت ہے ایسے حافظ جن سے بہت کم غلطیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں عربین عبد البر لکھتے ہیں: محمد بن وھار سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن مسین سے شافعی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: ثقہ نہیں ہیں، شافعی کے بارے میں ابن مسین کا قول ہے: خواہش نفس اور عصبیت کی بنا پر ان کی زبان سے لعنہ ہوئی ہے ابن مسین اگرچہ محدث تھے لیکن حنفی تھے۔

جنہر بن محمد الصادق کو ابو حاتم اور نسائی نے ثقہ تسلیم کیا ہے مگر بخاری نے آپ سے روایت نہیں کی ہے، سعید بن ابی عروہ: ثقہ ہیں لیکن آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا کتا بوں میں ان کی حدیث موجود ہیں وہ قدری تھے، احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ولید بن مسلم: اہل دمشق کے عالم ثقہ حافظ ہیں لیکن ضعیفہ سے روایت کرتے ہیں تمکّم کہلو
میں ان کی حدیثیں ہیں،

آمدی کہتے ہیں: عدالت صحابہ پر تمام ائمہ جمہور کا اتفاق ہے ایک جماعت کا قول ہے
صحابہ اس حیثیت سے عادل ہیں کہ روایت میں ان کے بعد والوں کی عدالت سے بحث کی جائے بعض
کہتے ہیں: صحابہ آپسی فتنہ و اختلاف واقع ہونے کے وقت تک عادل تھے سکے بعد ان میں سے
راوی یا شاہد کی عدالت سے بحث ضروری ہے کیونکہ اس کی عدالت ظاہر و واضح نہیں ہے کچھ کہتے ہیں
صحابہ میں سے جس عالم نے بھی غلطی سے جنگ کی وہ فاسق ہے اور اس کی روایت و گواہی قابل قبول نہیں
ہے چند لوگوں کا نظریہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کی روایت و شہادت تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ دونوں
میں سے ایک فاسق ہے اور وہ معلوم و یقین نہیں ہے،

مستضعفی میں غزالی لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ زعم بحث میں صحابہ کا بھی
وہی حیثیت ہے جو دوسروں کی ہے، ایک جماعت کہتی ہے پہلے وہ عادل تھے لیکن جب جنگ اڑھٹیا
وہود میں آگئیں تو حالات بدل گئے خونریزی ہوئی لہذا عدالت سے بحث ضروری ہے،
جو لوگ تمام صحابہ کو عادل مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اصحابی کانہم باہیم
اقتدیتم اہدیتم، دوسری روایت میں ہے تم جس کے قول پر بھی عمل کرو گے۔ لیکن یہ حدیث
باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے،

بہترین بحث

امام قبلانی نے اپنی کتاب "العلم الشارح فی تفضیل الحق علی الآباء والاشاخ" میں ایک بہترین
فصل قائم کی ہے اور اس میں دین میں اختلاف صحابہ اور ان کی عدالت سے بحث کی ہے فادیت کیلئے ہم اس
کے بعض حصے یہاں بیان کرتے ہیں،

خدا نے دین میں اختلاف کرنے سے روکا ہے، خدا جانتا تھا کہ دین میں اس کے کیا نقصانات ہوں گے لہذا اپنی کتاب میں اس کو مکرر بیان کیا ہے، ایسے ہی بنی اسرائیل کیلئے بھی مکرر بیان تھا چنانچہ ارشاد ہے: **وما تفرقوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغیا بينهم**، اسی مفہوم کی دیگر آیات بھی ہیں خدا کا قول صادق ہے ہم نے تو انہیں چیزوں میں اختلاف پایا ہے جن میں حق واضح ہے رسول نے اختلافی بحثوں سے منع کیا ہے جیسے قدر کے بارے میں جدال سے روکا ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے، **لا تسکون** اشیاء ان تبدلکم تسوکم،

رسول کا ارشاد ہے کہ جن چیزوں میں تم سے سروکار نہیں رکھتا تم بھی ان میں مجھ سے طلب نہ رکھو، پھر خدا نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا ہے اب کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جو ہم کو جنت سے قریب کر دے اور نہ ایسی چیز رہی جو جہنم میں لے جائے اور جس کو خدا و رسولؐ نے بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں خدا یہ نہیں چاہتا ہے کہ ہم اپنی قاصر عقلوں سے اس کی چھاندیں کریں کیونکہ دنیا خدا کے علم میں محدود ہے انبیاء و ائمہ نام نہت و جنت کیلئے آئے تھے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فضل ہے جس سے نہ نقصان کا خوف ہے نہ فائدہ کا توقع ہے، اور اس سلسلے میں متعدد خدا بہترین صدی میں پورا ہو گیا اس صدی کے لوگ اختلاف سے شدید طور پر ڈرتے تھے اور اگر ان سے چوک ہو جاتی تھی تو اس کی صحیح منوں میں تلافی کرتے تھے اور جان بوجھ کر اس کے پراصرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ ظوظ میرزا اور عائشہ کا رویہ تھا اور خلافت و نبوت کے بعد جن صحابہ کا حکام جو رسے سابقہ ہوا انہوں نے صبر سے کام لیا یہاں تک کہ ان چیزوں کے بیان کے سبب بدعت ظاہر ہو گئی جن کو خدا و رسولؐ نے بیان نہیں کیا تھا اگر اس میں لوگوں کے لئے کوئی بھلائی ہوئی تو خدا اپنے رسولؐ کے ذریعہ اس سے انھیں ضرور آگاہ کرتا اور انہیں ہرگز فتنہ میں نہ چھوڑتا، پھر خود مسلمانوں کے درمیان نئی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں جیسے قدر کا مسئلہ، خلقِ قرآن کی بحث جیکہ صحابہ کے درمیان ایسی کوئی بحث نہیں تھی ان چیزوں سے مراد اور بادشاہوں کے درمیان مناظروں کے باب کھل گئے جس سے عصیت و نزاع و جود میں آگئی یہ صرف حد سے بوجھ جانے کا نتیجہ تھا انہوں نے خدا و رسولؐ کی مقرر کردہ حد میں رہنا پسند نہیں کیا تو خدا نے انہیں گروہوں میں

تقسیم کر دیا تو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے لگے چنانچہ اگر ظنہ انکا طر فدار ہوتا تو یہ اپنے مخالفوں کو سخت سزائیں دینا شروع کر دیتے تھے اور دوسرا پہلے کی مخالفت کرے اسکی سنت کو ختم کر دیتا اور انہیں عبرت ناک سزائیں دیتا تھا، اسی طرح شہر نے بڑوں پر گھریں اور لوگ فرقوں میں بٹ گئے ۔

ان میں ایسے بھی تھے جو شیخ یا دولت یا دیگر دینی و عصیت کے امور کی وجہ سے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے اختیار کرتے تھے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن عبدالحکم نے شافعی کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر آنے کا ارادہ کیا تو کسی نے کہا: شافعی نے یہ فرمایا: ہے کہ میری جگہ کے ربع زیادہ حقدار ہیں اس سے عبدالحکم غضب ناک اور مالک کا مذہب اختیار کیا ایک کتاب لکھی جس کا نام "الرد علی محمد بن ادریس فیما خالف فیہ الکتاب والسنۃ" رکھا ابن اسکی نے ایسا ہی لکھا ہے اور اس بات کو خدا اور علم میں راسخ حضرات جانتے ہیں کہ کسی بھی فرقہ کے پاس سارا حق نہیں ہے اور نہ دوسرے از سر باطل پر ہیں ہاں ان کے مجموعہ سے حق خارج نہیں ہوا ہے پورا حق اس کے ساتھ ہے جو اس راستہ پر باقی رہا جس پر رسولؐ تھے، اس سے سائل اجتہاد میں خطا ہونا بھی ضروری ہے واضح رہے کہ اجتہاد کی خطا میں لیکن مہمات کی خطا معاف نہیں ہیں، مجھے بتائیے کہ کون ہے جو رسولؐ کے راستہ پر باقی رہا اور رسولؐ سے نقل ہونے والی حدیثوں پر قانع رہا اور دوسرا مذہب نہیں بنایا جبکہ اسلام کتاب و سنت کو دیکھتے تھے انھیں نہ یہ مرض تھا نہ اس کا دوا چھوڑنے لگے تو کون نہیں خدا کی قسم مجھے تو ان ضمیمہ کتابوں میں فتنہ اور ادھر ادھر کی چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا ہے کتاب خدا کو بھی اپنے عقیدہ کی طرف موڑ لیا ہے اس میں بھی تحریف کر دی ہے،

تمسکین کے احوال سے بحث کرنے کے بعد محدثین کے اقوال بیان کرتے ہیں،

وہ محدثین جو بزرگ خود سنت پر باقی ہیں اور علم کلام سے منع کرتے ہیں ان میں دوسروں سے زیادہ فتنے سرایت کر آئے ہیں کیونکہ وہ شریعت کی راہ میں بیٹھے ہیں لیکن منصفہ، جنگ و جدال سانپ بچھو، زہریلے اور پھاڑ کھانے والے جانور جو راہ میں ہیں وہ اللہ سے زیادہ ضرر رساں ہیں اس کے باوجود ان کا مرغن کلام میں غور کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اور پھر یہ تمسکین سے بھی زیادہ شدت

پسند ہو گئے کیونکہ مسکین نے تو اپنے مسلک کی بنیاد تقشیر اور اس بات پر رکھی کہ طالب علم اس پر سوتا قائم نہ کرے، اختراعِ عکندہ نہ سمجھے بلکہ اسے ظرافت و کمال خیال کہے کیونکہ اکثر بعد میں آنے والے کے سامنے فریقین کے اقوال مع نظریات کے آجاتے ہیں جیسا کہ اشعری کی پیروی کرنے والوں پر عیاں ہو گیا کہ جبر کا عقیدہ باطل ہے تو تحقیق میں مشغول ہوئے تو اس کا غلط ہونا واضح ہو گیا لہذا انہوں نے معتزلہ کا مذہب اختیار کر لیا اور یہ اختیار کا عقیدہ معتزلہ ہی سے منقح نہیں ہے جس سے فرار کیا جائے بلکہ یہی دینِ خدا اور اس کی حجت ہے، پھر جس نے متاخرین میں سے تحقیق کی اس پر وہ چیز آسان ہو گئی، جو اس کے اسلاف کیلئے سخت تھی اور اس کا مزاج نرم ہو گیا لیکن محدثین کا نے جو چیز پہلے دن اختیار کی تو پھر تحقیق ہی نہیں کی گویا کہ دوسری چیز بدعت ہے یہ سچے ہیں لیکن یہ اول و سے آخر تک بدعت ہی بدعت ہے، یہ جس منزل پر پہنچے ہیں اس کی نسبت نہیں تھی بلکہ انھیں شیطان نے دھوکا دیا آپ اہل سنت ہیں جو اس کے حامی ہیں کیا آپ نے ان کا بایکٹ کیا ہے؟ نہیں وہ جس مسلک پر تھے اسی پر ہیں نہ انہوں نے قوم کے مفاد کو ٹھیس پہنچائی کہ جس سے ان کی تردید کی جاتی،

امام احمد، محافظ سنت، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے نفس کو خالص کر لیا تھا، ناواقف نہیں تھے لیکن وہ بھی مسئلہ خلقِ قرآن کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور اس جرم میں سزا کاٹتے ہیں، قرآن کو توحید کے برابر یا اس سے بھی عظیم قرار دیتے ہیں موصوف کو خبر ملی کہ محمد بن ہارون نے اسماعیل بن علیہ کیلئے کہا ہے، حرامی تم کہتے ہو کہ قرآن مخلوق ہے، احمد کہتے ہیں: شاید خدا انہیں، محمد بن ہارون کو، بخش دے لیکن اسماعیل بن علیہ اس کے زیادہ مقدار تھے کہ احمد ان کے لئے ایسے دعا کرتے، کیونکہ علم اور درع میں وہ بھی ان ہی کی مانند امام تھے اگرچہ احمد کی نظر میں ان سے خطا ہوئی تھی تو خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور ان کی خطائی کی تھی، اس شخص کے مانند تھے جو خلیفہ کو اس کے صفات سے تہی راسن اور جان و مال کی غارت گری دیکھے،

خدا احمد پر رحم کرے اس مسئلہ میں ان سے جہاں تک ممکن تھا تعصب سے کام لیا یہاں تک اس سلسلے میں جو ان کی مخالفت کرتا تھا یہ اس کی روایت قبول نہیں کرتے تھے

اور یہ حرکت سند کے حق میں خیانت ہے کیونکہ جس نے عادل لوگوں کی خبر و حدیث قبول کرنے کو واجب قرار دیا ہے اسی نے اس کی روایت قبول کرنے کو بھی واجب قرار دیا ہے، کہتے ہیں میں قدیہ کی روایت قبول کرتا ہوں، اگر بصرہ کی چھان بین کی جاتی تو ان کا تیسرا حصہ قدریر نکلتے،

احمد کجی بن معین ایسے آدمی سے روایت نہیں لیتے ہیں جبکہ وہ شدت پسند تھے اور عامر بن صالح بن عبد اللہ بن عروہ بن الزہیر بن اعلم ان کی شیوخ میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں: وہ ثقہ نہیں ہیں اور دارقطنی کہتے ہیں: ان سے حدیث نہیں لینی چاہیے ابن اثیر کہتے ہیں: وہ کذاب دشمن خدا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے نیز کہا: احمد کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ عامر بن صالح سے روایت کرتے ہیں؟ ذہبی کہتے ہیں: احمد نے سب ترین لوگوں سے حدیث لیں لی ہے، ذہبی نے احمد اور ان کی روایت کے بارے میں فلو کیا ہے مختصر یہ کہ ان کے روایت میں کوئی نجیل و پست نہیں تھا مگر یہ کہ وہ قرآن جیسا مسئلہ ہو،

افسوس! قرآن و حدیث میں سے آپ کے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے؟ وہ مخلوق ہے؟ آپ کی اور آپ کے حریف کی دونوں کی بحث بدعت ہے، خدا نے تو قرآن کو اس صفت سے متصف کیا ہے، قرآن عربیہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے، نیز فرمایا جلتا و نزلاہ و فصلناہ لیکن یہ نہیں فرمایا: خلقناہ، ہم نے اسے پیدا کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ ہم سے پیدا نہیں کیا ہے تو یہ سنت آپ نے کیسے ایجاد کر ڈالی اور علی ابن المدینی کے خلاف کیوں بول دیئے ابن المدینی وہ ہیں جن کے بارے میں بخاری کہتے ہیں: کسی شخص کے سامنے مجھے اپنی عقائد کا اتنا احساس نہیں ہوتا ہے جتنا ان کے سامنے ہوتا ہے، ان کے بارے میں ایسی بات کہی جاتی تھی، اور پھر ان کے اس قول سے کہ جس نے قرآن کو مخلوق جانا وہ کافر ہے اور جس نے روایت خدا کا انکار کیا وہ کافر ہے اول تو یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کہا جائے اور پھر اس تکفیر سے ام المؤمنین عائشہ بھی محفوظ نہیں رہتی ہیں اور نہ صحابہ و تابعین میں سے ان کی موافقت کرنے والے بچ سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے روایت کی نفی کی تھی لیکن محدثین نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی

امیر الجرح والتعديل يحيى بن معين کہتے ہیں: عمرو بن عبيد دھری تھا پوچھا گیا: دھری کون ہوتا ہے؟ کہا جو یہ کہنے کوئی چہیز نہیں ہے... جبکہ عمرو ایسا نہیں تھا جبکہ یہ یحییٰ بن معين حجاج کے ہمیشہ بن سعید بن الحارث بن امیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھا اور ایسے ہی کلمات نسائی اور ابوداؤد اور دارقطنی نے بھی استعمال کئے ہیں اور بخاری طحاوی کے قاتل مروان بن حکم کے بارے میں رطب اللسان ہیں اور امام المتاخرین ابن حجر عسقلانی مروان کے حالات میں لکھتے ہیں: جب ان کی صحبت ثابت ہے تو پھر انہیں مطعون کرنا صحیح نہیں ہے گویا کہ صحابی مصوم ہے یا صحبت نہایت ہے، دراصل جب یہود کے نزدیک عدالت صحابہ مسلم ہوگئی تو پھر تحقیق میں تقلید ہونے لگی،

حالانکہ صحابی کیلئے یہ دلیل پیش کرنا کہ دیکھ لینا کافی ہے تو بہت ہی رکیک بات ہے آپ چاہیں تو الف سے لے کر یہ تک یعنی سابقین سے اور دیکھیں وائے تک کو صحابی بنا دیں، صحابہ سے وہ چہیزیں بہت کم صادر ہوتی ہیں جو عدالت سے خارج کر دیتی ہیں نہ کہ محبت سے، جبکہ بعض لوگ تلوار کے خوف سے اسلام لائے ہیں جیسے طلحہؓ، پھر عدالت عصمت نہیں ہے، بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے کہ جس کی صحابی ہونا ثابت ہو گیا وہ اس کے عادل ہونے پر مصر ہیں اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کریں کہ محبت عدالت کو بھی شامل ہے تو بھی بات اس حد تک نہیں پہنچتی ہے جہاں تک فالی راوی پہنچاتے ہیں اور اگر محبت انسانی فائدہ پہنچاتی ہے جیسا کہ بشر بن مروان اور ولید کو پہنچا ہے تو واضح ہے کہ محبت کے ہوتے ہوئے کفر کے علاوہ کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اس لحاظ سے صحابی ہونا ایمان سے بھی اعظم ہے تو پھر یہ حدیث کا کیا کیجے گا کہ تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا کھ کھلائے، جبکہ متواترہ لفظی ہے بلکہ بعض نے تو اس کے متواتر لفظی کا دعویٰ کیا ہے کیا خدا نے اس شخص کے بارے میں، کہ جس کا صحابی ہونا یقینی تھا یہ نہیں فرمایا تھا: ان جاءكم فاستشيروا فتيوا، صحابی ہونے کے باوجود اس کی حالت واضح ہے ان ہی صحابی میں شراب خوار بھی ہیں جیسے قدام بن مطعون اور مروان و ولید،

سے روایت کرنا، اور ان کی ہمدردی جتنا دین خلد سے خیانت اور آیت کریمہ کی کھلی مخالفت ہے پھر صحابہ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ نذریہ ہونا ضروری ہے کسی کے فریب میں آئے، اس میں شک نہیں ہے کہ بخاری بڑے محدثین میں سے ایک ہیں لیکن ان کی یہ حالت ہے تو ان سے چھوٹوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ بہت سے حفاظ کو بخاری نے نظر انداز کیا ہے، عمر بن سعد بن ابی وقاص کے بارے میں غلطی کہتے ہیں وہ ناجہی ہے ثقہ ہے، لوگ ان سے روایت کرتے ہیں جبکہ یہ شخص قتل حسین میں بہ نفس نفیس شریک تھا اب آپ مجھے بتائیے کہ دین پر اس سے بڑا اور کیا ظلم ہوگا محدثین کی تو حالت ہی عجیب ہے، قاتل علیؓ، قاتل طلحہؓ، بسر بن ارقطہ وغیرہ سے روایت کرتے اور انہیں صحابی قرار دیتے ہیں اور چھوٹے بڑے کو صحابیت کے لباس میں دیکھ کر اس کے ہر مہیب سے چشم پوشی کر لیتے ہیں،



تمام صحابہ عادل ہیں

جبور کا مسک یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں ان کے بارے میں جہور جرح و تعدیل کو بھی قبول نہیں کرتے حالانکہ دیگر تمام روایت کیلئے تسلیم کرتے ہیں لیکن تمام صحابہ کو معصوم عن الخطا اور سہو و نسیان سے پاک سمجھتے ہیں اس کے برعکس بہت سے محققین تمام صحابہ کو عادل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ وہ وہی بات کہتے ہیں جو علامہ قبل نے ہی ہے، عدالت اکثر میں ہے، عام نہیں ہے دوسروں کی طرح ان سے بھی خطا اور سہو و نسیان ہو سکتا ہے بلکہ خواہش نفس بھی غالب آ سکتی ہے ان کی اس رائے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ بھی بشر ہیں ان سے بھی ایسے ہی افعال صادر ہوتے جیسے دوسروں سے ہوتے ہیں اور اس کا تعلق طبیعت بشریت سے ہے ان کے پید و سرور، محمدؐ، جسکو خدا نے برگزیدہ کیا تھا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے وہ فرماتے ہیں: میں بھی بشر ہوں مجھ سے گج بھی کام ہوتے اور خطا بھی ہو جاتی ہے۔ پھر صحابہ میں سے وہ بھی ہیں جو عہدِ رسولؐ میں منافق تھے جھوٹے تھے اور ان میں سے بعض رسولؐ کی وفات کے بعد متد ہو گئے تھے ان میں آپس میں ایسی جنگیں اور فتنے واقع ہوئے جن کے نتیجے میں کھتیاں اور نیلیں تباہ و برباد ہوئی ہیں اور آج تک ان کے آثار باقی ہیں۔ رسولؐ اپنی بھینٹ سے یہ دیکھ رہے تھے کہ صحابہ میرے انتقال کے بعد کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہوں گے اسی لئے آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا، میرے بعد تم کا فر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مانتے لگو۔

بخاری نے ابن عباس سے ادا نہیں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا بیشک تم قبروں سے نیگے اٹھائے جاؤ گے اور یہ کہ میرے بعض اصحاب کو شہل کی طرف سے لایا جائے گا میں کہوں گا، میرے صحابی، صحابی! کہا جائے گا آپؐ نے جس روز انہیں چھوڑا تھا یہ اسی دن اپنے کھڑ کی طرف پلٹے گئے تھے تو میں عہدِ صالح کی طرح کہوں گا جب تک میں ان کے درمیان تھا ان پر گڑھا تھا

سلم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے: میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ میرے پاس وارد ہوئے جب میں انہیں پہچان نہ لگا تو انہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے گا میں کہوں گا میرے صحابی! ندا آئے گی آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا جرم کئے ہیں،

بخاری نے ابو ہریرہ سے ادا ہونے والے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں کھڑا ہوں گا کہ میرے سامنے کچھ لوگ لائے جائیں گے میں پہچان لوں گا تو ایک میرے اور ان کے درمیان کھڑا ہو گا اور کہے گا: میرے ساتھ چلے آؤ! میں کہوں گا کہاں؟ وہ کہے گا جہنم کی طرف، خدا کی قسم میں کہوں گا ان کی کیا خطا ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے رجعت قبقری کے طور پر کھڑی طرف پلٹ گئے تھے پھر کچھ اور لوگ آئیں گے میں انہیں بھی پہچان لوں گا پھر ایک شخص میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گا اور کہے گا: چلو میں کہوں گا کہاں؟ وہ کہے گا جہنم میں، خدا کی قسم میں کہوں گا ان کی کیا خطا ہے؟ کہے گا یہ رجعت قبقری کے طور پر اپنے کھڑی طرف پلٹ گئے تھے میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کچھ لوگ جہنم سے بچ سکیں گے،

دوسری روایت میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے روز میرے صحابہ کی ایک جماعت میرے پاس پہنچے گی انہیں عرض رکھو کہ سے بھاگ یا جائے گا میں عرض کروں گا پانے والے یہ میرے صحابہ ہیں، ارشاد ہو گا: تمہیں علم نہیں ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے یہ پچھلے پیروں رجعت قبقری کے طور پر کھڑی طرف پلٹ گئے تھے،

سہیل بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسولؐ نے فرمایا: ضرور میرے پاس کچھ لوگ ایسے وارد ہوں گے جنہیں میں بھی پہچان لوں گا اور وہ بھی مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز جاں بوجھ جائے گی، ابو حازم کہتے ہیں: مجھے نعمان بن ابی عباس نے سنایا اور کہا: کیا تم نے بھی سہیل سے اسی طرح سنا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، انہوں نے کہا: ابو سعید خدا کے سامنے گواہی دینا کہ میں نے یہ سنا ہے میں رسولؐ کہوں گا کہ یہ مجھ سے ہیں، کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، میں کہوں گا دلے ہو ان پر تو میرے بعد بدل گئے تھے،

ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے،

میرے صحابہ کی ایک جماعت کو شمال کی طرف لے جایا جائے گا میں کہوں گا: میرے صحابی میرے صحابی! کہا جائے گا یہ اسی روز کے کفر کی طرف پلٹ گئے تھے جس دن آپ نے ان سے مفارقت کی تھی،

بخاری نے بھی باب غزوۃ الخدیجہ میں علامہ ابن المسیب سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: میں نے براہین عاذب سے ملاقات کی اور ان سے کہا: خوش قسمت ہیں آپ رسول کی صحبت میں رہے ہیں، دھت کے نیچے ان کی بیعت کی ہے تو انہوں نے کہا: بھتیجے: تم نہیں جانتے کہ ہم نے آنحضرت کے بعد کیا کیا ہے،

اسمار بنت ابی بکر سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول نے فرمایا: میں حوض پر کھڑا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ تم میں سے کون میرے پاس آتا ہے میرے پاس سے بعض کو بنا دیا جائے گا تو میں کہوں گا: پالنے والے یہ مجھ سے ہیں میرے امتی ہیں: کہا جائے گا: جانتے ہو تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا؟ خدا کی قسم یہ اپنے پچھلے پیروں واپس پلٹ گئے تھے،

عبداللہ سے اور انہوں نے رسول سے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: میں پہلے حوض پر بیہوش ہوں گا کہ تم میں سے بعض لوگ مجھ تک پہنچیں گے اور انہیں وہاں سے بنا دیا جائے گا تو میں کہوں گا پالنے والے یہ میرے صحابی ہیں: کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے۔

بخاری کہتے ہیں: ابن ابی ملیک کہتے ہیں: بارالہا! ہم پچھلے پیروں واپس پلٹ جانے اور اپنے دین سے پلٹ جانے کے بارے میں تیری پناہ چاہتے ہیں،

یہ یقین بخاری و مسلم کی بعض روایات اس کے علاوہ ان میں اور بہت کچھ ہے طوالت کی بنا پر ہم نے نظر انداز کر دیا ہے،

منافق صحابہ

بنووی وغیرہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سورہ برأت نازل ہونے سے

قبل رسول منافقین کو نہیں پہچانتے تھے، ان کے بعض صفات، اقوال اور افعال کو جانتے تھے جبکہ سورۃ برأت سے پہلے نازل ہونے والے سورہ منافقین، احزاب، نساء، انفال اور قتال و حشر میں بیان ہوئے تھے،

سورۃ برأت نے انہیں رسوا کیا اور ان کے ظاہری و باطنی نفاق کو آشکار کر دیا اسی لئے سورۃ برأت کو بمشورہ، مشرودہ، مخفیہ، مشیرہ، حافو، مشکہ، مد مدہ اور سورہ العذاب کہتے ہیں، اب ہم آپ کے سامنے صرف غزوہ تبوک میں ان کے افعال اور ان کے اعمال نفاق کی علامات ان کی پردہ دری اور ان کے عذاب کو سورۃ برأت سے پیش کرتے ہیں،

وہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت مانگتے ہیں اور یہاں انہیں کرکٹ کھانا اور شرک نہ کرنے کی دہی ہانڈ مانگے گا جو خدا اور ذرا خیر پر ایمان نہیں رکھتا، ① اگر وہ نکلنا چاہتے تھے تو اس کی تیار ہی کرتے،

خدا کو ان کا نکلنا پسند نہیں تھا لہذا ان کے ارادوں کو مکرر بنادیا، ②

اور اگر یہ یمنین کے درمیان نکل بھی پڑتے تو ہی بڑھاتے اور فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے، ③

انہوں نے تبوک سے پہلے غزوہ احد میں بھی فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کے ④

درمیان پھوٹ ڈال دی اور بعض کے ارادوں میں سستی پیدا ہو گئی،

شروع میں انہوں نے رسول کیلئے مشکیں کھڑی کر دی تھیں اور امور کو تہہ وبالا کر دیا تھا ⑤

یہاں تک کہ حق اپنی نصرت آگیا اور امراض واضح ہو گئی جبکہ یہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے،

ان میں سے بعض جہاد پر نہیں جانا چاہتے تھے اور غزویہ پیش کرتے تھے کہ وہ کس روم کی عورتوں ⑥

کا جمال دیکھ کر ان پر فریفتہ نہ ہو جائیں اور اس سے خدا اور رسول کی مصیبت نہ ہو جائے۔

رسول صبح کو نیکمی آتی تھی تو انہیں شاق گزرتا تھا اور آپ پر کوئی مصیبت پڑتی تھی تو ⑦

شاد ہوتے تھے اور سوچتے تھے کہ ہم نے نہ جا کر اپنا کام صحیح کر لیا ہے،

مومنین اس بات کے انتظار میں رہتے تھے کہ خدا ابھی اپنی طرف سے یا ان کے ہاتھوں انہیں ⑧

عذاب میں مبتلا کرے،

[illegible]

- (۲۰) منافقین ہی فاسق ہیں،
- (۲۱) ان پر جہاد واجب ہونے ان پر غضبناک ہونے اور انہیں ڈرانے میں کفار سے ملحق کیلئے
- (۲۲) انہوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم نے کفر کا کلمہ نہیں کہا اور خدا کا انکار کرنے کے بعد انہوں نے اسکا اثبات کیا وہ رسول کو قتل کرنے کی سازش میں کامیاب نہیں ہوئے،
- (۲۳) ان میں ایسے بھی جو تنگدستی کے زمانہ میں خدا سے کئے ہوئے عہد پر ثابت رہے اور جب فراخی نصیب ہوئی تو اس کی خلاف ورزی کی اور اپنے پچھلے نفاق کی طرف پلٹ گئے، خدا ان کے ظاہری و باطنی حالات کو اچھی طرح جانتا ہے۔
- (۲۴) صدقات کے سلسلے میں وہ مومنین پر الزام لگاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔
- (۲۵) وہ اپنے کفر کی وجہ رسول کے استغفار سے محروم ہوئے اور خدا اور رسول کو ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی امید نہیں ہے کہ وہ سگدی سے باز آجائیں،
- (۲۶) ان میں سے جو لوگ رسول کے ساتھ نہیں گئے وہ رسول کے پیچھے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہیں اور گرمی میں نکلنے سے منع کرتے ہیں، انہیں جہنم کی آگ یاد دلائی گئی ہے،
- (۲۷) ان کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ ٹھکسین میں اور بنسین کم رو میں زیادہ،
- (۲۸) خدا نے رسول کو ان کے مرنے والوں پر غار پڑھنے سے منع کیا ہے، وجہ ان کا کفر ہے جس پر وہ مرسے ہیں،
- (۲۹) جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے اور ان کو ایمان و جہاد کو جمع کرنے کا حکم دیتا ہے تو ان میں سے مالدار اجازت طلب کرتے ہیں کہ ہیں جہاد سے معاف رکھیں،
- (۳۰) اعراب میں سے بعض جہاد سے معاف رکھنے کی درخواست کرتے ہیں کذاب، جھوٹے بغیر مہذرت کے جہاد پر نہیں جاتے انہیں کفر پر دروناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے،
- غزوہ تبوک میں منافقین کے صفات تھے "جو کہ سورہ توبہ میں بیان ہوئے ہیں ہم ان ہی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں تو منافقین کچھ تمام اعمال کو جاننا چاہتے ہیں وہ سورہ منافقین احزاب،

نساء، انفال، اور قاتل و شتر کا مطالعہ فرمائیں، صحیحین میں حدیث افک ہے کہ اسید بن خضیر نے سعد بن معاذ سے کہا، تم منافق ہو منافقین سے دفاع کرتے ہو دونوں کے درمیان بہت بات بڑھ گئی تو رسولؐ نے صلح کرانی، یہی بدر والوں کا حال جن میں سے ایک دوسرے کو کہتا ہے: تم منافق ہو جبکہ رسولؐ نے اسے کافر قرار دیا نہ اسے، اس مسئلے میں بہت کچھ موجود ہے جو اوس فرقہ کے منافقین کے اسامہ جاننا چاہتے ہیں وہ انساب الاشراف کے پہلے حصہ کا مطالعہ فرمائیں انہیں ان کے اسامہ مل جائیں گے جس صفحات میں انہیں کے نام مذکور ہیں،

نماز افضل یا تجارت

ہم یہاں رسولؐ کے ساتھ صحابہ کے لوگ کو قلم بند کرتے ہیں آپؐ کو چھوڑ کر تجارت اور ہوبو کی طرف چلے جاتے تھے اور ان چیزوں کو نماز پر ترجیح دیتے تھے اور رسولؐ کو تنہا نماز جبر پڑھتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے جبکہ خدائے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ خرید و فروخت چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑیں کیونکہ اسی میں ان کی بھلائی ہے، مگر وہ جانتے، انہوں نے حکم خدا کی مخالفت کی اور رسولؐ کے پاس اپنی تجارت اور ہوبو کی طرف چلے گئے،

یہ آیت ملاحظہ فرمائیں جس میں ان کی مذمت کی گئی ہے،

وَاِذَا رَاوُا تِجَارَةً اَوْ هِوً اَوْ اَنْفُسًا اِلَيْهَا وَاَتَرَكُوْكَا قَائِمًا ۖ قُلْ مَا عِنْدِيْ خَيْرٌ مِّنْ اَللّٰهِ

وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ، جمع ۹ - ۱۱،

اور جب یہ لوگ تجارت اور ہوبو کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپؐ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ ہوبو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے،

رسولؐ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں صحابہ کا نفاق

ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں جسے بخاری وغیرہ نے خذیفہ بن یمان سے نقل کیا ہے اس میں رسولؐ کی موجودگی اور آپؐ کے بعد صحابہ کا نفاق بیان کیا گیا ہے،
 خذیفہ کہتے ہیں: آج کے منافقین عہد رسولؐ کے منافقوں سے بدتر بھی وہ اپنا نفاق چھپاتے تھے یہ ظاہر کرتے ہیں، دوسری روایت میں بھی بخاری نے ان سے اس طرح نقل کیا ہے،
 خذیفہ نے کہا: نفاق تو زمانہ رسولؐ میں تھا آج تو ایمان کے بعد کفر ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ کفر اور ایمان ہے،

بزار نے ابو وائل سے روایت کی ہے کہ میں نے خذیفہ سے کہا: آج کا نفاق زیادہ سخت ہے یا عہد رسولؐ کا سخت تھا؟ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا اور کہا: افسوس آج وہ نفاق ظاہر ہے عہد رسولؐ میں سے چھپاتے تھے،

اس فصل کو ہم ڈاکٹر جاسین کے اس قول سے زینت بخشی رہے ہیں جو انہوں نے اپنی قیمتی کتاب ”عثمان“ میں رقم کیا ہے اس میں اس فتنہ کی جانب اشارہ کیا ہے جو عہد عثمان میں اٹھا تھا اور اس سے متعلق مؤرخین کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے،

زمانہ عثمان کے واقعات و حوادث اور ان میں عثمان کے حصہ کے بارے میں لوگوں کی معلومات مختلف ہیں بعض نے خود کو بچا لیا اور یہ کہا: ان میں سے اکثر واقعات جھوٹے ہیں گڑھے ہوئے ہیں ان کا وقوع صحیح نہیں ہے، بعض نے اس میں دشمنان اسلام کا ہاتھ تباہ، اس پارٹیوں کی مخالفت سے دیکھا گیا اس لئے وہ اکثر واقعات کا انکار کرتے ہیں جن کو قبول کرتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ایسے ظلم اور سوریہیں، مذہب اجتہاد کے امام نے ان میں اجتہاد کیا اگر صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا تو دہرا نہیں پہنچ سکتا تو ایک اجر ملے گا وہ دونوں صورتوں میں فائدہ میں ہے اور پھر وہ صرف خیر ہی کا طلب ہے اور جو روایات

اصحاب رسولؐ اور عثمانؓ کے درمیان خصوصیت و دشمنی کو بیان کرتی ہیں ان میں سے اکثر ان کے نزدیک جعلی اور جھوٹی ہیں اور ان میں سے قلیل کوتاہ دل کی بنا پر قبول کرتے ہیں، اسے خطائے اجتہادی کہتے ہیں، چنانچہ جو اپنے اجتہاد میں حقیقت تک پہنچ گیا اسے دہرا اور جس سے خطا ہو گئی اسے اکہرا اور ملتا ہے، یہ نظریہ اکثر ان لوگوں نے قبول کیا ہے جو اس زمانہ کو اسلام کے ہر زمانہ سے زیادہ مقدس سمجھتے ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اصحاب رسولؐ کی طرف ان چندہ کو منسوب کیا جائے جنکو دنیا کے بندوں کی طرف ان کے نفسوں کی کمزوری کی بنا پر منسوب کیا جاتا ہے، ذاتی اغراض کے سلسلے میں جگ کرنا اصحاب رسولؐ کے شایان شان نہیں ہے وہ راہ خدا میں بہترین امتحان سے گزرے انہوں نے جان و مال اور بے نقاشی سے حکومت ظالم کی ان سے خطا بھی ہو سکتی ہے اور صحیح کام بھی انجام پاسکتا ہے وہ ہمیشہ اجتہاد کرتے تھے، سدا خیر و جلال کی طرف بڑھتے تھے بڑے گناہوں کے گرداب میں غوطے نہیں لگاتے تھے نہ جرم کے مرکب ہوتے تھے ہاں ان سے ایسے چھوٹے موٹے گناہ ہو جاتے تھے جنہیں خدا اپنے نیک بندوں کیلئے بخش دیتا ہے۔ اس نظریہ کو بہت کم لوگوں نے قبول کیا ہے اور اس پر انہیں عقل کی اس سستی نے مجبور کیا ہے بجز تحقیق و تفتیش میں سے باز نہ کھینچتا ہے،

دوسرے گروہ کا نظریہ یہ کہ یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ رسولؐ کے اصحاب اس قسم کے فتوے اور حوادث میں مبتلا ہوتے ہوں اس سلسلے میں روایت پیش کرتے ہیں کہتے ہیں اس کے پس پشت شیطان اسلام کی سازش تھی جو کہ عبداللہ ابن سبار اور کچھ اہل کتاب اور دوسرے لوگوں نے کی تھی، واضح ہے کہ نہ ہم اس مذہب کو اختیار کر سکتے ہیں نہ اس کو نہ ہم کسالت پسند ہے اور نہ آرام طلبی اور نہ لوگوں کو خلاف عقل حد تک مقدس مانتے ہیں نہ ہم اصحاب رسولؐ کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ خود کو نہیں سمجھتے تھے وہ خود کو بشر سمجھتے تھے دوسرے ان انہوں کی طرح ان سے بھی خطا ہوتی تھی وہ بھی گناہ کے مرکب ہوتے تھے چنانچہ ایک دوسرے پر بڑے گناہوں کی تہمت لگاتے تھے ایک میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جسکو کافر کہا جاتا تھا روایت کی گئی ہے کہ عمار بن یاسر، عثمانؓ کو کافر کہتے تھے، ان کا خون مباح سمجھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے، بدترین امور وہ ہیں جو نئے وجود میں آئے ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے اور ہر گمراہی

وضاحت کا نتیجہ جہنم ہے، روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے اپنے بعض دوستوں سے اس مرض میں نہ جس میں دھم گئے، کہا: علیؑ کی طرف بروہو قبل اس کے کہ ان کا ملک سرکشی کرے، اور اصحاب رسولؐ میں جو عثمان کے ناصر و مددگار تھے وہ اپنے مخالف کو دین سے خارج اور اس کے امر کا مخالف سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ ایک دوسرے سے جگ کرنے کو حلال جانتے تھے جیسا کہ جل و صفین میں ایک نے دوسرے سے قتال کیا، ہاں سعد اور ان کے تھوڑے سے چاہنے والوں نے ان میں حصہ نہیں لیا تھا، جب اصحاب رسولؐ خود اس اختلاف میں مبتلا تھے ایک دوسرے کی طرف بڑے گماہوں کی نسبت دیتے اور لہذا میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے تو پھر ان کے بارے میں جو ان کی رائے ہے ہماری رائے کا اس سے بہتر ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان لوگوں کے مذاہب کو اختیار کرنا صحیح ہے جو کہ ہماری طرف نقل ہونے والی اکثر احادیث کو جھٹلاتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فتنہ و اختلاف نہیں تھا اور اگر ہم ان ہی کے ہمنوا ہو جائیں تو بھی بعثت رسولؐ کے بعد تک کی تاریخ اسلام کو تو نہیں جھٹلا سکتے کیونکہ جن لوگوں نے ان فتنوں کی خبریں دی ہیں یہ وہی ہیں جنہوں نے فتح غزوات اور رسولؐ و خلفاء کی سیرت کی خبریں بیان کی ہیں پس یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر اس چیز کی تصدیق کریں بلکہ ہم کو پسند آئے یا ہر اس چیز کی تکذیب کریں تو تعجب میں ڈالنے والی ہوا اور نہ ہی تاریخ کے بعض حصہ کو تسلیم کریں اور اس کے بعض حصے کو جھٹلا دیں ظاہر ہے کہ اس کا بعض باتوں سے ہم خوش ہوں گے اور بعض سے ہمیں تکلیف ہوگی اور اسی طرح یہ بھی سزاوار نہیں ہے کہ ہم ہر روایت کی تصدیق کریں یا ہر روایت کو جھٹلا دیں کیونکہ روایت بھی تمام انسانوں کی طرح انسان ہیں ان سے صحیح کام بھی ہوں گے غلط بھی ان سے جھوٹ سچ کا امکان ہے، قدامتے خود سے پہچانا ہے اس سے منہ کیلئے تیار ہوئے ہر جرح و تعدیل تصدیق و تکذیب کے قواعد بنائے اور اس چیز کو ترجیح دی جس کو ترجیح دی جا سکتی ہے اسے لکھا جس کو رد کیا جا سکتا ہے اس میں شک کیا جس میں شک کرنا واجب ہے تو ہمارے لئے ان راستوں پر چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس پر وہ گامزن ہوتے ہیں اور انہیں میں ہم ان جدید قواعد کا بھی اضافہ کرتے ہیں جو کہ محدثین نے بیان کئے ہیں ان کی مدد سے انہوں نے نصوص کی تحقیق و تحلیل کی ہے،

مجلس ششمین

[illegible]

ایمانی

[illegible]

١٥

[illegible]

دانشگاه تهران

و اینها را در هر روز بخورند و اگر در هر روز بخورند و اگر در هر روز بخورند

آپ پر آپ کے طرفداروں پر تلوار چلائی، ایسے ہی یہ روایت کی گئی ہے کہ عمر نے ابو ہریرہ کی روایت میں نقص نکالا اور خالد بن ولید کو برا بھلا کہا اسے فاسق قرار دیا، معاویہ اور عمرو کو خائن کہا گیا اور انہیں فنی کا چوراہ اور ہڑپنے والا کہا گیا، صحابہ میں ایسے بہت ہی کم ہیں کہ جن کی زبان اور ہاتھ محفوظ رہے ہوں تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں،

تابعین بھی صحابہ کے اسی مسلک پر گامزن ہوئے ان میں سے نافرمان و گناہگاروں کے بارے میں وہ بھی یہی کہتے تھے ہاں بعد میں عام لوگوں نے انہیں معزز قرار دیدیا ورنہ صحابہ بھی بشر میں تو ان کے حق میں ہے وہ ان کے حق میں ہے اور جو ان کے خلاف ہے وہ ان کے خلاف ہے ان میں سے جس نے برا کیا ہم اس کی مذمت کریں گے اور جس نے اچھا کیا ہے ہم اس کی مدح کریں گے انہیں دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے بس یہ کہ انہوں نے رسول کو دیکھا ہے اور ان کے معاصر تھے ان کا غیر اس سے محروم ہے لیکن اکثر ان کے گناہ ان کے غیر سے کہیں بڑے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے عجرات اور نشانیاں دیکھی ہیں اس لحاظ سے ہمارے گناہ ان کی بہ نسبت ہلکے ہیں اس لئے کہ ہم معذور ہیں،

احادیث آحاد اور علماء

ابن الصلاح کے اس قول کہ امت نے بخاری و مسلم کو قبول کیا ہے کہ بعد جزائری فرما ہے: ابن الصلاح نے یہ واضح نہیں کیا کہ امت سے ان کی مرا کیا ہے؟ اور نہ ہی اس بات کی تصریح کی کہ امت ان سے کیا چیز قبول کرتی ہے موصوف کیلئے ضروری تھا کہ اس کو واضح کرتے تاکہ عقل و فہم اس سلسلے میں ہر مذہب کی طرف نہ جائے، اگر امت سے ان کی مراد پوری امت ہے تو ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں

کتابیں بخاری کے زمانہ کے بعد تیسری صدی ہجری میں ائمہ مذاہب کے بعد اچھی مانی گئی ہیں اور اگر ابن ابی شیبہ امت سے پوری امت مراد نہیں لیتے ہیں تو وہ لوگ مراد ہیں گے جو ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو بھی ان کی دلیل صحیح نہیں ہے اور اگر امت سے مراد امت کے علماء ہیں تو علماء کی تین قسمیں ہیں، متکلمین، فقہاء، اور غوی،

جن علماء پر یہ بات صحتی آتی ہے وہ ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اور ان سے پہلے قرونِ اولیٰ میں وہ لوگ تھے جن کے بارے میں رسولِ مکی مرفوع حدیث ہے کہ وہ بہترین زمانہ میں تھے انہوں نے تو ان دونوں کتابوں کو دیکھا بھی نہیں تھا چاہے جابکہ ان کے بارے میں ان کے دئے معلوم کی جاسکے،

اب میں ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہونے والے علماء کی طرف نظر پڑا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں سے میں ان کا کیا موقف ہے،

متکلمین

آپ جانتے ہیں کہ متکلمین ہر اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے ملک کے خلاف ہوتی ہے چاہے وہ چیز ظنی امور سے تعلق رکھتی ہو اور اگر اس سلسلے میں ان کے سامنے ایسی حدیث پیش کی جاتی ہے کہ جو محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے تو وہ اگر اس کی تاویل قریب المآخذ ہوتی ہے تو وہ اس کی تاویل کرتے ہیں ورنہ اپنے اس قول پر اکتفا کر کے اسے رد کر دیتے ہیں کہ یہ آحاد ہے کہ جس سے ظن کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے اور علمِ کلام کے مسائل میں ظن پر بناء نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ کلام میں ہمیشہ عقلِ دلائل پر بناء رکھی جاتی ہے اسلئے کہ دلائل سے تین حاصل نہیں ہوتا ہے اس سلسلے میں حدیث ہے: ایک مرتبہ جنت و جہنم میں بحث ہو گئی، جہنم نے کہا مجھے جابروں اور متکبروں سے سرفراز کیا جائیگا، جنت نے کہا: ہائے میری قسمت میرے اندر کمزور اور پسماندہ لوگوں کو داخل کیا جائے گا، خدا نے جنت

سے فرمایا: تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں جہنم سے کہا: تو عذاب ہے تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں عذاب کرتا ہوں ان میں سے ہر ایک کو بھرے گا لیکن جہنم نہیں بھرے گا یہاں تک کہ خدا اس میں اپنا پیر ڈال دے گا تو کہے گا کافی ہے کافی ہے، پھر بھر جائیگا اور جب تک نہیں رہے گی کہ ایک دوسرے پر لدا جائیں گے اور خداوند عالم اپنے مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا لہذا وہ جنت کیلئے ایک مخلوق پیدا کرے گا یہ حدیث متفق علیہ ہے، بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے اسے نقل کیا ہے اور انہوں نے رسولؐ سے نقل کیا ہے اور بخاری نے ابو ہریرہ سے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ جنت و جہنم نے خدا کی بارگاہ میں اپنا جھگڑا پیش کیا اس حدیث میں یہ ہے کہ خدا جہنم کیلئے ایک اور مخلوق پیدا کرے گا مسلم کی روایت میں ہے کہ خدا اپنا پیر ڈال دے گا محققین کا نظر ہے کہ راوی جنت کہنا چاہتا تھا سبقت آسانی کی وجہ سے جہنم کہہ گیا،

یہ اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کو حاکم آسانی سے صحیح نہیں مانے گا چہ جائیکہ ان پر یقین کریگا اور جب انہیں صحیح ماننے پر مجبور ہوگا تو اس کی تاویل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا اور اسے ایسے لفظ میں پیش کریگا کہ سننے والا سمجھ جائیگا کہ تسکیم باطنی طور پر اس کو صحیح نہیں سمجھتا ہے اسی لئے مشکلیں اور محدثین کے درمیان شدید دشمنی ہے تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بخوبی نہیں ہے یہاں تک کہ مشکلیں، جمہور محدثین کو مشتبہ اور محدثین انہیں معطلہ کہتے ہیں،

فقہا

فقہا سے بھی آپ واقف ہیں وہ بھی ہر اس حدیث کی تاویل کر لیتے ہیں جو ان کے عقائد کے مسلک کے خلاف ہوتی ہے یا اس کے مقابلے میں اس کے معارض حدیث لے آتے ہیں خواہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک غیر معروف ہی ہو اور جس کے مقابلے میں لاتے ہیں خواہ وہ صحیحین بلکہ صحاح

تہ میں ثابت ہو جو بھی صحیحین وغیرہ کی شروح کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی بعض محدثین تو صحیحین کو قطعاً دوسری کتب پر ترجیح نہیں دیتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ صحیحین کو دیگر کتب پر ترجیح دینا بلا مرجع ہے جن لوگوں نے صحیحین کو ترجیح دی ہے انہوں نے حال کی دلالت کو کافی سمجھ لیا ہے اس بات کی طرف عز بن عبد السلام نے اپنی کتاب "القواعد" میں اشارہ کیا ہے،

لکھتے ہیں:

عجیب بات تو یہ ہے کہ جب مقلد فقہار میں سے اپنے امام کے مآخذ کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جائے یعنی اس مآخذ کے ضعف کو دور کرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں پاتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنے امام کی تقلید پر باقی رہتا ہے اور اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے کہ جو عقل سلیم کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے بلکہ وہ کتاب و سنت کے ظواہر کی تاویل کیلئے بہانے تراشتا ہے اور اپنے امام کے دفاع کی خاطر بعید از عقل اور باطل تاویلات پیش کرتا ہے، ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ مجالس میں جمع ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کسی کے سامنے ایسی بات آجاتی ہے کہ اس کے مسلک کے خلاف ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی ہے لیکن اگر وہ اس میں غور کرتا تو وہ غیر کو چھوڑ کر مذہب کے امام پر تعجب کرتا، لہذا ایسے لوگوں سے بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جب اسے دوسرے مذہب میں حق نظر آگیا ہو تو اس نے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہو بلکہ وہ اس کو جانتے ہوئے کہ وہ مذہب غلط ہے اسی پر باقی رہتا ہے تو ایسے لوگوں سے بحث نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنے مذہب کے امام کی روئس سے عاجز آجاتا ہے تو کہتا ہے شاید میرے امام کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کا مجھے علم نہ ہو اور نہ اس تک میری دسمانی ہو سکتی ہے وہ اپنے مد مقابل کے سامنے ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کا واضح دلیل اور برہان سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، سبحان اللہ، اس سے زیادہ اور کیا اندھی تقلید ہوگی! خدا ہمیں حق کا اتباع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تو وہ کہیں بھی ہو کسی کی زبان سے ظاہر ہو۔

جزائری رحمۃ اللہ نے اس بحث کو ایک اہم تنبیہ پر ختم کیا ہے اس میں اس
 ”جنت و جہنم کے جھگڑے والی“ کہ جہنم نہیں بھرے گا خدا اسکے لئے الگ مخلوق خلق کرے گا۔
 حدیث پر تنقیدی حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے،

اس سلسلے میں تعجب خیز بات تو ان جالوں کے حیلے بہانے میں جن کا اس فن سے دور
 کا بھی واسطہ نہیں ہے نہ روایت کے لحاظ سے کچھ جانتے ہیں اور نہ روایت کے اعتبار سے کسی کی طرف
 غلطی کی نسبت دینے کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے تنقید کا باب ہر ایک پر بند کر دیا گیا ہے یا یہ خیال
 کرتے ہیں کہ متن کے اعتبار سے تنقید کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خواہش نفس کے تابع افراد
 مداخلت کریں گے۔ وہ اس بات سے غافل رہے کہ اگر صحیح طریقہ سے تنقید ہوگی تو اسے کوئی
 عیب نہیں سمجھے گا چنانچہ بہت سے ائمہ حدیث نے تنقید کی ہے مثلاً اسماعیلی اس حدیث
 ”ابراہیم روز قیامت اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اور ان کا چہرہ گرد آلود ہوگا“ کو لکھنے
 کے بعد لکھتے ہیں، یہ حدیث ہے لیکن اس کا صحیح ہونا قابل غور ہے اس لحاظ سے کہ ابراہیم جانتے ہیں
 کہ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے اور یہ ان کے باپ کے ساتھ ایسا سلوک ان کی ہنگ ہے جبکہ ابراہیم جانتے
 ہیں کہ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں قیامت کے دن ذلیل نہیں کرے گا اور خدا نے انہیں یہ تعلیم دی
 کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے ملاحظہ فرمائیے کہ متن میں اتنا ضعف ہے،
 بعض علماء اصول نے کہلے کہ احادیث میں بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کو رسول کی طرف منسوب
 کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ انہیں ان کے ظاہر پر حمل نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ برہان کے خلاف ہیں
 اور ان کے ظواہر کے خلاف عمل کرنا رسول کی فصاحت سے بعید ہے،

مذاہب کے مقلدین

ابن الصلاح پر اعتراض کرنے والوں کے کلام سے فارغ ہونے کے بعد اس سلسلے میں ہر مذہب

کے مقلدین کے بعض اقوال پیش کرتے ہیں اور حدیث کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ ابن عمر بن عبد السلام کے قول کی تکمیل ہو جائے، یہ بات شہرت یافتہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کو ایسی حدیث ملے گی جس کی شہرت کی بنا پر حنفی اس پر عمل کرتے ہیں، پھر شافعی کہتے ہیں اور اس کی سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اسے رد کر دیتے ہیں، ایسی حدیث بھی ملے گی کہ جسے مالکی نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ عمل اس کے برخلاف ہو جائے اور اس کی سند قوی ہونے کی وجہ سے شافعی اس پر عمل کرتے ہیں،

مراۃ الاصول اور اس کی شرح مرتقاۃ الاصول، چونکہ حنیفوں کے اصول میں سے ایک ہے جس میں راوی کے حال سے بحث ہے، میں ہے کہ اگر راوی فقیر ہے تو اس کی روایت مطلق طور پر قبول کی جائے گی خواہ قیاس اس کی موافقت کرے یا نہ کرے اور اگر راوی فقیر نہ ہو جیسے ابوہریرہ اور انس تو اگر قیاس حدیث کی موافقت نہ کرے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

علامہ بیہقی سے کہنے کی جگہ: رسول کی احادیث کی روایت قبول نہیں کی جائے گی مگر حدیث عامہ نے عامہ سے نقل کی ہو یا اس پر عمل کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہو، یہی وہ طریقہ ہے جسکی طرف علامہ عراقی ابو حنیفہ اودان کے اصحاب مائل ہیں،

اس امر کو ابو حنیفہ کے دوست امام ابو یوسف نے اپنی اس کتاب میں واضح کیا ہے چونکہ انہوں نے اوزاعی سے لکھی ہے اور امام شافعی کی کتاب "الام" میں آیا ہے، یہ قول شافعی کے شاگرد ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے،

تم اس حدیث کو اپنے لئے ضروری سمجھو جسکو عامہ و جہور جانتے ہوں اس کی شاذ حدیث سے بچو اس لئے کہ ہم سے ابن ابی کریم نے جعفر کے ذریعہ رسول کی حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے یہود کو بلایا ان سے سوال کیا تو انہوں نے حدیث بیان کرنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت مصعبؓ کی طرف جھوٹ کی نسبت دی لہذا رسولؐ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

غریب میری طرف حدیث کو منسوب کیا جائیگا پس تمہارے پاس جو مجھ سے نقل ہو کر پہنچے اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو وہ میری حدیث ہے اور جو میری طرف منسوب ہو لیکن قرآن کے خلاف ہو وہ میری حدیث نہیں ہے، اور اگر رسول کی حدیث کو دو گواہوں کے بغیر قبول کرتے تھے اور علی بن ابی طالب رسول کی اس حدیث کو قبول کرتے تھے جس کی روایت زیادہ ہو اور نہ جسے جانتے ہوں نہ اہل فقہ اور نہ کتاب خدا اور سنت کے موافق ہو شاذ حدیث سے بچنا اس حدیث کو قبول کرو جس پر جماعت متفق ہے جس سے فقہا واقف ہیں و قرون اور سنت عملی کے موافق ہے، پھر جو قرآن کے خلاف ہے وہ رسول کی حدیث نہیں ہے اگرچہ روایت کے ذریعہ آئی ہو، ہم سے نقلے بیان کیا ہے کہ رسول نے اس مرض میں فرمایا جس میں آپ کا انتقال ہوا میں ضرور حرام کروں گا، ایک روایت میں ہے میں نے حرام نہیں کیا مگر یہ اسی کو جس کو قرآن نے حرام کیا ہے خدا کی قسم اگر وہ میری برخلاف کسی چیز سے ٹسک کریں تو تم قرآن اور سنت معروف کو اپنا قائد و امام قرار دو اور اسی کا اتباع کرو اور جو چیز تمہارے پاس ایسی پہنچے کہ جس کی قرآن و حدیث میں وضاحت نہ ہو اسے اسی پر قیاس کرو،

امام علم الدین الغزالی المالکی اپنی کتاب ایضا المصمم میں لکھتے ہیں:
بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب انہیں کوئی ایسی حدیث مل جاتی ہے جو ان کے مسلک کے موافق ہوتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اسے بہرہ چشم قبول کر لیتے ہیں اور اگر انہیں کوئی ایسی حدیث ملتی ہے کہ جس کا کوئی معارض ہو اور نہ وہ منسوخ ہوئی ہو لیکن اس سے غیر مذہب کے امام کی تائید ہوتی ہو تو اس پر عقل سے بعید احتمالات کی بوچھا کر دیتے ہیں اور اس سے رخ موڑ لیتے ہیں اور اپنے مذہب کو ترجیح دینے کیلئے صحابہ و تابعین اور نص صریح کی مخالفت کے باوجود تو جیسے کہتے ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں بغیر دلیل کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو منسوخ ہے یا کہتے ہیں

اس پر عمل نہیں ہوا ہے یا تو بھی ان کا مریض ذہن تیار کر کے پیش کر دے، اور اگر اس سے بھی عاجز ہو جائیں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا المہم یا اکثر مری حدیث سے مطلع ہے لہذا اس حدیث سے انہوں نے ایسے ہی چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ وہ اس کی کمزوریوں سے واقف رہے ہوں گے وہ اپنے مذہب کے علماء کو ارباب بحث ہے اور ان کے مناقب و کمالات کے دروازہ کھول دیتا ہے اور اس بات کا عقیدہ قائم کرتا ہے کہ اس سلسلے میں تو بھی اس کی مخالفت کریگا وہ راہ راست تک نہیں پہنچ سکے گا اور اگر علماء سنت میں سے کوئی اسے نصیحت کرے تو اسے دشمن سمجھتا ہے اگرچہ پہلے وہ ان کا دوست تھا۔

ممالک اور ان کے اصحاب کی رائے

- ممالک اور اصحاب کہتے ہیں: سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے،
- ① اصحاب رسولؐ میں سے ائمہ ایسی بات کہیں جس سے سنت کی موافقت ہوتی ہو،
 - ② دوسرے لوگ اس میں اختلاف نہ کرتے ہوں،
- مومن: عمل ستر کی پوری رعایت کرتے تھے اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیتے تھے اگرچہ اس سلسلے میں متفق علیہ احادیث بھی ہوتیں،
- اب ہمیں اپنے موقع کی طرف لوٹنا چاہیے،
- موافقات میں شاطبی لکھتے ہیں: کہتے کے جوئے طرف کے دھونے کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کے بدلے میں امام کہتے ہیں کہ یہ حدیث بھی آئی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے کہتے تھے: کٹا ٹکار کو کھالیتا ہے تو اس کے اصحاب میں کڑا پتا کیسے ہے؟ اسی طرح ممالک نے اس حدیث کو بھی معتبر نہیں مانا ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے بعد قضا ہوں اس کا ولی اس کے روزہ رکھے گا اور اس سلسلے میں قرآن کا فیصلہ ہے نزد ذرۃ در آخری

[illegible]

جیتے خزانہ کی اور کیا

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

ابراہیمؑ غنی کے طبقہ، اسود اور عبداللہ بن مسعود کی سند سے حدیث بیان کی ہے کہ رسولؐ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ بلند کرتے تھے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے،

اور اعلیٰ نے کہا: یمن کے کپ کے سامنے زہری سلم اور ان کے والد کی سند سے حدیث پیش کی اور آپ نے حاد و ابراہیم کی سند سے مجھے حدیث سنا دی، ابو حنیفہ نے کہا: حاد و سلم سے بڑے فقیہ ہیں، اور طبرانی طبرستہم درجہ کے فقیہ نہیں ہیں اور اگر اسی طریقے صحابی ہونے کی فضیلت ہے تو اسود کے بہت زیادہ فضائل ہیں،

انتصار میں حاکم الغریب کہتے ہیں،

بہت سے اہل حدیث نے ابو حنیفہؒ پر طعن کو جائز سمجھا ہے کہ انہوں نے حادل راوی کی بیان کردہ بہت سی احادیث کو رد کر دیا ہے اس سلسلے میں وہ حدیث کو دیگر احادیث اور معانی قرآن پر پکھتے ہیں جو ان کے خلاف ہوتی ہے اسے وہ شاذ کہتے ہیں اور رد کر دیتے ہیں،
ثوری کہتے ہیں،

ابو حنیفہؒ علم کے سلسلے میں بہت سخت تھے و ہر لم خدا کو حلال بنانے سے روکتے تھے وہی حدیث لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی اور جس کے راوی ثقہ ہوتے تھے اور اس میں بھی فعل رسولؐ کو اور جس پر کوذ کے علماء کا اتفاق ہوتا، اسے قبول کرتے تھے،

اور اعلیٰ کہتے ہیں:

ہم ابو حنیفہؒ پر تنقید نہیں کرتے ہیں کہ انہوں نے قیاس کیا ہے کیونکہ ہم سب ہی قیاس کرتے ہیں لیکن ہم اس سلسلے میں ان پر تنقید کرتے ہیں کہ جب ان کے سامنے رسولؐ سے کوئی حدیث نقل کی جاتی تھی تو وہ دوسری حدیث سے اس کی مخالفت کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود ابو حنیفہؒ قیامت تک اللہ کے درمیان امام اعظم ہیں گے

ان کا اتباع کرنے والوں سے دنیا بھری پڑی ہے اور کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ ان کے اسلام میں شک کرے یا ان کی عبادت پر کشتہ چینی کر سکے، یہ ایک طرف، دوسری طرف ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اہل سنت کی معتبر کتابوں سے تقریباً سو حدیثیں ایسی جمع کی ہیں جن کو ائمہ مذہب نے عمل نہیں کیا ہے،

سب اہل بخاری کہتے ہیں: صحیحین کے بعض احادیث پر شافعی مسلک کے لوگوں نے عمل نہیں کیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ان احادیث کو ترجیح ہے جو صحیحین کی احادیث کے خلاف ہیں ایسے ہی دیگر مذاہب نے بھی بعض پر عمل نہیں کیا ہے۔

خطیب نے ابوالحاج افراد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے یوسف بن ابی اسحاق کو یہ کہتے ہوئے سنا: ابو حنیفہ نے رسول کی چادر سویا اس سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کیا ہے لہذا کچھ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے ابو حنیفہ کو دوسروں کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا ہے، خطیب ہی نے حاد بن سلمہ سے دو طریق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو حنیفہ احادیث و سنن کا مطالعہ کرتے اور انہیں اپنی رائے سے رد کرتے تھے عا
اس فصل کو ہم ابوشامہ کے جلد پر ختم کرتے ہیں:

موصوف نے اپنی کتاب "الموئل لرحالی الامم الاول" میں فرماتے ہیں:
بعض عارفین سے مذہب کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے جواب دیا اس کے معنی دین مہدل کے ہیں خداوند عالم کا ارشاد ہے ان مشرکوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور براگندہ ہوئے،

فقہاء کے مختلف اقوال

ایک ہی چیز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال اس لئے ہوئے کہ ہر ایک علیحدہ حدیث کو مدد کر قرار دیا اور دوسرے نے دوسری حدیث کو عبدالوراث بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں مکہ پہنچا وہاں میری ملاقات ابو حنیفہ سے ہو گئی میں نے ان سے عرض کیا: اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس نے ایک چیز فروخت کرنے کی طرح فروخت کی اور اس کے ساتھ ایک شرط لگا کر ابو حنیفہ نے کہا: بیع باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے، پھر میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے کہا: بیع جائز ہے شرط باطل ہے اس کے بعد میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی سوال کیا انہوں نے کہا: بیع جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے میں نے اپنے دل میں سوچا: بحان اللہ! عراق کے تین فقہاء کے درمیان ایک مسئلہ میں اتفاق نہیں ہے پھر میں ابو حنیفہ کے پاس لوٹ آیا اور دوسرے فقہاء کے جواب انہیں بتائے تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا انہوں نے تم سے کیا کہا ہے! مجھ سے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ دلوٰی کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسولؐ نے بیع و شرط سے منع کیا ہے اس لحاظ سے بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے، اس کے بعد میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا اور ان کے سامنے دیگر دونوں فقہاء کے احوال بیان کئے انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم سے کیا کہا ہے مجھ سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور عائشہؓ کی سند سے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ نے کہا مجھے رسولؐ نے ایک حبشی کنیز خریدنے اور پھر اسے آزاد کرنے کا حکم دیا، بیع جائز ہے، شرط باطل ہے،

راوی کہتا ہے کہ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور ان دونوں کے جوابات سے انہیں آگاہ کیا موصوف نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم سے کیا کہا ہے، مجھ سے مسعر بن کدام نے ان سے محارب بن ڈثار نے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسولؐ سے ایک

اونے فروخت کیا تو مجھ سے یہ شرط کی کہ اسے مدینہ پہنچا دوں، معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے،
ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ دبلیس اتنی زیادہ ہیں کہ جن کیلئے الگ کتاب لکھا ہے،

علماء نحو و لغت

آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث لینے کے سلسلے میں علماء کی تین قسمیں ہیں متکلمین، اصولیین، فقہاء اور محدثین لیکن ہم اس بحث کی تکمیل کیلئے علماء نحو و لغت کا موقف بھی بیان کرتے ہیں :
انہوں نے لغت اور نحو کے قواعد کے اثبات کے سلسلے میں حدیث کو مثال و شاہد کے طور پر پیش کیا ہے، سیوطی نے اپنی کتاب، الاقترار فی اصول النحو، میں بیان کیا ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ مروی لفظ آپ نے فرمایا تھا جبکہ یہ نادر ہے، یہ صراحت صرف چھوٹی و مختصر حدیثوں میں پائی جاتی ہے جو کہ بہت ہی کم ہیں، زیادہ تر احادیث بالمعنی نقل ہوئی ہیں جنہیں انجیوں اور حدیث کی تدوین سے پہلے پیدا ہونے والوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہمیں اس میں اضافہ کر دیا کہیں کتب بیونت سے کام لیا، کہیں تقدیم و تاخیر کر دی، الفاظ کو دیگر الفاظ سے بدل دیا یہی وجہ ہے کہ ہم ایک قصہ سے متعلق ایک ہی حدیث کو مختلف عبارت میں مروی پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علی ابن مالک نے احادیث میں وارد الفاظ کے ذریعہ نحو قواعد کو ثابت کرنے سے انکار کر دیا ہے،

پھر ابو الحسن بن الفاضل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شرح المجل میں تحریر کیا ہے،
میں یہ سمجھتا ہوں کہ بالمعنی روایت کو جائز جانے کی وجہ سے علماء نحو و لغت جیسے سیویہ وغیرہ نے نحو و لغت کے اثبات پر حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں انہوں نے قرآن اور عرب کے اقوال سے مدد لی ہے، اگر علماء صریح طور پر بالمعنی حدیث نقل کرنے کو جائز قرار دے

دیئے تو حدیث کے ذریعہ ان کا اثبات بہتر تھا کیونکہ یہ صحیح نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہیں نہ آئے۔ آپ افسوس
 "عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہیں"

صاحب ثمار الصنائع کہتے ہیں: خود وہ علم ہے جو قیاس سے مستنبط ہوتا ہے اور قرآن و
 فصیح عرب کے کلام سے اس کا استقرار ہوتا ہے، موصوف نے مذکورہ دونوں ہی نحو کو محدود کیا ہے،
 حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے،

شرح التشریل میں ابو جحان نے ایضاً کے مولف ابن مالک پر کہ جنہوں نے حدیث سے شاید
 پیش کرنے کو جائز جانا ہے، اعتراض کیا ہے

مصنف نے زبان عرب میں قواعد کے اثبات پر اس چینر سے استدلال کیا ہے جو احادیث
 میں واقع ہوئی ہے جبکہ موصوف کے علاوہ میں نے متقدمین و متاخرین سے کسی ایک کو بھی اس راہ پر گامزن
 نہیں دیکھا ہے یعنی علم نحو کے اولین موجد اہل زبان عرب کے احکام مقرر کرنے والے بصری علماء جیسے ابوطرین
 الطلاء، عیسیٰ بن عمر، خلیل، سیبویہ، اور کوئی علماء میں سے کسائی، فراء، علی بن مبارک الاقرع، بشام
 بن الفرینے احادیث سے شاید و شمال پیش نہیں کی ہے اور ان کے اتباع میں دونوں مکتبوں کے تلامذہ
 جیسے ہندو اور اندلس کے غویوں نے ایسا نہیں کیا ہے، نیز کہتے ہیں حدیث سے شاید و شمال اسلئے پیش
 نہیں کی ہے کہ علماء کو یہ یقین نہیں ہے کہ وہ رسول کا کلام ہے اگر انہیں یہ یقین ہوتا کہ رسول کا کلام ہے تو
 تمام قواعد میں اس سے بھی قرآن کی طرح مدطی جاتی اس کی وجہ ہیں،

① راویوں نے بالمتی روایت کو جائز قرار دیا اسلئے زمانہ رسول میں پیش آنے والا ایک واقعہ
 ان الفاظ میں منقول نہیں ملتا ہے جو آپ کی زبان سے صادر ہوئے تھے مثلاً آپ نے فرمایا: زواجکھا
 بما ملک من القرآن و ملککھا بما ملک، اس واقعہ میں وارد ہونے والے الفاظ کے بارے میں ہم آپ
 جانتے ہیں کہ یہ سب الفاظ رسول نے یقیناً نہیں بیان کئے تھے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے بعض الفاظ بیان کئے
 تھے ممکن ہے کہ ان الفاظ کے مرادف الفاظ آپ کی زبان سے صادر ہوئے ہوں اور راویوں نے بجائے
 میں الفاظ کے مرادف الفاظ کی جگہ پر رکھ دیئے ہوں کیونکہ معنی اصل ہیں، خصوصاً جب کہ سننے والے زمانہ

۱۰: کہ جو چاہے وہ تیرے ساتھ رہے یا نہ رہے، لیکن میں نے اسے اپنے لئے نہیں چاہا۔
۱۱: چاہے وہ تیرے ساتھ رہے یا نہ رہے، لیکن میں نے اسے اپنے لئے نہیں چاہا۔
۱۲: چاہے وہ تیرے ساتھ رہے یا نہ رہے، لیکن میں نے اسے اپنے لئے نہیں چاہا۔

[illegible]

۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲

[illegible]

من اشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون ، روز قیامت سب سے زیادہ عذاب مصوروں پر ہوگا ، اس حدیث میں راوی سے اعراب کی غلطی ہوئی ہے ،

اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے

ایسے ہی ابو اسحاق اندلسی ، شاطبی ، غزنائی نے اپنی کتاب شرح البیہ میں ابن مالک پر

اعتراف کیا ہے ،

لیکن ابن مالک کا اس حدیث شریف کے ذریعہ استدلال کتابیہ شاید لانے میں تمام متقدمین کے خلاف ہے کیونکہ ان میں سے کسی کی بھی نحو کی کتاب میں رسولؐ سے منقول حدیث کے ذریعہ استدلال نہیں ملے گا جبکہ انہوں نے عرب کے سفا اور اجٹ لوگوں کے کلام اور ان کے فحش و پوچ اشعار سے شاہد و مثال قائم کی ہے ، بلکہ ابو حاتم نے توجہ جی سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس عبیدہ معمر بن النشئی تفسیر غریب القرآن الکریم کے موضوع پر کوئی کتاب لایا : میں نے کہا : اے ابو عبیدہ یہ تم نے کہاں سے لی ہے یہ تو فقہاء کی تفسیر کے برخلاف ہے ، کہا : یہ ان اعراب کی تفسیر ہے جن کا اس فن سے کوئی ربط نہیں ہے چاہے آپ اسے قبول کریں یا رد کردیں اور جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں وہ صحیح حدیث کو ترک کرتے ہیں اور نحو و لغت میں حدیث سے شاہد نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بالعمنی حدیث نقل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ احکام شریعہ کو پہنچانے کیلئے معانی اہم مقصد ہے لفظ نہیں یہی وجہ ہے کہ جو احادیث کے الفاظ میں اختلاف نظر آتا ہے چنانچہ ایک قصہ کے بارے میں ایک ہی حدیث کی مختلف و متفاو عبارتیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیلئے بالعمنی روایت کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ عرب کے کلام اور اشعار میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ عرب کے کلام اور اشعار کے روایت سے بالعمنی نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ ہی ان کے نزدیک معانی تھے کیونکہ اسی پر زبان کے احکام کی بناء رکھی جائیگی اسلئے نجات نے اس کلام عرب سے استنباط کیا ہے جو ثقہ روایت کے ذریعہ نقل ہوا ہے اور منقولہ احادیث کو اس احتمال کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے کہ ممکن ہے راوی نے حدیث کے لفظ کو عربی معیار سے ہٹا دیا ہو اس سے زبان کی بناء اصل پر برقرار نہ ہوگی ، یہ سب زبان کے قواعد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کیلئے

ورنہ اگر آپ ان کے کلام عرب کو قبول کرنے اور اس کی تحقیق کو دیکھیں گے تو حیرت زدہ رہ جائیں گے اس بات کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے حدیث سے استنباط نہیں کیا ہے اور نہ اسے شاذ کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ انہوں نے اس چیز پر بنا رکھی ہے کہ جنہوں نے الفاظ قرآن کی روایت کی ہے اس پر بنا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے الفاظ کی نقل کو اہم سمجھا ہے، یہاں تک کہ کہا: میں نہیں جانتا ہوں کہ گذشتہ نجات میں سے کسی نے ایسا کیا ہو، ہاں ابن خروف نے ایسا کیا ہے، حالانکہ ابن مالک و امام احمد علیہ السلام حدیث کو بالمشائی نقل کرنے کو بطور مطلق منع کرتے ہیں، یہ قول ضعیف ہے اسے وہ یقینی اور متحد قضا یا رد کرتے ہیں جو کہ مختلف الفاظ میں نقل ہوئے ہیں، وہ محابہ ہجری کے زمانہ سے مختص نہیں ہیں اور انجیوں کو چھوڑ کر عرب ہی میں محدود نہیں ہیں، جو بھی کتب حدیث کا مطالعہ کرے گا اسے ایسے بہت سے الفاظ مل جائیں گے بلکہ ایسے بھی جن کا کلام عرب سے بھی تعلق نہیں ہے، شیخ ابو اسحاق شاطبی کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ ابن مالک کا یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے،

شاید قاری نے یہ محسوس کیا ہو کہ اس سلسلے میں ہم نے بڑے علمائے کلام سے بہت زیادہ شواہد پیش کئے ہیں ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ان میں سے ہر عالم کے کلام کے کچھ فوائد ہیں جو کہ دوسرے کے یہاں نہیں ہیں ان کی دیکھوں سے صاحبان فکر و رائے متفق ہیں اس میں جاہل و متعصب ہجاشک کرے گا،

کچھ اور جاتیں بھی ہیں کہ حدیث کے بارے میں جن کے مختلف موقف ہیں مثلاً شیعوں، زیدیت اور خوارج وغیرہ اور ہر جماعت اپنے امام کی سنت پر ہے،

لیکن شیعوں خصوصاً امامیہ ان احادیث کو معتبر جانتے ہیں جو کہ اہلبیت کے طریق سے ان کے جد کی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوں یعنی جسکی جعفر صادق نے اپنے والد باقر سے اور انہوں نے اپنے والد زین العابدین سے انہوں نے حسین سے انہوں نے اپنے والد امیر المومنین سے اور آپ نے رسول سلام اللہ علیہم جیسا سے روایت کی ہو، لیکن جن احادیث کو ابوہریرہ، سمر بن جندب مروان بن الحکم، عمران بن حطان اور عمرو بن العاص وغیرہ نے نقل کیا ہے امامیہ کی نظروں میں اسکی

کوئی اہمیت نہیں ہے،

خارج حدیث کو ان صحابہ میں محدود جانتے ہیں جن سے انہیں عقیدت ہے ان کی نظروں میں وہ احادیث معتبر ہیں جو قنہ کھڑا ہونے سے قبل بیان ہوئی تھیں لیکن فتنہ کے بعد تو وہ چہرہ کو برے انقلاب سے یاد کرتے ہیں کیونکہ چہرہ نے ”ان کے زعم میں“ ائمہ حور ”ظالم حکم“ کا اتباع کیا ہے اس لئے وہ انہیں نقد نہیں جانتے ہیں۔

محمد عبدالہ کا نظریہ

امام محمد عبدالہ اس احاد حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں جو کہ عقل و قرآن اور علم کے خلاف ہوتی ہے خواہ محدثین کی نظروں میں صحیح ہی ہو اس سلسلے میں ہم آپ کے سامنے محمد عبدالہ کے بعض اقوال پیش کرتے ہیں،

رسول پر سحر کئے جانے کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں: تعلیدی ذہن رکھنے والے وہ لوگ کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ نبوت کیا ہے اور اس کا مرتبہ کیا ہے، اگر یہ صحیح ہے کہ آپ کے نفس پر سحر کا اثر ہوا ہے تو پھر اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اس کی تصدیق نہ کرنا بدعت گمراہوں کی بدعت ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا سحر کا انکار ہے جبکہ قرآن میں سحر کا صحیح ہونا بیان ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے کہ یہ صحیح دین اور صریح حق تقلیدین کی نظروں میں کیسے بدعت بن گیا ہے، ماذا اللہ، وہ سحر کے ثبوت کو قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور آپ سے سحر کی نفی کو قرآن سے روگردانی قرار دیتے ہیں اور اسے مشرکین کا افتراء شمار کرتے ہیں اس سلسلے میں تاویل کرتے ہیں، جبکہ مشرکین کا یہی مقصد تھا وہ کہتے تھے آپ کو شیطان بہکا رہا ہے اور آپ پر سحر ہونے کو بھی وہ شیطان کے مسلط ہونے کی علامت سمجھتے تھے اور یہ سحر وہی ہے جسکی لہجہ کی طرف نسبت دی گئی تھی ان کے خیال میں وہ بنو ہامو اس ہو گیا تھا،

جس چیز کا اعتقاد واجب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مقطوع یہ ہے وہ کتاب خط ہے جو کہ

رسول مہصومؐ سے تو اُن کے ساتھ آئی ہے پس جو چیز قرآن سے ثابت ہو جائے اس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے اور جس کی وہ نفی کرے اس کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے اور قرآن میں رسولؐ سے سحر کی نفی ہوئی ہے اور یہ کہ رسولؐ پر سحر کر دیا گیا تھا تو یہ مشرکین نے اڑائی تھی لہذا رسولؐ پر قطعاً سحر کا اثر نہیں ہوا ہے،

پھر حدیث سحر۔ اگر صحیح بھی ہے تو وہ حدیث آحاد ہے اور عقائد میں آحاد پر عمل نہیں کیا جاتا ہے اور رسولؐ کی قتل کا سحر کے اثر سے محفوظ ہونا عقائد ہی میں سے ہے اور رسولؐ سے سحر کی نفی میں بھی سوائے یقین کے آحاد سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عقائد میں ظن اور ظن آحاد چیزوں پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور چونکہ حدیث طریق آحاد کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اور اس سے اس شخص کو بھی ظن ہی حاصل ہوتا ہے اس لیے صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن جس شخص کے پاس اس بات پر دلیل ہو جو ہو کہ حدیث آحاد صحیح نہیں ہے تو اس سے ہم پر حجت نہیں قائم کی جاسکتی، بہر حال ہم اپنے عقیدہ میں حدیث کو حکم نہیں بنا سکتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں قرآن کی نص اور عقلی دلیل کے مطابق عمل کرنا چاہیے کیونکہ جب رسولؐ خطاطو اس ہو جائیں گے تو وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ انہوں نے کسی چیز کی تبلیغ کی ہے جبکہ ان کی تبلیغ نہیں کی ہے یا یہ خیال کریں گے کہ ان پر کوئی چیز نازل ہوئی ہے حالانکہ کوئی چیز نازل نہیں ہوئی ہوگی یہ بات واضح ہے محتاج بیان نہیں ہے، امام محمد عہدہ آخر میں فرماتے ہیں: نادان دوست نے کتنا نقصان پہونچایا ہے،

اور سحر کی نفی کرنے والے کو بدعتی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ خدا نے آیت آمن الرسولؐ اور دوسری آیات میں ان چیزوں کو بیان کر دیا ہے کہ جن کا مومنوں کو عقیدہ رکھنا چاہیے اور جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائے مگر ان چیزوں میں سحر کا ذکر نہیں ہے کہتے ہیں: اگر وہ قرآن کو سمجھتے اور لخت سے آگاہ ہوتے تو پھر عقلمندان کی اس کجی کی طرف توجہ نہ دیتا اور نہ ہی اسلام میں عیب نکالتا مگر یہ کہ کسی کی محال گوئی کی عادت ہو تو اس سے ممکن بحث نہیں کی جاسکتی اس بیوقوفی سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں،

اور پھر ان لوگوں میں سے ہر ایک نے رسولؐ سے سحر کی نفی کی ہے اور اسناد نے اسے اسی طرح قیاد اور غیر قیاد سے متعلق بہت سی احادیث کو رد کیا ہے جیسے حدیث غرائق حدیث زینب بنت جحش وغیرہ کو رد کیا ہے اس موضوع سے متعلق ہم ان کے اقوال پیش نہیں کر سکتے ہیں،

علامہ رشید رضا کی رائے

اس موضوع کو ہم علامہ رشید رضا کے قیمتی جملہ پر ختم کرتے ہیں، بعض احادیث اس شخص کیلئے حجت ہیں جس کے نزدیک وہ ثابت ہیں اور اس کا دل ان سے مطمئن ہے لیکن دوسرے کیلئے یہ حجت نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجاہد ہر اس حدیث کو نہیں لکھتے تھے جو ان سے بیان کی جاتی تھی اور جس کی طرف انہیں توجہ کیا جاتا تھا جبکہ وہ قرآن کے اتباع اور اس پر عمل اور اس سنت علیہ کی طرف ملتے تھے جس کا اتباع کیا جاتا تھا سنت کو بہت کم بیان کرتے تھے جیسے حضرت علیؓ کا صحیفہ، وہ صحیفہ خودیت، امیر کی رہائی اور شہر مکہ کی حرمت وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہے چنانچہ امام مالک منصور و رشید خلیفہ کی اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے کہ لوگوں سے ان کی کتابوں یہاں تک کہ موطن پر عمل کرایا جائے، ہاں صرف ان احادیث پر عمل کرنا واجب ہے جو روایت و دلالت کے اعتبار سے وثوق ہوں اور جو کسی حدیث کو وثوق سمجھتا ہے اور اس کے مفہوم کو دیکھ کر کہتا ہے وہ اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اسے عام شریعی حکم نہ بنائے، جس تک کوئی حدیث پہنچے اور اسکے نزدیک وہ ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن جو ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جو اس کے نزدیک ثابت نہیں ہے یا اسے ان کا علم نہیں ہے تو ایسا شخص معذور ہے احادیث پر مفاد میں عمل نہیں کیا جاسکتا ان پر صرف فرعی احکام میں عمل کیا جاسکتا ہے کیونکہ عقائد کی دلیلیں متواتر حدیثیں ہیں،

جس شخص کو کسی حدیث کی روایت میں کوئی ضعف نظر آجائے اور وہ اس کو وجہ سے حدیث

کو تسلیم نہ کرتے تو وہ مخدوہ ہے اور اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ حدیث جھٹلاتا ہے،
 اور ظن بھی اس کا فائدہ دیتا ہے اور امت نے بھی صرف اس حدیث کو تسلیم کیا ہے کہ جس کے صادق
 ہونے کا ظن غالب ہے اسی لئے انہوں نے قاعدہ بنا دیا کہ: ظن غالب سے حکم لگایا جائے گا جبکہ ان کے
 ظن کا لازم حدیث کا صحیح ہونا نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں صحیح ہو، علماء اصول کے نزدیک متفق علیہ قاعدہ
 میں سے بہترین قاعدہ یہ ہے کہ: ان طرور الاحتمال فی المرفوع من وقائع الاحوال، کیسو حاثوب الاجمال
 یسقط بہ الاستدلال ۱

صرف حدیث

ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ جس سے تغافل کرنا ہمارے لئے صحیح نہیں ہے اور وہ یہ کہ حدیث
 طلب و تلاش کے بعد کے زمانہ میں بڑھی ہے، کہ ہماری کتاب کا موضوع ہے،
 ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں،

لیکن حدیث کی تلاش جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بہت سے لوگ اس کی جستجو میں رہتے
 ہیں اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کے معانی میں غور کرتے ہیں تو یہ چیز ال علم کی ایک جماعت کے
 نزدیک صحیح نہیں ہے ۲

ذہبی اپنی کتاب "بیان زغل العلم والطلب عن علم الحدیث" میں فرماتے ہیں لیکن
 اکثر محدثین سمجھتے نہیں ہیں اور نہ معرفت حدیث کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ اس سلسلے میں دیانت داری
 سے کام لیتے ہیں، سیفان ثوری کہتے ہیں: اگر حدیث خیر ہوتی تو خیر کی طرح ختم ہو جاتی لیکن میں اسے
 نشر سمجھتا ہوں کیونکہ شرک کی طرح میں اسے بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، خدا کی قسم سچ کہتا ہے حدیث میں

کو نہی بھلائی ہے کہ صحیح کے ساتھ ضعیف مخلوط ہے، صحیح کو جدا نہیں کیا جاسکتا نہ نقل کرنے والوں سے بحث کر سکتے ہیں نہ خدا اس کی جزا دے گا، ہم تو صاحبان عقل کیلئے مضحکہ و مذاق بن گئے ہیں وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہیں وہ اہل حدیث،

پہلے زمانہ کے بڑے روات اور روایت کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں چوتھی صدی میں تیسری کی بہ نسبت یہ شخصیں بڑھا اور آج تک اس میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے تو ہمارے زمانہ میں جو بھی محدث ہے وہ افضل ہے، کہتے ہی لوگ زمانہ قدیم میں فقیہ و قیاس میں مشہور تھے لیکن حدیث کے سلسلہ میں متاخرین مشہور ہیں اور قدیم متکلمین میں سے کہتے تھے کہ جو ہمارے شر کو زمانہ کے مشائخ سے بہتر طور پر جانتے تھے،

یہ تھے پانچویں اور آٹھویں صدی کے محدثین کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال، ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو کہ آج اپنے کو محدث سمجھتے ہیں، ان کا مبلغ علم یہ ہے کہ حدیث کی بعض کتابیں پڑھی ہیں ان میں سے چند حدیثیں انہیں از بر ہیں انسان کے عالم بننے کیلئے اتنا کافی نہیں ہے کہ جس سے عمل میں استفادہ کر سکے اس کے قول و فتوے سے لوگ مطمئن ہو سکیں،

خدا ہمارے استاد امام محمد عہدہ پر جسم کرے انہوں نے اس ایک کے بارے میں کہ جسکے متعلق لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی محنت و کوشش کے ذریعہ مسلم کے اس درجہ پر پہنچ گیا جس پر کوئی نہ پہنچ سکا، بخاری کی پوری عبارت اسے یاد ہے، کہا تھا: شہر میں ایک اور نسخہ کا اضافہ ہو گیا ہے، خدا کی قسم اس نے حق بات کہی ہے، یعنی اس شخص کی قیمت یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ اسے بخاری از بر ہے، کتاب بخاری کے اس نسخہ سے زیادہ اس کی قیمت نہیں ہے جو نہ حرکت کرتا ہے نہ کچھ سمجھتا ہے۔

جس سے ہم نے یہ قیمتی کلام نقل کیا ہے وہ محدث کبیر مودع اسلام ذہبی ہیں ان کے بارے میں علامہ الفہدی نے اپنی کتاب نکت الہیمان میں لکھا ہے، میں نے ان کے پاس نشست و برخاست

کی، ان سے بہت بہت کچھ سیکھا، ان کی اکثر کتابیں انہیں سنائیں میں نے ان میں محدثین کا ماحول نہیں پایا اور نہ نقل میں سخت گیر،

صفدی نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ تمام لوگوں کے درمیان محدثین کا جو مشہور تھا اسی طرح ہمارے استاد نے، رسالہ الاسلام والنصرانیہ میں محدثین کو تنگ نظر و سادہ لوح قرار دیا ہے۔

اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ صفدی نے اپنے شیخ سے ان کے اس جہود کی وجہ سے برأت کا اظہار کیا ہے، جس سے حدیث سے سرکار رکھنے والے پہچانے جاتے تھے بلکہ ان کے بارے میں ان کے شیخ ذہبی نے بھی کچھ کہا ہے جسے ہم موصوف کی کتاب سیر اعلام النبلاء میں فقہ محدث شیخ الاسلام ابوبکر بن عیاش کے حالات میں درج کیا ہے،

ابو عرواحد بن محمد نیشاپوری کے فوائد ابوتراب محمد بن الفرج سے نقل کئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے خالد بن عبداللہ کوئی سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے: ابوبکر بن عیاش کی گلی میں ایک کتا تھا وہ جب بھی کسی حدیث نویس کو دیکھتا تو اس پر قلعہ کر دیتا تھا، حدیث نویس نے اسے زہر دیدیا، ابوبکر جب گھر سے نکلے تو کتے کو مردہ دیکھ کر کہا: انا للہ، یہی حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے والا چلا گیا: نعیم بن حاد کہتے ہیں، ابوبکر بن عیاش اہل حدیث کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، اور اکثر اہل حدیث کو ہم ملامت سے بری نہیں سمجھتے ہیں وہ صرف حدیث میں گم ہو گئے اور اس کے سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس میں نئی نئی رائیں پیدا کر دیں۔

لہذا انہیں حشویہ، نابہ، مجبرہ اور سالتوقات جبریہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور علامہ غنیہ کے نام سے پکارتے ہیں جو کہ بڑے انقباب ہیں،
 اروض الباسم میں ذریعہ ایامی لکھتے ہیں،
 انہیں حشویہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ احادیث بھی جمع کرتے تھے جن کی رسولؐ سے مروی احادیث میں کوئی اصل نہیں ہے یعنی ان بے اصل حدیثوں کو رسولؐ کی حدیثوں میں داخل کرتے تھے،
 محمد بن شوان نے اپنی کتاب "ضیاء العلوم" میں لکھا ہے، انہیں حشویہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر تحقیق و انکار کے ہر حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔
 ثبی کہتے ہیں: حدیثوں کے نیک منش لوگ کثرت حدیث کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اگر اب خود میری ہی بیان کردہ حدیث میرے سامنے آئے تو میں ان میں سے وہی تسلیم کروں گا جس پر الٰہی حدیث کا اجازت ہے،
 اعش کہتے ہیں: خدا کی قسم اگر میں چھوٹی سی چیز تصدق کروں تو میرے نزدیک یہ ساٹھ حدیث بیان کرنے سے زیادہ محبوب ہے،
 شعبہ ایوب سختیانی حدیث کے بارے میں معلوم کیا تو کہا: اس میں مجھے شک ہے کہا:
 شک کرو کہ میرے نزدیک یہ یقیناً سے بہتر ہے،
 شعبہ بن جاج کا قول ہے: لوگو! جتنا تم حدیث کی طرف بڑھے ہو اتنا ہی قرآن سے پیچھے پڑے ہو،
 نیز کہا: جہنم میں بے جانے والی چیزوں میں سے میں سب سے زیادہ حدیث سے ڈرتا ہوں،
 پھر کہا: مجھے یہ پسند تھا میں حمام کا ایندھن ہوتا لیکن حدیث نہ پہچانتا،

عید اللہ بن عمر کہتے ہیں: میں ائش کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور ابو حنیفہ کی طرف دیکھا اور کہا اس مسئلہ کا آپ جواب دیجئے انہوں نے کچھ کہا:

ائش نے کہا: یہ کہاں سے کہا آپ نے؟ جیسا کہ آپ نے ہم سے حدیث بیان کی تھی ائش نے کہا: ہم دوا ساز اور آپ طیب، یعنی اہل حدیث ایسے ہی ہیں جیسے فلاسیفی ولے اور فقہاء کی مثال اطباء کی سی ہے،

شعبہ کہتے ہیں: ایک زمانہ تھا کہ جب میرے پاس کوئی اہل حدیث آتا تھا تو اسے دیکھ کر میں مسرور ہوتا تھا لیکن آج یہ حالت ہے کہ وہ سب سے زیادہ منفور ہیں وہ کہتے تھے: یہ حدیث تمہیں ذکر خدا سے اور غنا سے باز کرتی ہے،

شعبی کہتے تھے: شعر میرے نزدیک حدیث سے زیادہ محفوظ ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا: اگر میں خدا کی رضا چاہتا تو تمہاری طرف نہ آتا اور اگر تم خدا کی خوشنودی چاہتے تو میرے پاس نہ آتے لیکن مدح و تعریف کو پسند کرتے ہیں مذمت و برائی کو منظور سمجھتے ہیں،

عروبن حارث کہتے ہیں: میں نے حدیث سے بہتر علم نہیں دیکھا ہے اور اہل حدیث سے زیادہ پست لوگ نہیں دیکھے ہیں، سفیان نے اصحاب حدیث کی طرف دیکھا اور کہا: تم آنکھ کا خار ہو اگر تم اور ہم عربین خطاب کے زمانہ میں ہوتے تو وہ ضرور کوڑے لگواتے،

مغیرہ البضی لکھتے ہیں: خدا کی قسم میں فساد سے اتنا نہیں ڈرتا ہوں جتنا ان "اہل حدیث" سے ڈرتا ہوں،

سفیان ثوری کہتے ہیں: ہم اس حدیث میں ساٹھ سال سے الجھے ہوئے ہیں چاہتا ہوں کہ اس سے صحیح سالم طریقہ سے نکل آؤں،

محمد بن سلام سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن سعید قطان نے کہا: اشعار کے راوی حدیث کے راویوں سے زیادہ مطمئن تھے کیونکہ حدیث کے روایت نے بہت سی جعلی حدیثوں کی بھی

روایت کی ہے، اشعار کے روایت اگر جعلی اشعار پڑھتے تھے تو ان پر تنقید کی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہ جعلی ہے۔

مازنی سے اہل علم کے صفات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اہل قرآن میں ضبط العقل اور ضعیف ہیں اور اہل حدیث میں احق ولا پر و احشویہ ہیں اور شعراء میں جلد باز و یوق ہیں خوبوں میں مشکل پسند ہیں اور احادیث بیان کرنے میں سب ہیں، اگر ہم ان تمام چیزوں کو نقل کرتے ہیں تو جگہ جگہ حدیث کے جود کے بارے میں کہا گیا ہے تو بحث طویل ہو جاتی لہذا ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں،

اس فصل کو ہم المناک چیز پر ختم کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرقہ سے اسلام کو کتنا شدید نقصان پہنچا ہے، مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ معتزلہ ہے اسی کو عدلیہ بھی کہتے ہیں اسی جیسا ایک اہل فرقہ ہے جسے اہل سنت کہتے ہیں دونوں کے درمیان شدید اختلاف ہے ایک دوسرے پر سب وستم کرتے ہیں اس ضمن میں شیخ کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، اہل سنت کے بارے میں عدلیہ کہتے ہیں،

وَجَاعَ سَمَوَاهُمْ سَنَةً وَجَاعَ حُمْرُ لَعْمَرَى مَوَکَفَةً
قَدْ شَبَّهَ بَخْلَقَهُ وَتَخَوَّفَا شَيْعَ الْوَرَى قَسْتَرُوا بِالْکَلَفِ

اہل سنت نے بھی اپنے دشمن عدلیہ کے بارے میں کہا ہے،

وَجَاعَ كَهْرُ وَابِرٍ رَجْمٌ حَقًّا وَوَعْدُ اللَّهِ مَا نِيْ خَلْفَهُ
وَتَلَقَّوْا عَدْلِيَّةً قَلْنَا: اَجَلٌ عَدْلُوْا بِرَجْمِ فَجَسَدِمْوَسَفِ
وَتَلَقَّوْا النَّاجِينَ كَلَّا اَنْهَضُمْ اَنْ لَمْ يَكُنْ لَوْنِي لُغْطِيْ فَعَلِيْ سَفِ

خاتمہ

حدیث محمدیؐ اس کی حیات و تاریخ سے فراغت پانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب کے خاتمہ پر چند ایسے نصول قائم کی جائیں جن میں حدیث اور فقہ حدیث سے متعلق بہت پیش کئے جائیں اور یہ بھی واضح کیا جائے کہ محقق صحیح حدیث تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور دین اسلام کے قواعد و اصول کے باوجود قاری ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا پھر یہ نصول کتاب کا لازمہ اور خاتمہ ہے اس کی تہدید میں ہم فیلسوف المورخین ابن خلدون کے کلام کو پیش کریں گے،

اپنے مشہور مقدم میں فرماتے ہیں: جب احادیث میں صرف نقل پر اعتماد کیا جائے گا اور اسے عادت کے اصول اور سیاست و طبیعت اور معاشرہ انسانی کے احوال پر نہ پرکھا جائے گا اور نہ اس میں سے غائب کو حاضر کے لحاظ سے دیکھا جائے گا تو ایسی صورت میں زیادہ غرضیں ہوں گی، قدم و گنگائیں گے اور جادہ صدق سے ہٹ جائیگا، چنانچہ اکثر مورخین، مفسرین اور ائمہ روایت نے حکایات اور وقائع کو ناقصین پر اعتماد کر کے جھوٹ سچ میں تمیز کئے بغیر نقل کیا ہے اور انہیں ان کے اصول یہاں تک کہ ان ہی جیسے وقائع پر بھی نہیں پرکھا ہے اور نہ ہی حکمت کے معیار اور کائنات کی طبیعتوں کے علم کے میزان پر تول ہے اور نہ ہی احادیث کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے نتیجہ میں وہ جادہ حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہم و خطا کی وادی میں گرہ ہو گئے۔

۱۔ مقدمہ ابن خلدون

اور جب خبر میں کذب کا امکان ہے اس کے کچھ اسباب ہیں جو کذب کا تقاضہ کرتے ہیں ان ہی میں سے راویوں اور مذاہب کا تفرقہ و علیحدگی ہے جب حدیث قبول کرنے کیلئے نفس حالت اعتدال پر ہو تو اسے غور و فکر کا حق دیا جائے تاکہ اس کے کذب سے صدق واضح ہو جائے اور جب اس کے جھوٹ سچ میں تمیز نہ ہو سکے پھر کسی کی رائے یا مذہب کی پیروی کرے اور اسے قبول کرے دیگر اخبار کے موافق ہو اور یہ تمایل و جھکاؤ چشم بصیرت کو استغناء محض تک نہیں پہنچے دیتا اور نتیجہ میں انسان جھوٹ کو قبول کر لیتا ہے اور اسے نقل کر دیتا ہے اور ثقہ ناقلین کی حدیث میں بھی ایسے اسباب ہوتے ہیں جو کذب کا تقاضا کرتے ہیں اور اسے پاک و صاف کرنے کیلئے جرح و تعدیل کی طرف رجوع کیا جا سکے انہیں اسباب میں سے ایک مقصد سے غفلت ہے بہت سے نقل کرنے والے دیکھتے تو سننے کے باوجود مقصد کو نہیں سمجھ پاتے اور اپنے تخمین و ظن کی بنا پر خبر نقل کر دیتے ہیں نتیجہ میں جھوٹ باقی رہے انہیں اسباب میں سے صدق کا توہم بھی ہے، یہ بہت زیادہ ہوتا ہے یہ ثقہ ناقلین کی جہت سے زیادہ ہوتا ہے، احوال کی وقائع پر تطبیق سے بے خبری بھی ایک سبب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تلبیس و صنع ہوتی ہے، یعنی حقیقت کے برخلاف ہوتے ہیں اور مجسراہیں اسی طرح بیان کرتا ہے جیسے دیکھتا ہے جبکہ وہ حقیقت کے برخلاف کراٹھے گئے ہیں، بہت سے لوگ مالداروں اور جاہ و چشم والوں کی مدح و ثنا اور جگہ جگہ ان کے ذکر کیلئے حدیث کا سہارا لیتے ہیں لوگ تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ دنیا اور اس کے جاہ و ثروت کو دوست رکھتے ہیں جبکہ ان میں سے زیادہ تر فضائل کی طرف راغب نہیں ہیں اور نہ ان فضائل پر رشک کرتے ہیں جھوٹ ہی کے اسباب میں سے عثران میں طبیعتوں کے احوال سے ناواقفیت ہے کیونکہ حوادث میں سے ہر حادثہ کی ایک طبیعت ہوتی ہے جو اسی کی ذات سے مخصوص ہوتی ہے اس طبیعت پر کچھ حالات طاری ہوتے ہیں، پس جب سننے والا حوادث کی طبیعتوں کو جانتا ہوگا اور ان کے وجود کے احوال اور ان کے مقتضیات سے واقف ہوگا تو یہ تمام چیزیں سچی خبر کو جھوٹ سے جدا کرنے میں اس کی مدد کریں گی اور غلطی ہونے والی چیز کی تمیص کیلئے یہ سب سے زیادہ بہترین ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامعین محال حدیث کو قبول کرتے ہیں اور انہیں نقل کرتے ہیں اور پھر ان سے نقل کی جاتی ہے،

عمران کے طبائع کی معرفت کے ذریعہ احادیث کی تحیص تعدیل کے ذریعہ روات کی تحیص پر نسبت رکھتی ہے،

کہتے ہیں: احادیث کی تحیص اور اس کے جھوٹ سچ کو پرکھنے کا بہترین و محکم ترین ذریعہ عمران کے طبائع کی معرفت ہے اور یہ تعدیل روات کی تحیص پر مقدم ہے اور تعدیل روات کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ حدیث ممکن ہے یا محتج چنانچہ اگر حدیث محال ہوگی تو جرح و تعدیل کی بحث کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اہل نظر نے حدیث کے لفظ کے مدلول کے محال عقل کے خلاف ہونے کو عیب قرار دیا ہے جرح و تعدیل صرف احادیث شریعہ میں متبرہ کیونکہ ان میں کفر و شرارت نے غل اس وقت کرنے کو واجب قرار دیا ہے جب انکی صداقت کا گمان ہو جائے اور ظن کے صحیح ہونے کا راستہ راویوں کی عدالت اور ان کے یاد رکھنے پر اعتماد ہوتا

اور جب دنیا کی عمر سے بحث کی تو کہا: صد اسلام میں اس سلسلے میں صحابہ سے منقول باتوں پر اعتماد کیا جاتا تھا خصوصاً انبیاء و ائمہ کے ان لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب الاحبار، وہب بن منبہ وغیرہ پر اعتماد کیا جاتا تھا، تفسیر قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں،

مقدمین نے اس سلسلے میں کچھ جمع کیا ہے، لیکن ان کی کتابوں میں غلط و صحیح اور پسندیدہ و غیر پسندیدہ چیزیں بھی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اہل کتاب نہیں تھے نہ ہی ان کے پاس علم تھا وہ تو صرف بدو و جاہل تھے جب کسی چیز کی معرفت کا شوق ہوتا تھا جیسا کہ کائنات کے اسباب اور ابتدائے آفرینش و اسرار وجود کو جاننے نفوس بشریت کو ہوتا ہے، تو اسے وہ اہل کتاب سے پوچھتے تھے اس سلسلے میں وہ انہیں سے استفادہ کرتے تھے اور یہ اہل کتاب یہودیوں سے تورات اور ان کا اتباع کرنے والے نصاریٰ تھے اور اہل تودیت بھی اس زمانہ میں عرب ہی کی مانند بادیشین تھے اس سلسلے میں وہ بھی اتنا ہی جانتے تھے جتنا عام اہل کتاب کو علم ہوتا ہے ان میں حیرت و غم سمجھے جاتے تھے کہ

جن سے دین یہودی لگایا ہے، اور جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تب بھی اپنے ان عقائد سے دست بردار نہیں ہوئے جن کا فروعیت اسلامیہ کے ان احکام سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن کعب الاحبار و ہب بن منہ اور عبد اللہ بن سلمہ وغیرہ کی نقل کردہ چیزوں سے تفاسیر جھگڑائیں اور اس سلسلے میں مفسرین نے سہمی سے کام لیا اور تفسیر کی کتابوں میں ایسی چیزوں کو بھریا اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ان چیزوں کا سرچشمہ تورات والے ہیں اسی زمانہ سے چیزیں قبول کی جا رہی ہیں۔
علوم حدیث کے سلسلے میں کہتے ہیں:

اس فن میں کثرت و قلت کے سلسلے میں مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، ابو حنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایت سترہ یا اس سے کچھ زیادہ ہیں ملک کے نزدیک وہ تمام حدیثیں صحیح ہیں جو موطا میں درج ہیں جو کہ ۳۰۰ کے لگ بھگ ہیں احمد بن حنبل نے اپنی سند میں ۵۰ ہزار چیزیں کی ہیں ان میں سے جن کو کثرت و قلت کی روایت کی ہیں وہ ان مطامع سے بچنے کیلئے کی ہیں جو روایت پر عارض ہوئے ہیں یا ان علل و تقاضے سے بچنے کی خاطر جو کہ طرق پر عارض ہوتے ہیں خصوصاً جرح اکثر کے نزدیک مقدم ہے اور اس سے وہ حدیث کٹ جاتی ہے جن کے طرق و اسانید پر مذکورہ چیزیں عارض ہوتی ہیں، حتیٰ تحقیق زیادہ بڑھتی ہے اتنی ہی روایت قلیل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابو حنیفہ کی روایت اسلئے کم ہیں کہ وہ روایت کے شرائط ان کے حل کرنے کے سلسلے میں سخت تھے وہ اس یقینی حدیث کو چھوڑ دیتے تھے کہ جس میں کسی نجی چیز کا دخل ہوتا تھا انہوں نے جان بوجھ کر حدیث کی روایت کو ترک نہیں کیا تھا، ایسا ہرگز نہیں کیا تھا، لیکن دوسروں نے شرائط کو وسعت دی نتیجہ میں ان کی حدیث کی کثرت ہو گئی،

کہتے ہیں کہ تمام صحابہ متقی نہیں تھے اور ان سب سے دین لیا گیا ہے بلکہ یہ کام حائین قرآن اسکے ناسخ و منسوخ اور حکم و مشابہ اور دیگر دلائل کے عالموں سے مختص ہے کہ یہ علم انہوں نے رسول سے

حاصل کیا ہے یا ان لوگوں سے یا بے جنہوں نے رسولؐ سے سنا تھا اسی لئے انہیں قرآن یعنی کتاب خدا کو پڑھنے والے کہتے تھے کیونکہ عرب جاہل تھے،



jabir.abbas@yahoo.com

اسلام پر عظیم مصیبت

استاد محمد عبدہ کہتے ہیں:

اسلام کیلئے سب سے عظیم مصیبت مسلمانوں کی بدعت گزاری اور غالیوں کی نعمت ریلٹ ہیں ان ہی چیزوں سے مسلمانوں کی عقل میں ضعف پیدا ہوا اور دوسرے ان چیزوں کے بارے میں بدظنی ہو گئے کہ جن پر دین کی بنیاد استوار ہے، دین محمدیؐ میں قرون اولیٰ ہی میں جھوٹ پھیل گیا یہ اس بات کا سرخا عبد صبار ہی سے ملتا ہے بلکہ خود رسولؐ کے زمانہ میں آپؐ پر جھوٹ باندھا گیا، لیکن بنی امیہ کے زمانہ میں حکومت میں جھوٹ کی انتہا ہو گئی ہر شخص پر جھوٹ کی بلا کا سایہ آگیا، نقل کرنے والوں کی کثرت ہو گئی اور سچے لوگ کا عدم ہو گئے بعض بڑے صحابہؓ نے حدیث نقل کرنے سے دست کشی اختیار کر لی مگر یہ کہ انہیں کسی کے حافظ پر اتکا دہوتا کہ انھیں ان حدیثوں میں تحریف کا خوف تھا کہ جو ان سے نقل ہوتی تھیں، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں روایت کی ہے: میں نے اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی اور چیز کے بارے میں جھوٹا نہیں پایا ہے، پھر افتراء کے شر نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی نئی نئی باتوں کی تخلیق کا سلسلہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا جو شخص امام مسلمؒ کے مقدمہ کا مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ موصوف نے اپنی صحیح کی تصنیف میں کی رحمت اٹھائی ہے اور اس چیز سے واقفیت پیدا کی ہے جو غرض مندوں نے دین میں داخل کر دی تھی جبکہ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اہل نظر پر کبھی بھی یہ بات پوشیدہ نہیں رہی ہے کہ دین اسلام ناپی روشنی سے دنیا کی آنکھوں کو چمکا چوند کر دیا ہے، راستوں کے سروں پر سطوت شہنشاہی کی مانند آیا اور لوگوں کو اپنے فیض سے سرشار کیا اس میں ان کی رغبت کی بہت سی چیزیں نظر آئیں، صاحبان عقل کیلئے ان پر دیلیں قائم ہو گئیں، یہ تھے دین میں داخل ہونے کے اسباب کچھ لوگ اس کے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہتے تھے یہی سچے مسلمان ہیں، بعض مختلف قوموں کے لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام اختیار کیا اور خود مسلمان

بن گئے غنیمت کیلئے یا اہل اسلام کے خوف سے مسلمان بن گئے یا معزز بننے کی خاطر اسلام قبول کیا اور خود کو اسلام کی چادریں پیٹ لیا لیکن اسے سمجھنے کی طرح نہیں سمجھا بظاہر مسلمان بن گئے ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نہ اُترا لہذا باطنی طور پر وہ اپنے سابقہ ادیان ہی پر باقی رہے ظاہر مسلمانوں سے مشابہ ہو گئے خداوند عالم نے انہیں کے بارے میں فرمایا ہے: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ، بدو کہتے ہیں کہ ایمان لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو لیکن یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں کیونکہ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے پھر ان میں ایسے لوگ بھی تو رہا گادیں میں بہت آگے تھے یہاں تک کہ لوگ انہیں اتقیا سمجھتے تھے پس جب کوئی کسی قوم کو یہ دیکھتا تھا کہ وہ میرے اوپر اعتماد کرتے تو وہ اپنے سابقہ دین کی باتیں بیان کرتا تھا اہا انہیں رسول یا آپ کے بعض اصحاب کی طرف منسوب کر دیتا تھا یہی وجہ ہے کہ جن اسرائیلیات سے توریت کی شروح بھری پڑی ہیں اسلامی کتابوں میں وہ رسول کی حدیث کے عنوان سے نقل ہوتی ہیں ان میں سے بعض جان بوجھ کر ایسی احادیث گڑھی ہیں کہ اگر ان کے معنی ذہن میں ماسخ ہو جائیں تو اخلاف کو تباہ کر کے رکھ دیں اھ انسان شرعی اعمال کو حقیر سمجھنے لگے اور حق کی نصرت سے منہ موڑے گا جیسے وہ احادیث جن میں ۱۰ محاذ اللہ، اسلام کی عمر کے ختم ہونے کا ذکر ہے یا جن میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا بخش دے گا خواہ اس کی شریعت ہی سے انحراف کیا ہو یا عقل کو چھوڑ کر جسمیں دین دنیا کی فلاح، قدر کو تسلیم کرنے کی ترغیب ہے یہ ساری چیزیں گڑھنے والوں نے مسلمانوں کو برا کرنے کیلئے اور انہیں اصول دین سے خوف کرنے کیلئے گڑھی ہیں تاکہ ان کا نظام منحل اور حالات ابتر ہو جائیں،

جھوٹوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو حدیث میں اضافہ کرنے اور اس میں کسی قول کو برکت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ اس سے دین کی شان بڑھتی ہے چنانچہ انہوں نے جو چاہا ہو اس کی اور اس فعل کی انجام دہی سے وہ اجر و ثواب کی بھی امید رکھتے ہیں جبکہ انہیں عذاب و عقاب کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا ان ہی کے بارے میں مسلم نے اپنی صحیح میں لکھا ہے صائین کو میں نے حدیث

سے زیادہ کسی اور چیز میں جھوٹا نہیں پایا ہے اور ہمیں سے ان کی مراد وہ لوگ ہیں جو کہ دارِ وحی نہ تھا اور نیچے کتے پستے تھے، سر جھکائے رہتے، آواز دھیمی رکھتے تھے جسکی طویل پر صبح و شام مسجد میں رہتے تھے اور روحی لحاظ سے مسجد سے کوسوں دور رہتے تھے ہونٹوں پر ذکرِ خدار تھا لیکن جیسا کہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: دین کو انہوں نے بصیرت کیلئے رکاوٹ اور عقل کے لئے پردہ بنالیا ہے وہ دھوکہ میں ہیں برائی کہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں نیکی انجام دے رہے ہیں کبھی ظلم بھی عول معلوم ہوتا ہے اور دھوکہ فضیلت نظر آتا ہے لہذا وہ اصحابِ نبیؐ کی فضیلت کے سلسلہ میں جس چیز کا چاہتے ہیں اضافہ کرتے ہیں اور دلوں میں ان کی منزلت بڑھاتے ہیں ان کے بارے میں یہ ضربِ امثل بالمثل صحیح ہے کہ نادان دوست سے عقلمند دشمن اچھا ہے،

جب مروجہ حدیث کو اس قاعدہ پیش کیا جو کہ انہوں نے اصلاحِ تعلیم کیلئے بنایا ہے اور جس پر عمل کرنا ضروری ہے تو کہا: فنِ حدیث اس شرط پر قرآن کا مفسر اور اس کو بیان کرے سکتا ہے کہ جب اس سے ان صفتِ حدیثوں کو حذف کر دیا جائے جو قرآن کی نص کے خلاف ہے اور صحیح حدیثوں کو اس کی طرف ارجاع دینے کی کوشش کریں مگر چہ ان کے ظاہر سے اس کی نجات ہی کبھی ملتی ہے!

اور اپنے اس خطاب میں جس میں اپنے ایک بھائی کو مسلسل قرآن اور سیرتِ انبیاء کے مفاد کی نصیحت کی ہے کہا: ہمیشہ قرآن کی تلاوت کیا کرو اسکے اوامر و نواہی و عطا و مہرت کو سمجھو کہ یہ زمانہ وحی میں مومنین اور کافرین سب کیلئے پڑھا جاتا تھا، تفاسیر سے محتاط رہو یا ان مفرد لفظ کو ان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جس کے بارے میں تم یہ نہ جانتے ہو کہ عرب میں اس کا کیا مفہوم ہے یا تم کسی مفرد لفظ کے دوسرے سے ربط سے واقف نہ ہو پھر جو چیز قرآن سے تعین و مشخص ہو جائے اسے اختیار کرو اور خود کو قرآن کے سانچے میں ڈھالو اسی کے ساتھ سیرتِ رسولؐ کا

بھی مطالعہ کیا کروں لیکن خدا کی تنزیہ پر حرف آئے اور معلم الہی مخلوق سے مشابہ ہو جائے۔
لیکن آحاد احادیث پر اس کے لئے ایمان لانا واجب ہے جو کہ جس تک وہ پہنچی ہیں اور
اس نے ان کی روایت کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہو لیکن جس تک وہ پہنچی ہیں یا پہنچتی ہوں
لیکن اسے ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہو چیکہ متواتر بھی نہیں ہیں تو اگر وہ ان احادیث کی تصدیق
نہ کرے تو ان کے ایمان پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی اس سلسلے میں اصل یہ ہے جو شخص کسی چیز کا
انکار کرے جبکہ وہ یہ جانتا ہو کہ رسول نے اسے بیان کیا تھا یا آپ نے اس کی تصدیق کی تھی تو یہ
رسالت کی صدق کو محذو ش کرنا اور اسے جھٹلانا ہے اسی سے متصل وہ چیز بھی ہے جو تو اس کے
ساتھ نقل ہوتی ہو اور ضروریات دین میں شمار ہوتی ہو،

کیا ہر وہ شخص ثقہ ہے جس کی جمہور متقدمین نے توثیق کی ہے،
جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے ایک نے علامہ سید رشید رضا پر اعتراض کیا ہے کہ آپ
نے کتب الاجار اور دہر بن منبر پر تنقید کی ہے اور کہتے ہیں کہ ان کی روایات پر ائمہ نہیں کیا جاسکتا
ہے تو علامہ نے ایک طویل اور مسکت جواب دیا جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں،
جب ہم نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ جس شخص کو جمہور متقدمین نے اس کے صحابہ
مستول سے واقفیت کے ساتھ اس کے ضعیف و دریک پہلوؤں سے قطن نظر کے ساتھ
رحم تفسیر القرآن و فہم الدین میں لکھتے ہیں: صرف دلیل قاطع کا اتباع کیا جائیگا
کیونکہ یہ چیز باب عقائد سے تعلق رکھتی ہے، اور عقائد یقین پر مبنی ہیں ان میں ظن اور وہم پر
عمل نہیں کیا جاسکتا ۷

محمدؐ کی لائی چیزوں کی تصدیق

استاد محمد عبدہ کہتے ہیں: رسولؐ کی خبر کی تصدیق اور اس چیز پر ایمان لانا

واجب ہے جو کہ آپ لائے ہیں یعنی ان چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے جن کی قرآن مجید میں تصریح اور متواتر حدیثوں میں وضاحت ہے صحیح اور تواتر کے پورے شرائط کے ساتھ بیان ہوئی ہوں یعنی اس کی ایسی جماعت نے خبر دی ہو کہ جس کا محسوس چیز کے بارے میں جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً محال ہو، جیسے مرنے کے بعد بعثت جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کے حالات نیکی اور بدی کا حساب وغیرہ ہیں،

اور عقائد میں اسی چیز پر اکتفا کرنا واجب ہے جس کی حدیث میں تصریح ہوئی ہے اور یقینی چیز میں کسی غلطی چیز کا اضافہ کرنا جائز نہیں ہے اور اعتقاد کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی چیز نہ ہو جس سے شک قرار دیا ہے وہ ثقب ہے، اگرچہ دلیل سے وہ ثقب ثابت نہ ہو سکے، دلیل سے چشم پوشی کر کے اور تقلید کے مقدمات پر عمل کر کے اور قرآن مجید کی ہدایت کی مخالفت کر کے ہم نے خود اپنے اوپر اعتراضات کے دروازے کھل دیے ہیں،

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہم روایت حدیث پر تنقید کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں جرح و تعدیل والوں نے بحث کی ہے، پھر کہتے ہیں، لیکن روایات کے متون کی تحیص یا ان کا حق، واقعہ یارین کے قطعی اصول و فروع کے موافق یا مخالف ہونا جرح و تعدیل کے فن سے مربوط نہیں ہے اس سلسلے میں ان میں سے بہت کم لوگوں نے بحث کی ہے اور جن لوگوں نے کی بھی ہے ”جیسے احمد اور بخاری“ تو انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا ہے اس چیز کو حاکم بن حمر نے اپنے اور غیر کے نزدیک صحیح روایات کے درمیان تعارض والی بحث میں بیان کیا ہے اسی وجہ سے وہ اس کی موافقت یا مخالفت کرنے سے پیچھے ہٹتے تھے جیسے ابو ذر کی حدیث کا ظاہر ہر تخمین وغیرہ کیلئے امر دشوار تھا، غروب کے بعد سورج کہاں رہتا ہے؟ اس سے متقدمین یہی سمجھے کہ سورج پوری زمین سے غائب ہو جاتا ہے اور رات بھر کیلئے زمین سے سورج کی روشنی منتقل ہو جاتی ہے اور جب عرش کے نیچے آتا ہے تو اس وقت دوبارہ طلوع سے نظر آتا ہے آج لاکھوں انسان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اثناء شب میں سورج پوری زمین سے پوشیدہ نہیں ہوتا

ہے بعض جگہوں سے غریب ہوتا ہے اور بعض گوشوں میں نظر آتا ہے لہذا جب ہمارے یہاں دن ہوتا ہے تو دوسری جگہوں پر رات ہوتی ہے اور ہمارے یہاں جب رات ہوتی ہے تو وہاں دن ہوتا ہے جیسا کہ خدائے متعال کے اس قول سے سمجھیں آتا ہے: یٰکُورَ اللّٰیْلِ عَلٰی النَّهَارِ وَکُورَ النَّهَارِ عَلٰی اللّٰیْلِ وہ رات کو دن پر پلٹا دیتا ہے اور دن کو رات پر پلٹا دیتا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے، یٰغٰثِی اللّٰیْلِ اَنْهَارِ یَطْلُبُ حِثِّیْنَ۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، اور رات تیری سے اسکے پیچھے دوڑا کرتی ہے پھر جب ہمیں اس اور ایسے ہی دیگر مسئلہ میں قطعی اور حسی علم حاصل ہے تو ہمارے پاس دو ہی راہ ہیں یا تو حدیث کا سند کو محذوف قرار دیں اگرچہ محدثین اسے صحیح قرار دیں یہ یقینی بات ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اکثر حدیثیں رسولؐ کی زبان سے نہیں سنی تھیں کیونکہ دیر سے اسلام لائے تھے ممکن ہے بعض احادیث کعب الاحبار سے سنی ہوں صحابی کی مرسل اس وقت حجت ہے جب اس نے اپنے ہی جیسے صحابی سے سنی ہو یہی بات ابن عباس وغیرہ کے بارے میں کہی گئی ہے کہ انہوں نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے۔

لیکن حدیث کی یہ تاویل کرنا کہ وہ باطنی مروی ہے یا بعض راوی اس کی مراد نہیں سمجھ سکے تھے تو انہوں نے جو سمجھا اسے اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جیسا کہ راوی مذکورہ حدیث کو نہیں سمجھ سکا تھا، جبکہ رسولؐ کے اس قول ”و ان الشمس تکون ساجدة تحت العرش۔۔۔ الخ“ کا مقصد یہ تھا سورج تحت عرش سجدہ یزیر تہلے لیکن اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ پوری مینا سے غائب ہو جاتا ہے، پھر کہتے ہیں: کہ صحیحین کے بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویل کی ہے تاکہ ظاہر متقدمین کی رائے فلیکات کے ماہرین کی رائے سے ہم آہنگ کر سکیں یہ زبردستی کی تاویل تھی جس کی تردید ظاہر حدیث خصوصاً مسلم کی طویل حدیث سے ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی بعض روایات نے کعب و وہب کے ذریعہ بنی اسرائیل کی کتابوں سے کچھ حکایت نقل کی ہیں جبکہ یحییٰ بن معین، احمد و ابو حاتم اور ان جیسے یہ نہیں جانتے تھے کہ صحیح ہیں یا غلط کیونکہ انہیں کتابوں کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں تھیں پھر ان جھوٹے راویوں کے

کذب پر کوئی دلیل نہیں تھی جو بنی اسرائیل کی کتابوں کی طرف حکایتوں کو منسوب کرتے تھے اور جب ان کے بعد آنے والے پرچیاں ہوا کذب ہے یا تو یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ کعب و وہب کا جھوٹ ہے اس میں روایت کا بھی حصہ ہے یہ کیا کرے، اپنے نفس کو جھٹلائے اپنی حسن سے مکرائے اور نفی و کذب کے ساتھ انہیں پکاسلیم کرے یا مسلمانوں سے حق چھپائے تاکہ وہ اپنے سے پہلے والوں کا ان چیزوں میں مخالفت نہ بنے جو اس پر توچیاں ہو گئیں لیکن پہلے والوں پرچیاں نہیں ہوتی تھیں، چنانچہ اس بے باک تنقید نگار نے کعب و وہب پر تنقید لگا کر جنہوں نے مسلمانوں کے اصول، واضح و قطعی مسائل یہاں تک کہ نصوص قرآن کو مشکوک بنا دیا،

اب ہم پھر اپنی پہلی بات کی طرف لوٹتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ کعب و وہب کے جھوٹ کا آشکار ہو جانے پر ہی ہمارے اصول و فروغ دین کے نقصان کا مدعا و انہیں ہوتا ہے بلکہ دین میں بہترین چیز قرآن مجید، متواتر سن اور سن علیہ ہیں مثلاً نماز و مناسک کا طریقہ یا بعض احادیث میں پرچہ رسالت نے عمل کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ آحاد احادیث کی دلالت قطعی نہیں ہے بلکہ ان میں اجتہاد کی ضرورت ہے ہم بعض مجتہدین کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ان کو بھی اہمیت نہیں دیا ہے جن کو شیخین "بخاری و مسلم" نے نقل کیا ہے اور ان کے اتباع میں لاکھوں مسلمانوں نے ان احادیث پر عمل نہیں کیا اس کے باوجود مسلمان ان لوگوں کو دین سے گمراہ کو اس اسرائیلی "کعب الاحبار" اور اس فارسی "وہب بن منہ" کی کیا قدر و قیمت ہے انہیں سے زیادہ تر خرافات میں جی سے تفسیر وغیرہ کی کتابوں کے اعتبار پر حرف آتا ہے اور اسلام میں مشکوک کو راہ ملتی ہے دشمنان اسلام انہی کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ اسلام بھی دیگر ادیان کی مانند خرافات و اہم کا مجموعہ ہے اور اس کی جو چیز خرافات کہیں ہیں، وہ مشکوک ہے جیسے کعب نے روایات میں سے رسول کی صفت بیان کی ہے ہم نے کعب اور وہب پر ان چیزوں کے بارے میں تنقید اور جرح کی ہے جس کو پہلے علماء جرح و تعدیل جانتے نہ تھے ان تمام باتوں کے بعد میں کہنا ہوں ہماری تحریر سے ان دونوں

[illegible]

ਸਿੰਧੀ ਸ਼ਾਹੀ ਸ਼ਾਹੀ

[illegible]

عصر اول میں احادیث آحاد

مذاہب کی دیلوں سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ جن سے احادیث سے الہ حدیث قیاس کرنے اور رائے کام لینے والوں پر حجت قائم کرتے ہیں وہ آحاد ہیں جو کہ عصر اول میں مستفیضہ نہیں تھیں تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان احادیث کا تشریح علم سے کوئی ربط نہیں ہے، کہ جس پر رسولؐ اور آپ کے اصحابؓ عمل کرتے تھے، اور نہ ہی ان چیزوں میں سے ہیں جن کا رسولؐ نے حاضرین کو غائبین تک پہنچانے کا حکم دیا ہے بلکہ یہ استفادہ کے جواب میں جو سوال کرنے والوں کو دیئے گئے تھے اگر وہ سوال نہ کرتے تو شاید ان کے اجتہاد کیلئے گنجائش رہتی خود اس کے اور لوگوں کیلئے بہتر ہوتا، اور اگر یہ چیزیں دین کے ان اہم امور میں سے ہوتیں جن کو خدا اپنے بندوں پر ذمہ داری کے عنوان سے عائد کرنا چاہتا تھا تو انہیں سوال کئے بغیر بیان کرتا کیوں کہ خدا ہی جانتا ہے کہ ان کے حق میں کیا بہتر ہے، پھر رسولؐ زیادہ سوال کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس کے نتیجے میں زیادہ ذمہ داری بڑھے گی اور امت اسے انجام نہیں دے سکے گی، اسی لئے رسولؐ نے فرمایا: مجھ سے تم چھوڑی ہوئی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے والے زیادہ سوال کرنے کی اپنے انبیاء کے سلسلہ میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، اگر میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے اجتناب کرو اور اگر کسی چیز کا حکم دوں تو جتنی تم میں استطاعت ہو اتنا انجام دو، شیخین اور دارقطنی نے اسے دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے،

نیز فرمایا: خدا نے کچھ فرائض واجب کئے ہیں اور ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ حد معین کی ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اور کچھ چیزیں بیان نہیں کی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ بھول گیا تھا، ان کی کھون میں نہ پڑو،

ان سے اہم خدا کا یہ قول ہے: ایوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت

کلمہ الاسلام دنیا " یہ بہت بڑی جہالت اور دین پر ظلم ہے ہم اپنے وہم و گمان اور ان عظیم اصولوں کو کس نہس کر دیں،
یہ ثابت ہے کہ رسولؐ ہر سوال کرنے والے کا اس کے حل کے مطابق جواب دیتے تھے
آپ کے بعض فتاویٰ خاص یا عام جھوٹ ہے،

دین و شریعت

سید رشید رضا کہتے ہیں: کیا وہ احادیث، جنہیں سنن اقوال کہا جاتا ہے " دین و شریعت میں خواہ صدر اول میں ان پر عمل بھی نہ ہوا ہو،
اگر ہم کہتے ہیں ہاں تو یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ رسولؐ نے قرآن کے علاوہ دوسری چیز لکھنے سے منع کیا ہے، صحابہ نے حدیث نہیں لکھی ہے بلکہ ان میں سے علاوہ ائمہ نے اس کا اہتمام بھی نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اس کی طرف مائل ہی نہیں تھے،
پھر "لع" میں شیرازی لکھتے ہیں:

جب خبر نقل نقد سے نقل ہوئی ہو تب بھی چند امور کے ذریعہ اسے رد کیا جاسکتا ہے
موجبات عقل کے خلاف ہو تو وہ باطل ہے کیونکہ شرع وہی حکم دیتی ہے جنہیں عقل صحیح سمجھتی ہے، ①

قرآن و سنت متواترہ کی نص کے خلاف ہو تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا وہ منسوخ ہے ②

اجماع کے خلاف ہو تو یا تو وہ منسوخ ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ یہ بات صحیح نہیں ③

ہے کہ حدیث صحیح ہو، منسوخ نہ ہو اور امت اس کے خلاف اجماع کرے،
ایسی چیزیں "مستصفیٰ" میں غزالی اور قرطبی نے بیان کی ہیں، ④

صدر اول کے لوگوں کا طریقہ

امام ابو زید الدیوسی تقویم الادبہ میں فرماتے ہیں: صدر اول کے لوگ یعنی صحابہ و تابعین اپنے امیر کی بنیاد حق پر استوار کرتے تھے یا وہ قرآن سے تمسک کرتے یا سنت سے استنباط کرتے تھے پھر رسول کے بعد ان اقوال سے تمسک کرتے تھے جن سے حجت قائم کرنا صحیح ہوتی مثلاً ایک شخص کسی مسئلہ میں امر کا قول اختیار کرتا اور دوسرے مسئلہ میں حضرت علی کے قول سے اس کی مخالفت کرتا اور ابو حنیفہ کے اصحاب کے درمیان توبہ بھی ہوا ہے کہ وہ کبھی ان کی موافقت کرتے اور کبھی مخالفت کرتے تھے اور شریعت میں علوی و عمری مسلک نہیں تھا بلکہ نسبت رسولاً کی طرف ہوتی تھی، خبر کو حجت سمجھتے تھے اپنے علماء اور خود کو نہیں جب وہ حجت قائم کرنے میں سست پڑ گئے تو اپنے علماء کو حجت بنایا اور ان کا اتباع کرنے لگے جس سے وہ حنفی ہو گئے، شافعی میں تقسیم ہو گئے لوگوں کے ذریعہ حجت کو قول بناتے تھے

فقہ زمانہ رسول میں

ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھتے ہیں:

زمانہ رسول میں فقہ مدون نہ مرتب جمع نہ نہیں تھی اور احکام کے سلسلے میں ایسی بحث بھی نہیں تھی جیسی فقہاء کرتے ہیں کہ وہ ان احکام کے شرائط و ارکان اور ادب کو بھی بیان کرتے ہیں خود ان کی صورتیں فرض کرتے ہیں اور پھر ان فرضی صورتوں سے بحث کرتے ہیں اور ان کی حد بندی و حصر وغیرہ کرتے ہیں، رسول وضو کرتے اور صحابہ آپ کو وضو کرتے دیکھتے تو وہ بھی آپ ہی کی مانند وضو کرتے تھے اسکے رکن و ادب کے بیان کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی، آپ نماز پڑھتے اور صحابہ آپ کو نماز پڑھتے دیکھتے تو وہ بھی ایسے ہی نماز پڑھتے جیسے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا آپ حج کرتے وہ بھی آپ کے مانند حج کے اعمال انجام دیتے تھے، رسول اکثر ایسا ہی کرتے تھے یہ نہیں فرماتے تھے کہ واجبات وضو چھ ہیں یا چار اور نہ ہی یہ فرض کرتے تھے کہ اگر انسان نے مولات کی پروا کئے بغیر وضو کیا تو اس کا وضو صحیح ہے یا باطل ہے اور صحابہ بھی ان چیزوں کے بارے میں کم ہی سوال کرتے تھے، ابن عباس کہتے ہیں: میں نے رسول کے اصحاب سے نیک لوگ نہیں دیکھے ہیں کہ انہوں نے وفات رسول کے زمانہ تک آپ سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے تھے اور وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں ان ہی سوالات میں سے یہ ہیں: یسا کو تک من الشہر الخرم قتال فید و یسا کو تک من الخیض ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ صرف انہیں چیزوں کے بارے میں سوال کرتے تھے جن میں ان کا فائدہ ہوتا تھا، قاسم کہتے ہیں: تم ان چیزوں کے بارے میں سول کرتے ہو جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوال نہیں کیا، تم ان چیزوں کی چھان بین کرتے ہو جن کی ہم نے کبھی چھان بین نہیں کی میں نے

صحابہ سے زیادہ آسان سیرت پر چلنے اور شدت سے بچنے والے لوگ نہیں دیکھے ہیں۔
 رسولؐ کی یہ بھی عادت تھی کہ جب آپؐ کسی صحابی کو کہہ کر اپنے اس کو اپنی عبادت فتویٰ
 دینے اور فیصلہ کرنے اور ان امور کو سمجھنے کی توفیق دی ہے اور وہ قرآن کی مدد سے ہر چیز کو سمجھتا
 ہے، پھر ان کے نزدیک بہترین بات وجدان و ضمیر کا اطمینان تھا وہ استدلال کے طریقوں کی
 طرف التفات نہ کرنے ہی میں خوش تھے جیسا کہ آپؐ دیہاتیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گھنگو کا مقصد سمجھتے ہیں

ترجیح کی وجوہ...

علامہ شیخ جمال الدین قاسمی اپنی کتاب "قواعد التحدیث" میں لکھتے ہیں:
 جو شخص صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد والوں کے اقوال کے بارے میں غور
 کریگا، انہیں راجح پر عمل کرنے اور رجوع کو چھوڑنے پر متفق پائے گا اور ترجیح کے بہت سے طریقے ہیں
 اور ترجیح کا مدار ناظر کی قوت بھیرت پر ہے بس انہیں صحیح مساکل شرعیہ کے مطابق ہونا چاہیے، بس
 جس سے یہ حاصل ہو جائے وہی معتبر مرجع ہے، ترجیح کبھی اسناد کے لحاظ سے ہوتی اور کبھی متن کے
 اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی مدلول کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی کسی خارجی امر کی بنا پر ہوتی ہے اس
 کے بعد ترجیح کی بہت سی وجوہ بیان کی ہیں ان ہی میں سے اسناد کے لحاظ سے جو ترجیح ہوتی ہیں ہم اسے
 اختیار کرتے ہیں،

① کثرت روایت کی وجہ سے ترجیح، کرنجی کہتے ہیں: کبھی ایک عادل ہزار ثقہ افراد کے برابر ہوتا
 ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شعب بن الحجاج دو سو کے برابر تھے، صحابہ صدیق کی روایت کو دوسروں
 کی روایت پر مقدم کرتے تھے،

- (۲) فقہ کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ وہ الفاظ کے مدلولات کو اچھی طرح جانتا ہے،
- (۳) زیادہ موثق و زیادہ یاد رکھنے والی کی روایت کو ترجیح ہے،
- (۴) ان میں سے کوئی ایک خلفاء اربعہ سے آئی ہو،
- (۵) ان میں سے ایک عدالت تکمیل کے ذریعہ ثابت ہو اور دوسرا صرف ظاہر میں صحیح ہو،
- (۶) جس پر عیب نہیں لگایا گیا ہے اس کی روایت اس شخص کی روایت پر مقدم ہوگی جس پر عیب لگایا گیا ہو،
- (۷) عدالت وفاق میں مشہور کی روایت دوسرے کی روایت پر مقدم ہوگی کیونکہ یہ صفت جھوٹ کو مانتی ہے،
- دیگر امور کے ذریعہ بھی ترجیح ہوتی ہے،
- (۱) جس روایت کو دوسری دلیل حکم کرتی ہے وہ اس روایت پر مقدم ہوگی جس کی دوسری دلیل تقویت نہ کرتی ہو،
- (۲) جس پر اکثر سلف نے عمل کیا ہے وہ روایت اس روایت پر مقدم ہوگی جو اس صفت کی حامل نہ ہوگی کیونکہ اکثر حق تک پہنچنے کے زیادہ سزاوار ہیں،
- (۳) ان روایتوں میں سے جو خلفاء اربعہ کے عمل کے موافق ہو،
- (۴) ان روایتوں میں سے جو ظاہر قرآن سے زیادہ مشابہ ہو،
- ہم قاضی کی دوسری کتاب "تنبیہ الطالب الی معرفۃ الغرض والواجب" میں سے چند نکات پیش کرتے ہیں،
- (۱) علماء کا اتفاق ہے کہ "وہب" شریعت کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور حکم کی تعریف کی ہے کہ یہ مکلفین کے افعال سے متعلق اللہ کا خطاب ہے، اور خطاب کے معنی سمجھانے کیلئے کلام کا رخ غیر کی طرف موڑنے کے ہیں، اور وہب حکم ہے اور حکم صرف حاکم کی طرف سے ہوتا ہے اور حاکم صرف خدا ہے اور کوئی نہیں ہے،

① حق یہ ہے کہ ان عقلی دلائل سے اسی وقت یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ان کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوں جن سے یقین حاصل ہوتا ہو خواہ وہ قرائن مشابہہ کی صحت میں ہوں یا تو ان کے ساتھ ہم تک نقل ہو کر آئے ہوں... اسلئے کہ اگر یہ قرائن مشابہہ کی صحت میں ہوں گے اور تو ان کی صحت میں متقل ہوں گے تو یہ آحاد کے ذریعہ نقل ہوئے ہوں گا اور آحاد سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے۔

② بعض حشور نے حدیث دکل امری بال، سے یہ استدلال کیا ہے کہ بسبب کے ذریعہ ابتداء کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ حدیث عقلی طور پر خبر اور معنوی اعتبار سے اشارہ ہے کیونکہ امر کے معنی میں ہے اور امر واجب کیلئے ہے ان سے کہا گیا: امر کی وجوب پر دلالت کی شرط کیلئے دو چیزیں درکار ہیں،

① اس کا ثبوت قطعی ہو یعنی کتاب خدا کی کوئی آیت ہو یا متواتر حدیث ہو،
 ② معنی پر اس کی دلالت قطعی ہو لفظ میں اس معنی کے علاوہ دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو پس اگر امر میں ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہوگی تو امر واجب پر دلالت کرے گا اس سے وہ ہٹا بکار ہو گئے۔

③ ابن الصمام کہتے ہیں: فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے، اور ابو یوسف و زفر و غیرہ نے کہا ہے کہ ہمارے قول سے کسی بھی شخص کیلئے اس وقت فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ بات کہاں کہا ہے کیونکہ جب کسی چیز کے واجب ہونے یا اس کی حرمت کا حکم دیا جائے گا تو یہ کسی روشن دلیل کی بنا پر ہوگا، جس میں انتھک کوشش صرف کی جائے گی، البتہ متذکرہ راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اس نے اپنے اوپر تمام دروازہ بند کر لئے اور جہاں تک ممکن تھا پر دے ڈال لئے ہیں،

فیصلہ التفرقہ میں فرمائی کہتے ہیں:
 مقلد کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے،

قواعد و اصول

جب میں نے اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنی طویل ہو جائے گی لہذا ایسی بہت سی چیزوں سے احتراز کیا جن سے بحث متبوع ہوتی ہے اور آگے بڑھنے سے قلم کو رک لیا یہ میرے لئے کوئی بری بات نہیں ہے کہ میں اپنے ان چنے ہوئے مطالب کو کہ جن کی بعض شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، کتاب کے آخر میں پیش کروں اور اس کے مقدمہ میں بعض قرآن مجید کی آیات اور ان کے بعد کہ وہ احادیث ہیں جو رسولؐ سے مروی ہیں کہ جن کی صحت ان کے معنی میں خود کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان ہذا امری مستقیماً تابعوہ ولا تتبعوا سبل فقری بلکم سبیل یہ میرا سترہ ہدایتی قلم اسی کا اتباع کرو، مختلف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا دیں گے۔

نیز ارشاد ہے، اتبوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من ورائہ اولیاءہ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے تم اس کا اتباع کرو اس کے علاوہ دیگر اولیاء کا اتباع نہ کرو، نیز فرمایا: و ہذا کتاب انزلناہ مملک تابعوہ واتقوا حکمہم رحمون، اور یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے بابرکت نازل کیا ہے تو تم اس کا اتباع کرو اور پرہیزگار بن جاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے پھر فرمایا: کان الناس امۃ واحدة فبعث اللہ النبیین مبشیرین ومنذرین وانزل معہم الکتاب بالحق لیکلم بہن الناس فیما اختلفوا فیہ ۔

لوگ ایک ہی مذہب پر تھے کہ اللہ نے بشارت دینے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کریں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں،

نیز فرمایا: **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ**۔
 اہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو کہ ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنے والی ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت
 ورحمت و بشارت ہے،

پھر فرمایا: **مَا نَفَرْنَا فِيهِ الْكِتَابَ مِن شَيْءٍ**۔ اہم نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جسے قرآن
 میں بیان نہ کیا ہو،

نیز فرمایا: **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** و اتممت علیکم دینکم اور **وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا**۔
 آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین
 اسلام کو پسند کر لیا،

فیضی، بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن ادنیٰ سے کہا گیا: کیا رسولؐ نے
 وصیت کی ہے؟ کہا نہیں! کہا گیا: کیوں؟ جبکہ وصیت لوگوں پر واجب کی گئی ہے، کہا: کتاب خدا
 کے بارے میں وصیت کی تھی، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، یعنی قرآن سے ٹک
 کرنا اور اس کے مقتدا پر عمل کرنا اور رسولؐ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، ترکِ فیکم
 ما ان تمسکتم بہ بن تفضلوا: کتاب اللہ وصیت کو کتاب خدا میں منحصر کیا ہے کیونکہ یہ اعظم و اہم ہے
 یا اسلئے کیا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے خواہ وہ نص کے لحاظ سے ہو یا استنباط کے ذریعہ، پس جب لوگ
 کتاب خدا کی ہر چیز پر عمل کریں گے تو ہر اس چیز پر عمل ہو جائے گا جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے،

جس حدیث کی طرف ابن حجر نے اشارہ کیا ہے اسے مسلم نے حجۃ الوداع کے یاق میں نقل
 کیا ہے فرمایا: **اِنَّ تَارَكَ فِیْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ تَفْضُلُوا**، اور ایک روایت میں جابر سے اس طرح
 نقل ہوا ہے: **رَسُولُ مِّنْ عَرَفَہُ کے روز خطبہ دیا: تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَفْضُلُوا بَعْدَہٗ اِنْ اَتَمَّصْتُمْ بِرُکَّتِ الْبَیْئَۃِ**

۱۔ عبداللہ بن ادنیٰ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حجۃ میں شجر کے نیچے بیعت کی تھی رسولؐ کے ساتھ حجۃ غزوات میں
 شریک ہوئے یحییٰ بن زکیٰ ہوئے اور عابد بن مسعودؓ سے پڑھی ہیں جو کوفہ میں رہے،

10

جب یہ بات رسول کو معلوم ہوئی تو فرمایا: میں کچھ نہیں جانتا ہوں مگر وہی جس کی میرا رب مجھے خبر دیتا ہے۔

اور جب عائشہ سے رسول کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: رسول کا اخلاق قرآن تھا اس کی احمد، مسلم، اور ابو داؤد نے روایت کی ہے،

استاد محمد فرماتے ہیں: اس زمانہ میں قرآن کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی علم نہیں ہے اور یہ صحیح اسلام وہ ہے جس پر فتنہ ہوا ہونے سے قبل صدر اول کے لوگ تھے،

مروم نے کہا: اس امت کیلئے اس وقت تک قیلم ممکن نہیں ہے جب تک کہ جامہ انہر میں یہ کتابیں موجود ہیں اور وہ قرن اول کی روح قرآن کے بغیر حکم نہیں ہو سکتی اور اس کے علاوہ تمام چیزیں اس کے اور علم و عقل کے درمیان حجاب ہیں،

نیز سہ خاتون کی تفسیر میں لکھا ہے: کہ جب ہم ان اشتادات کو جو کہ ہمارے دماغ میں ہیں بغیر کئی بیانی کے کتاب خدا پر رکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں یا گمراہ! لیکن جب ہم قرآن میں ان چیزوں کو داخل کریں گے کہ ہمارے دماغوں میں ہیں اور انہیں کونائیں گے تو پھر ہم گمراہی سے ہدایت کو جدا نہیں کر سکیں گے کیونکہ جس کو نولا جانا چاہیے اسے میزان میں ملا دیا ہے پھر موزوں کو موزہ نہ دینا نہیں چھانا جاسکے گا میں یہ چاہتا ہوں کہ قرآن کو اصل قرار دیا جائے اور دیگر مذاہب و آراء کو اس پر پرکھا جائے، مذاہب کو اصل نہ بنائیں اور ان قرآن کو نہ نولا جائے اور اس میں تحریف و تاویل سے کام نہ لیا جائے۔

فقہاء میں دلالت قطعیہ معتبر ہے اور وہ تمام فقہاء کہ جن پر اسلام کی محنت کا دار و مدار ہے وہ قرآن کی نص اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہیں ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے جو ان مذاہب حدیث پر موقوف ہو کہ جن میں شک کیا جاسکتا ہے اسی طرح عبادت کے تمام اصول قطعی ہیں وہ قرآن اور اس متواتر سنت علیہ کذب و ثابت ہیں جو احاد احادیث پر موقوف نہیں ہے ہاں عبادت کے جو احکام احاد احادیث کے ذریعہ ثابت ہیں اور ان علماء کا اجماع نہیں ہے تو ان پر اسلام کی محنت

کا دار و مدار نہیں ہے اگرچہ وہ خود صحیح ہیں،

دین میں بہترین چیز قرآن مجید ہے اور جس چیز پر اس کی دلالت قطعی ہو اس پر ایمان لانا اور علی و علیہ طو پر اسے قبول کرنا واجب ہے اور جس پر اس کی دلالت قطعی نہ ہو اس میں ظاہر اپنی زبان میں اجتہاد کرتے ہیں اور جو متفق علیہ چیز پر عمل کرتا ہے وہ ناجہ و نجات لانے والا مسلمان ہے، رسول کی متواتر سنن و سنن علیہ و احسین پر مدار لگانے کے مسلمانوں کا اتفاق ہے جو چیز ان کے نزدیک برہی ہے یہ سب بد قطع ہی نہیں، تاویل و اجتہاد کے ذریعہ ان کا بھی انکار نہیں کر سکتا ہے مثلاً نذر نکلانہ، صبح کی دو رکعت، منسوب کی دو رکعت اور اپنی جگہ چار رکعت ہوگی اہدیکہ ہر رکعت قیام، قرأت قرآن کو دو بار دو دو حدیث پر مشتمل ہے اسی طرح وہ مشہور عمل نیز زمانہ سوال سے رنج تک چلا آ رہا ہے۔

یہ رسول کی سنن ہیں لیکن سنت کا اس چند پر اطلاق کرنا جس پر احادیث شتمل ہیں تو یہ نئی اصطلاح ہے،

لیکن وہ آحاد، احادیث کہ جن پر جمہور ملت نے عمل نہیں کیا ہے ان کی اسانید متواتر اور دلالت جمہا جتہا دیونا چاہیے کیونکہ ان میں سے جس کی سند صحیح ہوگی وہ اپنے متعلق سے محض ہوگی، اور آحاد میں سے جو کسی شخص کے نزدیک روایت دلالت کے لحاظ سے صحیح ہوگی وہ ان پر عمل کر سکتا ہے لیکن اسے مذکورہ شخص کی تقلید کرتے ہوئے عام مسلمانوں کیلئے ضروریات قرار دیکر لازم نہیں قرار دیا جاسکتا،

صرف روایات کے ذریعہ صحیح حدیث کو نہیں پہچانا جاسکتا ہے بلکہ فہم و حقل سے پہچانی جاتی ہے کتنی ہی حدیث اسی میں آتی ہیں کہ اسناد میں صرف ایک ہی ثقہ ہے اور وہ بھی عجب سے بڑی نہیں صحیح احادیث ان ظہن غالب کا فائدہ دیکھیں کہ جس پر فقہاء کے نزدیک صحت کا دار و مدار ہے شرح مسلم میں نووی لکھتے ہیں: یہ آحاد کا نشان ہے۔ یعنی آحاد سے ظہن حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ظہر باری اور یقین منطقی حاصل نہیں ہوتا اس کی سلسلے میں بہن بخاری کو مسلم و فیو کے

چونکہ اس وقت تک کہ اس نے اپنے آپ کو اس کی طرف سے نہیں دیکھا تھا
 کہ اس نے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے
 اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

ہوتا ہے اور ان کے گمان کا لازمہ اس کا صحیح ہونا نہیں ہے کہ وہ نفس الامریں بھی صحیح ہوا وہ اسی طرح کسی چیز کے حکم پر اجماع کا بھی یہ لازمہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامریں حکم خدا کے مطابق ہوں،

سلفت حدیث نے غیر متواتر حدیثوں میں اس طرح حشر گزاری ہے کہ وہ ان احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ان تک اس ذریعہ سے پہنچی ہے جس پر وہ اعتقاد کرتے ہیں تو وہ اس پر عمل کرتے تھے لیکن کسی کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ ان احادیث کے تمام راویوں کی تحقیق کریں اور ان پر عمل کریں صحابہ نے نہ حدیث قلم بند نہیں کی تھی نہ جمع کرنے اور لوگوں کو سنانے کی ذمہ داری ملی بلکہ ان میں سے بعض نے حدیث کی روایت سے بھی منع کیا ہے،

اعلم الاممنا احمد بن حنبل کہتے ہیں میں امور ایسے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے،
تفسیر ملاح، گھسان کی جگہ، اور مغازی، امامت خا بل میں اعلم احمد بن حنبل کے
خلیفہ ابن تیمیہ کہتے ہیں اسناد کے اصول نہیں ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر مرسل ہیں،
جیسا قرآن کے بارے میں صحابہ کا اتفاق ہے ایسا سنت قولیہ کے سلسلے میں نہیں ہے اور
نہی اس پر اجماع ہے، مسلمانوں کے اندک کا صحیح حدیث کے بارے میں اتفاق نہیں ہے ان میں سے کوئی
بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے اپنے مذہب کے سلسلے میں بہت سی حدیثوں کی مخالفت نہ کی ہو اگرچہ وہ
دوسروں کے نزدیک صحیح ہی ہوں،

عبادات میں اصل اور معاملات میں اصل

عبادات میں اصل یہ ہے کہ باطل ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو جائے،
اور معاملات و عقود میں اصل یہ ہے کہ صحیح ہے مگر یہ کہ اس کے بطلان یا حرمت پر دلیل
قائم ہو جائے،

دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جس طرح اس نے اپنے

انبیاء کی زبان سے بیان کروایا ہے، عبادت بندوں پر اس کا حق ہے اور اس نے اپنے اس حق کو ظلم کیا اور اسی کو شریعت بنایا ہے،

لیکن عقود، شروط اور معاملات معاف ہیں، جب تک انہیں حرام نہ قرار دیا جائے بلکہ اعدائے مشرکین کو ان دو اصولوں کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے، یعنی اس چیز کو حرام کرنے سے کہ جس کو خدا نے حرام نہیں کیا ہے اور اس چیز کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کرنے سے کہ جس کو اس نے شریعت میں قرار دیا ہے انہیں منع کیا ہے، ہاں جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے وہ کتبش ہے،

بہت سے راوی عبد الرحمن بن مہدی کے نزدیک موثق نہیں ہیں جبکہ عیسیٰ بن سعید انتظام کے نزدیک موثق ہیں اس کے برعکس جبکہ یہ دونوں نقل پر تنقید کے سلسلے میں ستون مائل جاتے ہیں اور انہیں سے زیادہ تر حدیث لی گئی ہیں،

نصوص میں جو چیز قطعی الدلالت ہے وہ شرع عام ہے، تمام مسلمانوں پر اس کا اہتمام کرنا واجب ہے اور جو چیز اس میں ظنی الدلالت ہے اس میں تعبدات و محرمات کے سلسلے میں لوگوں کو اجتہاد کا حق ہے اور احکام قضائیہ میں اولوالامر اجتہاد کریں گے،

نصوص ظنیہ میں جسے کی دلالت حرمت پر ہوگی اسے ہرگز امت کیلئے شریعت نہیں بنایا جاسکتا ہے کہ اس پر سب سے عمل کرنے کا مطالبہ کیا جائے بلکہ اس میں ہر ایک اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے گا پس جو شخص اس سے یہ سمجھے گا کہ اس کی دلالت فلاں شئی کی حرمت پر ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کریگا اور جو اس سے یہ نہیں سمجھے گا تو وہ اس کے بارے میں اصل مباحث جاری کرے گا،

فخر الدین رازی اپنی کتاب، معالم اصول الدین، میں لکھتے ہیں:

جو قطعی دلائل ظنی ہیں اور منہیت قطعی ہے، اور ظن قطع، یقین کے معارض نہ ہو

علم کلام میں ہمیشہ بنیاد اس بات پر ہے کہ قطعی دلائل سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے،

مانشہ ہر اس حدیث کو رد کرتی تھیں جو قرآن کے خلاف ہوتی تھی اور صحابہ کی ایسی ہی حدیث کو بھی غلط نہیں پر حل کرتی تھیں،

سید رشید رضا لکھتے ہیں: میں اس حدیث کی سند اور عالم صحابی کے قول کو صحیح نہیں مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف ہوتا ہے اگرچہ علماء نے اس کے جلال و راویوں کو موثق ہی مانا ہو کیونکہ بہت سے موثق راوی بظاہر صحیح اور باطنی طور پر برے ہوتے ہیں، نیز کہا: اگر روایت پر خوائے متن کے لحاظ سے تنقید کی جاتی جیسا کہ ان کی سند کے اعتبار سے تنقید کی گئی ہے تو اکثر متون معتبر نہ رہتے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اپنے نئی محکم کی بہت سی حدیثوں کو بھول گئے ہیں اور صحابہ میں سے علماء کے ان چندوں کے نہ لکھنے سے ہم نے بہت سی حدیثوں کو ضائع کر دیا ہے انہوں نے سنی تھیں، لیکن یہ چیزیں قرآن کو بیان کرنے والی یا امور دین سے نہیں تھیں کیونکہ امور دین قرآن مجید میں محروم اور سنت علیہ میں بیان ہوئے ہیں اور باقی احادیث مزید وضاحت و بیان کے لئے ہیں۔

- ① اور انہیں اس چیز کو تلاش کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے جو کہ خدا کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ یہ ان کی طاقت سے باہر اور غیر محدود چیز کی تکلیف نہیں دی جاتی ہاں انہیں اس چیز کی زحمت دی گئی ہے جس کے صحیح ہونے کا انہیں گمان ہو اسی لئے علماء اصول نے اجتہاد کی یہ تعریف بیان کی ہے، حکم شرعی کے سلسلے میں ظن حاصل کرنے میں فقہ اپنی پوری طاقت صرف کرے، اور یہ جو کہلے کہ حکم کے سلسلے میں ظن حاصل کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں قطعی و بدیہی احکام میں اجتہاد نہیں ہوتا ہے۔
- ② ان کے مشہور قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ: ان کے ظن کا لازمیہ نہیں ہے کہ حدیث بھی صحیح ہے کہ وہ نفس الامر میں صحیح ہے، شریعت کا ثابت قواعد اور اس کے قطعی اصول، جیسے عسروہ ج کا قاعدہ اور آسانی اور اس کی ترجیح کا اثبات،

قاعدہ اصل برأت ،
 اور گندی و مضر چیزیں میں اصل حرمت ہے ،
 پاک و صاف چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہیں ،
 اور ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں بھی مباح ہیں ،
 اور ضرر ہے نہ ضرر ،

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں: رسولؐ سے قرآن کے خلاف حدیث نقل کرنے والے کی حدیث کو رد کرنے سے رسولؐ کی تکذیب و تردید لازم نہیں آتی ہے بلکہ اس کی تردید کی جاتی ہے جو آپؐ سے باطل چیز کی روایت کرتا ہے اور اسی کو متہم کیا جاتا ہے اس کا رسولؐ سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے ، رسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برجستہ قبول ہے ان کے فرمان پر ایمان لانے اور اس کی گواہی دی ہے ، ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ رسولؐ حکم خدا کے خلاف کسی چیز کا حکم نہیں دیتے ہیں اور قول خدا کو چھوڑ کر کوئی چیز نیا نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی مشکلیں میں سے حصے لے

امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں: اپنے امراء کے بارے میں اچھی طرح غور کرو کیونکہ غیر معصوم کی تقلید مذموم ہے اور اس میں بصیرت کیلئے اندھا پن ہے ،

اب ہم اس کام کو پیش کرنے کے بعد کہ جس میں خدا نے ہماری مدد کی اور جس بحث کی اس نے ہمیں توفیق مرحمت کی ۔ قلم روکتے ہیں ، اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اسے قلم لوگوں کے سامنے صحیح صورت میں پیش کر رہے ہیں ، یہ کتاب بہترین براہین اور قوی ترین اسانید کی تائید کرتی ہے ، اور سیکڑوں مصالحوں کے مطالعہ میں ہم نے فی سبیل اللہ غرگزار کیا ہے اور ان میں سے اپنی کتاب کیلئے صحیح چیز حاصل کرنے میں پوری کوشش کی ہے اور رضائے خدا کے حصول کی خاطر اس کا مواد محتوی فراہم کرنے اور اس کی فصول منظم کرنے میں مشقت اٹھائی ہے خصوصاً اسلئے کہ اس موضوع پر پہلے کوئی کتاب

بھی نہیں تھی کہ جس کو سامنے رکھتے اور نہ ہی ہم سے پہلے والوں نے ہمارے لئے ایسا کوئی راستہ بنایا تھا کہ جس پر گامزن ہونے سے ہمارا کام آسان ہو جاتا،

کہتے ہیں کہ تالیف کتاب میں سب سے بڑا کام اس کی تقسیم اور اس کے باب قائم کرنا ہے اب اگر ہماری یہ کاوش روشن فکر اور تہذیب یافتہ لوگوں میں مقبولیت حاصل کرتی ہے تو یہی ہمارے لئے کافی ہے اور اگر اس سے بعض لوگوں کے دل دکھتے ہیں تو ہمارے لئے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے اور نہ اس سے ہمارے لئے کوئی خطرہ ہے،

امید ہے کہ جو چیز ہم نے پیش کی ہے وہ رسول کی احادیث کیلئے صاف و شفاف آئینہ قرار پائے گی اور اس میں اس کی صحیح صورت اپنی حقیقت کی آنکھ نظر آئے گی جو لوگ مرویات کے اصول کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں ہم نے روشن چراغ دیدیا ہے جو صحیح اور صحیح کو واضح کریگا۔ یہ کام ہم خاص خدا کیلئے انجام دیا ہے لہذا ہم اس کے علاوہ کسی غیر سے اس کا اجر طلب نہیں کریں گے اس زندگی میں ہمیں کسی سے تعریف و تحسین کی توقع نہیں ہے ہمارے اللہ کافی ہے وہ بہترین مددگار ہے ساری بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس کی چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اپنے فضل سے بے پناہ ثواب عطا کرتا ہے اول و آخر میں اللہ کی حمد ہے اسی سے ہم دائمی توفیق و ہدایت طلب کرتے ہیں کہ وہی سننے والا اور قبول کرنے والا ہے،

تمت بالخیر

مصادر الكتاب

القرآن الكريم تفاسير

- الملهم في شرح مسلم.
- سنن أبي داود، الترمذي، الدارمي وابن ماجه.
- معالم السنن لأبي سليمان الخطابي.
- رسالة مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة للسيوطي
- وتحذير الخواص والجامع الصغير.
- مختصر سنن أبي داود للمنذري
- تهذيب ابن القيم.
- الأم والرسالة للامام الشافعي.
- مسند أحمد.
- تيسير الوصول للزيدي.
- التمهيد في تجريد الأسانيد لابن عبد البر.
- الأربعين للنووي، وشرحها لابن دقيق العيد.
- رسالة في الرواة النقات للذهبي.
- تذكرة الحفاظ للذهبي.
- شروط الأئمة الستة والخمسة للمقدسي والحازمي.
- شرح القاري على نخبه الفكر لابن حجر.
- مقدمة ابن الصلاح.
- توجيه النظر للجزائري.

- الطبري - النيسابوري - ابن كثير - القرطبي
- القاضي - العربي - الرازي.
- الزمخشري - الألويسي - القرآن الحكيم للإمامين محمد عبده والسيد رشيد رضا.
- جزء عم والقائمة للأستاذ الإمام محمد عبده
- مقدمة التفسير وتفسير سورة الإخلاص لابن تيمية.
- حجاج القرآن للرازي - الإنقان للسيوطي
- المفردات للراغب الأصفهاني.
- تاريخ القرآن للزنجاني.
- فضائل القرآن لابن كثير.
- التبيان للشيخ طاهر الجزائري.
- اعجاز القرآن للباقلاني ومصطفى الرافعي.
- البيان في تفسير القرآن للعلامة الحنوي ج ١
- موطأ مالك وشرحه للزرقاني.
- الطبقات الكبرى لمحمد بن سعد، طبع مدينة ليدن سنة ١٣٣٠ هـ.
- البخاري وشرحه لابن حجر والقسطلاني
- الأدب المفرد للبخاري
- هدى الساري لابن حجر المصقلاني.
- مسلم وشرحه للنووي.

- تاريخ بغداد.
 - تاريخ ابن الأثير.
 - تاريخ ابن عساكر.
 - البداية والنهاية لابن كثير.
 - تاريخ أبي القدا لابن كثير.
 - رحلة ابن جبير الأندلسي.
 - المخطط للمعري.
 - تاريخ الخلفاء للسيوطي.
 - النجوم الزاهرة لابن تغري بردي.
 - الفخري في الآداب السلطانية.
 - وفيات الأعيان لابن خلكان.
 - معجم الأدباء لياقوت الحموي.
 - معجم البلدان لياقوت الحموي.
 - مقدمة ابن خلدون.
 - المعارف لابن قتيبة.
 - تأويل مختلف الحديث لابن قتيبة.
 - نهاية الأرب للنويري.
 - الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم.
 - ترجمة الامام أحمد للذهبي.
 - منهاج السنة لابن تيمية.
 - المتق من منهاج السنة للذهبي.
 - فتاوى ابن تيمية.
 - اقتضاء الصراط المستقيم.
 - رفع الملام.
 - الفرقان بين أولياء الرحمن، وأولياء الشيطان.

- قواعد التحديث للقاسي.
 - مفتاح السنة للشيخ عبد العزيز الحنولي.
 - فتح المغنث.
 - شرح ألفية الحديث للمراقي.
 - ألفية السيوطي، وشرحها للشيخ أحمد شاكر.
 - اختصار علوم الحديث لابن كثير.
 - تليس إبليس لابن الجوزي.
 - تقييد العلم للخطيب البغدادي.
 - الأجابه لايراد ما استدركنه عائشة على الصحابة للزركشي.
 - كشف الخفاء للملجوني.
 - رسالة الذب عن العرب لعبد العزيز الخالدي.
 - (من علماء الهند).
 - الموافقات للشاطبي.
 - الاعتصام للشاطبي.
 - الأحكام للآمدي.
 - الاحكام لابن حزم.
 - المسبوط للسرخسي.
 - البحر الرائق لابن نجيم.
 - فتح القدير لابن همام.
 - الإصابة لابن حجر العسقلاني.
 - أسد الغابة لابن الأثير.
 - دلائل النبوة لأبي نعيم.
 - سيرة ابن هشام.
 - تاريخ الطبري.

- الاسلام الصحيح للنشاشيبي.
- تاريخ الامام محمد عبده ١ و ٢.
- فيلسوف العرب للشيخ مصطفى عبد الرازق.
- تمهيد لتاريخ الفلسفة الاسلامية للشيخ مصطفى عبد الرازق.
- عثمان للدكتور طه حسين.
- علي وبنوه للدكتور طه حسين.
- مرآة الاسلام للدكتور طه حسين.
- الشبان للدكتور طه حسين.
- فجر الاسلام - ضحى الاسلام - وظهور الاسلام للدكتور أحمد أمين.
- معاوية في الميزان للاستاذ عباس محمود العقاد.
- الفاروق، لدياب عثمان.
- الوحي المحمدي للسيد رشيد رضا.
- رسالة يسر الاسلام للسيد رشيد رضا.
- رسالة الربا للسيد رشيد رضا.
- المنار والأزهر للسيد رشيد رضا.
- التذكرة التيمورية للعالم أحمد تيمور.
- أصل الشيعة وأصولها للأستاذ محمد الحسين آل كاشف الغطاء.
- العبقريات والذخائر للشيخ عبد الرحمن البرقوقي.
- المعجب في تلخيص أخبار المغرب للمراكشي.
- المواهب الفتحة للشيخ حمزة فتح الله.

- الرسائل والمسائل لابن تيمية.
- فتاوى ابن الصلاح.
- العقيدة الطحاوية.
- جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر.
- الانتقاء لابن عبد البر.
- الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب لابن فرحون العمري.
- دفع شبه التشبيه لابن الجوزي.
- الشفاء للقاضي عياض.
- العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي.
- اظهار الحق لرحمة الله الهندي.
- التعريفات للجرجاني.
- بيان زغل العلم للذهبي.
- العهد القديم.
- لسان العرب لابن منظور.
- صيانة الانسان للسهرقاني.
- أبو هريرة لعبد الحسين شرف الدين.
- تاريخ الشعوب الاسلامية لكارل بروكلمان.
- حاشية الامام محمد عبده على شرح الدواني.
- رسالة التوحيد للامام محمد عبده.
- الاسلام والنصرانية للامام محمد عبده.
- تاريخ آداب العرب. للأستاذ مصطفى صادق الرافعي.
- تاريخ اللغة العربية للشيخ السكندري.
- أشهر مشاهير الاسلام لرفيق العظم.

- نشأة علم النحو للنسخ محمد الطنطاوي.
 - المسيحية في الاسلام للنس ابراهيم لوقا.
 - وجهة الاسلام لجملة من المستشرقين. ترجمة
 محمد عبد الهادي ابو ريدة.
 العقيدة والشريعة في الاسلام لجولدزير.
 رائد الفكر المصري للدكتور عثمان أمين.
 القرطين لابن مطرف الكنافي.
 مناهج وتجديد للاستاذ أمين الخولي
 المعمرين للسجستاني.
 بكت الهميان في نكت الهميان للصغدي.
 أحياء النحو للأستاذ ابراهيم مصطفى.
 المغني لابن هشام.
 العرب للجواليقي.
 نصاحي لابن فارس.
 جة لله البالغة، ورسالة الانصاف للدهلوي.
 الروض الباسم للوزير اليماني.
 مختصر كتاب المؤمل لأبي شامة.
 الباعث على انكار البدع والحوادث. لأبي
 شامة.
 اعلام الموقعين لابن القيم.
 حصول المأمول لصديق خان.
 المغني والشرح الكبير لابن قدامة.
 لوائح الأنوار للسفاري.
 النزاع والتخاصم بين بني أمية وبني هاشم
 للمعري.

- العلم الشائع للمقبلي.
 - مشكل الآثار للطحاوي.
 - حياة الحيوان للدميري.
 - معجم الحيوان لمطوف باشا.
 - البيان والتبيين، والحيوان للجاحظ.
 - عيون الأخبار لابن قتيبة.
 - العمدة لابن رشي.
 - المثل السائر لابن الأثير.
 - خزنة الأدب للبغدادي.
 - خاص الخاص للثعالبي.
 - غار القلوب في المضاف والمنسوب للثعالبي.
 - الصداقة والصديق لأبي حيان التوحيدي.
 - شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد.
 - شرح مقامات بديع الزمان للامام محمد عبده.
 - الكامل للمبرد، وشرحه للشيوخ على المرصفي.
 - الوسيلة الأدبية لحسين المرصفي ج ٢.
 - أساس البلاغة للزمخشري.
 - شرح لامية العجم للعلواني.
 - تاريخ التشريع الاسلامي للخضري.
 - الجرح والتعديل.
 - تنبيه الطالب للقاسمي.
 - تاريخ تمدن الاسلامي لجورجي زيدان.
 - العرب قبل الاسلام لجورجي زيدان.
 - دائرة المعارف الاسلامية.
 - الحضارة الاسلامية لكريمر.

- الشيعة وفنون الاسلام للسيد حسن الصدر.
- نثر الدرر في المحاضرات للوزير أبي سعيد منصور بن الحسين الآبي.
- الكافي الشاف وتخريج أحاديث الكشف لابن حجر الصقلاني.
- أحاديث عائشة للاستاذ مرتضى العسكري.
- ابن سبأ للاستاذ مرتضى العسكري.

مجالات وجرائد

- مجلة المقتطف - مجلة الهلال - مجلة المنار
- مجلة الفتح
- مجلة الرسالة - مجلة الثقافة - مجلة الكتاب -
- مجلة نور الاسلام - جريدة الأهرام.
- وهناك أسانيد أخرى كثيرة - رجعتنا إليها - لم نأت بأسانيد هنا، وتعرف من تضعيف الكتاب.
- وتم مراجع أخرى كثيرة لو شئنا أن نأتي بأسانيدنا لملأنا صفحات أخرى منها.

- السيادة العربية لفولتن.
- الحضارة الاسلامية لأحمد زكي.
- الاسلام والحضارة العربية لكردي علي.
- حضارة الاسلام في دار السلام لليازجي.
- انتقاد التمدن الاسلامي لشبلي النعماني.
- رحلة ابن جبير.
- تاريخ العرب المطول للدكاترة فيليب حتي وادوارد جرجس وجبرائيل جبور.
- الميزان للشعراني.
- أنباء نجباء الأبناء للصقلي.
- أمالي المرتضى.
- مقاتل الطالبين لأبي الفرج الأصبهاني.
- قبول الأخبار ومعرفة الرجال لأبي قاسم البلخي - (مخطوط).
- المحدث الفاضل بين الراوي والواعي للحسن بن عبد الرحمن الرامهرمزي (مخطوط).
- الباعث الحثيث لابن كثير.
- الوابل الصيب لابن القيم.
- رسالة في الابدال للعز بن عبد السلام.
- المواقف للإيجي.
- اللزوميات للمعري ج ١.
- التبيان للجزائري.
- الحماسة السنية للتركز بن الشنقيطي.
- الفتاوى الحديثة لابن حجر الهيتمي.

فہرست

۴۷	سنت	۱	حرف ترجمہ
۴۹	دین میں سنت کی حیثیت	۶	عرضِ اثر
۵۲	دینی امور میں کلامِ رسولؐ کی حیثیت	۸	ابداء
۵۳	تنہا حکمِ رسولؐ واجب نہیں ہے	۱۰	مقصودِ ذکرِ شرطِ حسین
۵۶	حدیث لکھنے کی ممانعت	۱۰	سنت محمدؐ کے دفاع
۶۵	صحابہ اور روایتِ حدیث	۲۲	کتاب کا تعارف
۷۰	اخبار قبول کرتے ہیں صحابہ کا موقف	۲۶	تضعیف کے اسباب
۷۳	رسولؐ پر جھوٹ باندھنا	۳۱	بالمعنی حدیث کی روایت
۷۷	حدیث میں کذب کی حقیقت	۳۱	حدیث میں کذبِ علی
۸۲	رسولؐ پر آپؐ کی حیات میں جھوٹ کا بہتان	۳۶	جعلی حدیثیں
۸۳	وفاتِ رسولؐ کے بعد	۳۶	ابو ہریرہ
۸۳	جس نے رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا	۳۶	مردوں قرآن
۸۵	رسولؐ پر جھوٹ باندھنا گناہِ کبیرہ ہے	۳۳	حدیث کی کتابت
۸۶	صحابہ کے درجاب	۳۳	علمِ حدیث کی نشاۃ
۹۲	بعض صحابہ کے بعض صحابہ پر تنقید کی	۳۴	علامہ امت اور حدیث
۹۵	عدالتِ صحابہ	۳۶	ایک علمِ ہدایت
۹۵	رسولؐ کے منہ کرنے کے بعد کون حدیث بیان کی جائے	۴۱	وضاحت

۱۲۸	جملی حدیث	۹۷	مناہدیت بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف
۱۵۳	قصص اور قصہ گو	۱۰۴	تہجد کے صیغے
۱۵۴	معاویہؓ نے قصہ گو بنائے	۱۰۸	کلمہ توحید
۱۵۶	یاسرؓ کیلئے حدیث سازی	۱۰۹	یہ سماع حدیث ہے سماع غدار نہیں
۱۵۸	معاویہؓ اور شام	۱۱۰	بالغی روایت حدیث کی مثالیں
۱۵۹	شام	۱۱۳	اس کا نکاح ہم نے آپ سے کیا ہے
۱۶۰	قریب ایدل کی اصل	۱۱۴	حدیث غازی قرینہ میں
۱۶۶	حکومت بنی عباس	۱۱۶	پیوند نخل
۱۶۸	ترکوں کی مذمت	۱۱۷	حدیث صحیفہ علیؓ
۱۶۸	حدیث سازی کا اچانہ	۱۲۱	بالغی حدیث کی روایت کا ضرر
۱۷۰	حاج حدیث گڑھنے والے	۱۲۲	مجھے جوامع الکلم کے ساتھ سموت کیا گیا ہے
۱۷۱	لطیف	۱۲۲	مناہدیت نقل کرنے کا ضرر
۱۷۲	ادراج کے ذریعہ	۱۲۵	حدیث میں اہراب کی غلطیاں
۱۷۳	یہی گڑھی ہوئی حدیث کی معرفت ممکن ہے	۱۳۶	حدیث میں تقدیم و تاخیر
۱۷۵	قلب سلیم حق و باطل میں فرق کرتا ہے	۱۳۷	حدیث میں اختصار
۱۷۷	رسولؐ پر افتراء	۱۳۸	تساہل
۱۷۸	حدیث میں اسرائیلیات	۱۴۰	اسلام میں روایت
۱۸۱	کعب الاحبار	۱۴۲	تدوین حدیث
۱۸۶	مسلمان ہونے کا سبب	۱۴۳	طل روایت کی بڑی علت
۱۸۳	وہب بن منہ	۱۴۷	وضع حدیث اور اسکے اسباب
۱۸۵	عبداللہ بن سلام	۱۴۷	اختراع حدیث کا سرچشمہ

۲۳۶	محل نزول	۱۸۵	مسلمانوں کی مخلوق پر کیسے غالب آئے
۲۳۷	مردیاد روایات کی کثرت	۱۸۸	کعب اہل عمر
۲۳۸	ابوہریرہ	۱۸۹	قلعہ عین کعب کا ہاتھ
۲۳۹	نام میں اختلاف	۱۹۱	حدیث استفتاء
۲۴۰	پرورش اور اصل	۱۹۳	کعب کا مکر
۲۴۱	ان کا مدینہ ۱۲ اور خیبر جانا	۱۹۴	کعب اور وہب نے جو اسرائیلیات داخل کیے ہیں
۲۴۲	رسول سے مصاحبت کا سبب	۲۰۰	کیا جائز ہے
۲۴۳	طوہ کا شیدا	۲۰۲	اجار یہود سے بعض صحابہ کی روایت
۲۴۴	ان کا مزاج اور کج اس	۲۰۳	صحابہ کو جھٹلاتے ہیں
۲۴۵	ان کے ساتھ محفل	۲۰۴	عزاد کعب
۲۴۶	ان کی احادیث کی کثرت	۲۰۵	بیت المقدس کی فضیلت
۲۴۷	روایت کی کثرت کیونکر جائز ہوتی	۲۰۸	مسجد اقصیٰ
۲۴۸	ابوہریرہ کی تدلیس	۲۰۹	شام کی فضیلت میں یہودیت کا ہاتھ
۲۴۹	اسلام میں سب سے پہلا متہم راوی	۲۱۲	اسرائیلیات کے بارے میں محققین کا نظریہ
۲۵۰	ابوہریرہ کعب الاجار سے حدیث لیتے ہیں	۲۱۸	سیاحی فریب
۲۵۱	دو نظروں کی حفاظت	۲۱۸	عبداللہ بن سبا
۲۵۲	ابوہریرہ بنی امیہ کے دوست	۲۲۲	کعب اور معاویہ
۲۵۳	حضرت علیؑ کے خلاف ان کی حدیث تراشی	۲۲۶	حدیث میں مسیحیت
۲۵۴	ابوہریرہ کی سیرت	۲۲۷	حدیث جبارہ
۲۵۵	وفات ابوہریرہ	۲۳۱	شیطان ہر نبیؐ کو زخم لگاتا ہے
۲۵۶	ابوہریرہ کی نقل کردہ حدیثوں کی چند مثالیں	۲۳۳	ابن جریج

۲۹۲	مہدی سفیانی	۲۷۸	بڑے کا بکچا کچتے ہیں
۲۹۲	حلقہ انشامشر	۲۷۹	ابوبکر کی روایت
۲۹۲	۱۱ احادیث کے بارے میں کچھ اقوال	۲۷۹	عمر کی روایت
۲۹۸	دجال	۲۸۰	حضرت علیؓ کی روایت
۲۹۹	خطبہ اوداع میں دجال	۲۸۱	چند نمونہ
۳۰۲	دنیا کی عمر	۲۸۲	جس حدیث میں ملا علی المرتضیٰ
۳۰۴	ظالم قیامت سے متعلق احادیث	۲۸۵	جنت کا میل
۳۰۸	مناقض احادیث	۲۸۵	رسولؐ نے گیارہ بار خدا کو دیکھا
۳۰۸	سلمانؓ نہیں جانتے کہ کس پر عمل کریں	۲۸۶	عرش کو اٹھانے والے ملک
۳۱۲	تدوین حدیث	۲۸۶	رعد
۳۱۲	تدوین قرآن	۲۸۷	جبرائیل
۳۱۳	مہد رسولؐ میں قرآن کی کتابت کی کیا کیفیت تھی۔	۲۸۷	بسم اللہ الرحمن الرحیم کی فضیلت
۳۱۴	کاتبان وحی	۲۸۸	حاصلان عرش ہیں یہ ایک
۳۱۴	جمع قرآن اور اس کا سبب	۲۸۸	جبریلؑ کے پر
۳۱۵	قرآن کی جمع آوری کا ارادہ	۲۸۸	ہمارا رب اپنی پندلی کھول دے گا۔
۳۱۷	ایک عجیب بات جو حیرت انگیز ہے	۲۸۹	جنت کی بکری
۳۱۷	دوبلہ مہد فشان میں	۲۸۹	خدا کا پیر
۳۱۸	مہد فشان میں قرآن کی کتابت	۲۸۹	جنت کا درخت
۳۱۹	ابوبکر و عثمان کے جمع کرنے میں فرق	۲۹۰	طوبی جنت میں ایک شجر ہے
۳۲۰	فشان نے دنیا بھر میں کتنے معاملات بیچے	۲۹۰	حدیث مہدی
۳۲۰	لو بھر	۲۹۱	مہدی عباسی

۳۵۳	متعدد طرق	۳۲۸	تدوین حدیث
۳۵۶	نذاکا اہتمام	۳۲۸	تدوین حدیث کی کیفیت
۳۶۰	حدیث کی قیس	۳۳۲	اہل بیت نے زبردستی حدیث کی تدوین کی
۳۶۰	مضطرب	۳۳۳	عبداللہ بن امیر کی تدوین
۳۶۶	حدیث مطل	۳۳۶	بخاری جاس کے زمانہ میں
۳۶۸	صحیح و محرف	۳۳۶	پہلی دو صدیوں کے بعد
۳۶۹	حدیث محرف کی قیس	۳۳۸	تاخیر سے تدوین کا نتیجہ
۳۶۹	مقلوب	۳۴۱	تدوین حدیث شیعوں کی نظر میں
۳۷۰	حدیث کی مشہور کتابیں	۳۴۲	علم حدیث کی ابتداء
۳۷۱	ملک اور ان کی موطا	۳۴۳	علم حدیث کا موجد
۳۷۳	ان کی روایات کا اختلاف	۳۴۳	علم حدیث کا مطلب
۳۷۴	موطا کی تالیف کا سبب و زمانہ	۳۴۲	نذا و مشن حدیث
۳۷۵	ملک پر اہل بیت کی تنقید	۳۴۲	حدیث کس سے لی جائے
۳۷۵	بخاری اور اہل کتاب	۳۴۵	خبر اور اس کی قیس
۳۷۶	بخاری کی جمع آوری کا سبب	۳۴۶	متواتر احادیث کا حکم
۳۷۷	بخاری سفار وایت کرتے تھے	۳۴۸	ابن الصلاح اور ان کے مخالفین
	بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے	۳۴۹	حدیث متواتر میں نہیں ہے
۳۷۸	بہرہ مرگئے	۳۵۰	آحاد حدیثیں
۳۷۹	بخاری میں اشکالات	۳۵۱	صحیح
۳۸۲	بخاری احادیث اور مشکوٰۃ	۳۵۲	حسن
۳۸۴	بخاری اور اہل شام	۳۵۳	ضعیف

۳۸۵	بخاری اور مسند خلق قرآن	۳۸۵	بخاری اور مسند خلق قرآن
۳۸۵	بخاری کی روایات کی تعداد میں اختلاف	۳۸۵	بخاری کی روایات کی تعداد میں اختلاف
۳۸۸	مسلم اور ان کی کتاب	۳۸۸	مسلم اور ان کی کتاب
۳۹۳	صحیحین کی احادیث زیادہ صحیح ہیں	۳۹۳	صحیحین کی احادیث زیادہ صحیح ہیں
۳۹۴	الاستدرک علی البخاری و مسلم	۳۹۴	الاستدرک علی البخاری و مسلم
۴۰۰	ابوداؤد	۴۰۰	ابوداؤد
۴۰۲	ترمذی	۴۰۲	ترمذی
۴۰۴	نسائی	۴۰۴	نسائی
۴۰۶	مسند حیات	۴۰۶	مسند حیات
۴۱۰	مسند احمد	۴۱۰	مسند احمد
۴۱۱	مسند احمد کے کتب ستر	۴۱۱	مسند احمد کے کتب ستر
۴۱۲	مسند احمد	۴۱۲	مسند احمد
۴۱۸	مرند صحابی	۴۱۸	مرند صحابی
۴۱۹	جرح و تعدیل	۴۱۹	جرح و تعدیل
۴۲۱	اسباب جرح	۴۲۱	اسباب جرح
۴۲۱	جرح و تعدیل میں اختلاف	۴۲۱	جرح و تعدیل میں اختلاف
۴۲۵	جرح تعدیل پر مقدم ہے	۴۲۵	جرح تعدیل پر مقدم ہے
۴۲۸	عدالت صحابہ	۴۲۸	عدالت صحابہ
۴۳۲	صحابی کہے کہتے ہیں	۴۳۲	صحابی کہے کہتے ہیں
۴۳۵	بیشترین بحث	۴۳۵	بیشترین بحث
۴۴۲	تمام صحابہ عادل ہیں	۴۴۲	تمام صحابہ عادل ہیں
۴۴۸	مناظرہ صحابہ	۴۴۸	مناظرہ صحابہ
۴۴۸	نہارا فضل یا تجارت	۴۴۸	نہارا فضل یا تجارت
۴۴۹	رسول کی موجودگی اور غیر موجودگی میں صحابہ کا اتفاق	۴۴۹	رسول کی موجودگی اور غیر موجودگی میں صحابہ کا اتفاق
۴۵۳	احادیث آحاد اور طرد	۴۵۳	احادیث آحاد اور طرد
۴۵۴	تسلیم	۴۵۴	تسلیم
۴۵۵	تجربہ	۴۵۵	تجربہ
۴۵۶	مذاہب کے متعلقین	۴۵۶	مذاہب کے متعلقین
۴۶۰	مالک اور ان کے اصحاب کی رائے	۴۶۰	مالک اور ان کے اصحاب کی رائے
۴۶۱	اوزائی اور ابو حنیفہ	۴۶۱	اوزائی اور ابو حنیفہ
۴۶۲	فقہائے مختلف اقوال	۴۶۲	فقہائے مختلف اقوال
۴۶۳	طائغ و لغت	۴۶۳	طائغ و لغت
۴۶۴	محمد مجتہد کا نظریہ	۴۶۴	محمد مجتہد کا نظریہ
۴۶۵	علامہ رشید رضا کی رائے	۴۶۵	علامہ رشید رضا کی رائے
۴۶۶	صرف حدیث	۴۶۶	صرف حدیث
۴۶۷	خاتمہ ۱۹۷۹ء اسلام پر عظیم مصیبت	۴۶۷	خاتمہ ۱۹۷۹ء اسلام پر عظیم مصیبت
۴۶۸	طرد نقد و سرشت کی تنقید ۱۹۹۱ء صدر اول میں احادیث آحاد	۴۶۸	طرد نقد و سرشت کی تنقید ۱۹۹۱ء صدر اول میں احادیث آحاد
۴۶۹	بین و شریعت ۱۹۹۳ء صدر اول کے لوگوں کا طریقہ	۴۶۹	بین و شریعت ۱۹۹۳ء صدر اول کے لوگوں کا طریقہ
۴۷۰	نقد زمانہ رسول میں ۱۹۹۵ء ترجیح کی وجہ	۴۷۰	نقد زمانہ رسول میں ۱۹۹۵ء ترجیح کی وجہ
۴۷۱	قواعد اصول ۱۹۹۹ء جہاد میں اصل و معاملات میں اصل	۴۷۱	قواعد اصول ۱۹۹۹ء جہاد میں اصل و معاملات میں اصل
۵۱۵	معاذ کتاب ۵۱۰ء فہرست	۵۱۵	معاذ کتاب ۵۱۰ء فہرست